www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

JAHANGIR'S SUCCESS SERIES

اسلامیات

Guess Paper for CSS-2021

urdukutabkhanapk.blogspot

حافظ ارشد اقبال چدھڑ

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

فہرست

1۔ 'کورونا وائرس' کی عالمی وبا اور اسلام 5

2۔ ریاست مدینہ کی خصوصیات 11

3۔ ریاست مدینہ اور قیادت سازی 16

4۔ حقوق نسواں، معاشرت سازی اور اقوامِ متحدہ 23

5۔ اسلام میں بچوں کے حقوق اور تحفظ ماورائے صنف قانون 32

6۔ رحمت عالم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) ایک سفارت کار کے لیے نمونہ عمل 38

7۔ نبی کریم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) معلم کے لیے نمونہ عمل 41

8۔ اسلامی تہذیب، خصوصیات اور اثرات 45

(الف) اسلامی تہذیب 45

(ب) اسلامی تہذیب وتمدن کے علمی، دینی، فکری اور معاشرتی اثرات 48

9۔ تزکیہ نفس کی کردار سازی میں اہمیت 51

10۔ اسلامی سیاسی نظام، خصوصیات اور دیگر نظاموں سے اتفاقات واختلافات 53

11۔ معاشی نظام کی خصوصیات اور سود کی حرمت 58

12۔ رحمت عالم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) امن قائم کرنے والے کے لیے نمونہ عمل 64

13۔ اسلام کو درپیش چیلنجز (فرقہ واریت، انتہا پسندی) 69

(الف) اسلام کو درپیش چیلنجز 69

(ب) اِنتہا پسندی، مفہوم، اسباب اور حل 74

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

14۔ اسلام میں انتظام ریاست 80

15۔ سرکاری ملازمین کی ذمہ داریاں 95

16۔ اسلام میں احتساب کا نظام 99

17۔ اجماع اور اجتہاد 104

(الف) اجماع 104

(ب) اجتہاد قرآن وسنت کی روشنی میں 109

18۔ ختم نبوت 116

19۔ عقائد وعبادات کے انسانی زندگی پر اثرات 120

(الف) عقیدۂ توحید کے اثرات 120

(ب) عقیدۂ آخرت کے اثرات 122

(ج) نماز کے اثرات 124

(د) روزہ کے اثرات 126

(ھ) حج کے فوائد 128

.....

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

1- 'کورونا وائرس' کی عالمی وبا اور اسلام

1- تعارف

10 دسمبر 2019ء کو چین کے شہر ووہان میں 'کورونا وائرس' کی وبا پھوٹنے کی خبریں آئیں، جس نے تقریباً پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ 'کورونا وائرس' کو عالمی وبا قرار دیا جا چکا ہے، مگر بہت سے لوگ اب بھی اِسے سنجیدگی سے نہیں لیتے۔ اِن میں اچھے خاصے دین دار مسلمان شامل ہیں۔ بعض حضرات احتیاطی تدابیر کو توکل کے منافی سمجھتے ہیں۔ نیز ان کا خیال ہے کہ بیماری کا علاج کرنے سے مسلمان دائرہ توکل سے نکل جاتا ہے۔ آیئے دیکھیں کہ اسلام کی نظروں میں ہمارے اس طرزِ عمل کی حیثیت کیا ہے؟ قرآن حکیم کی آیات کی روشنی میں طوفان، آندھی، زلزلہ اور وبا جیسی آفات عذاب الٰہی کی مختلف صورتیں ہیں، جو انسان کی سرکشی کا بدلہ ہوتی ہیں، یعنی یہ سزا انسان کے ہاتھ کی کمائی ہوتی ہے۔ عذاب یا آزمائش کا مقصد انسان کو رُجوع الی اللہ کی طرف مائل کرنا ہوتا ہے، تاکہ وہ اپنے گناہوں پر نادم ہو کر توبہ کرے اور اپنے رب سے رجوع کرے۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں آیا ہے:

تاکہ خدا ان کو ان کے بعض عملوں کا مزہ چکھائے، عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں۔ (الروم:41)

وبا کے بارے میں اسلام کی تعلیمات بہت واضح اور روشن ہیں۔ اگر آج 'کورونا وائرس' کے پھوٹنے ہی ان احکام پر عمل کیا جاتا تو دنیا کتنی پریشانی سے بچ جاتی۔

2- وبا کے حوالے سے حضرت عمرؓ کا رویہ

18ھ میں شام میں وبا پھوٹی جو 'طاعون عمواس' کہلاتی ہے۔ اس وقت حضرت عمرؓ شام کے سفر پر تھے۔ تبوک کے نزدیک 'سرغ' نام کے مقام پر پہنچے تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ، حضرت یزید بن ابی سفیانؓ، حضرت شرجیلؓ بن حسنہ جیسے کبار صحابہ حاضر ہوئے۔ انھوں نے حضرت عمرؓ سے عرض کی کہ ''شام میں وبا پھوٹ پڑی ہے۔'' حضرت عمرؓ مخمصے میں پڑ گئے کہ اب کیا کیا جائے؟ انھوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو حکم دیا کہ ''مہاجرین اولین کو بلایا جائے۔'' جب وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے تو انھوں نے ان سے مشورہ کیا۔ انھوں نے الگ الگ رائے دیں اور کسی ایک رائے پر متفق نہ ہو سکے۔ ان میں سے بعض کی رائے تھی کہ سفر جاری رکھا جائے اور بعض واپس لوٹ جانے کے حق میں تھے۔ حضرت عمرؓ نے انھیں رخصت کیا اور انصار کو طلب کیا۔ انصار نے بھی الگ الگ رائے دیں اور کسی رائے پر متفق نہ ہو سکے۔ حضرت عمرؓ نے انھیں بھی رخصت کیا اور حکم دیا کہ فتح مکہ میں جو مہاجرین رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے انھیں بلایا جائے۔ جب وہ آئے تو انھوں نے کوئی اختلاف نہیں کیا بلکہ عرض کی کہ ''بہتر ہے کہ آپ واپس لوٹ جائیں اور ان کو خطرے میں نہ ڈالیں۔''

- ان کی رائے سن کر حضرت عمرؓ نے اعلان کیا کہ ہم کل صبح واپس جا رہے ہیں۔ صبح لوگ جمع ہوئے تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ آئے اور حضرت عمرؓ سے کہا ''امیر المومنین آپ تقدیر الٰہی سے بھاگ رہے ہیں؟'' جس کے جواب میں حضرت عمرؓ نے کہا کہ ''ہاں، ہم اللہ کی ایک تقدیر سے اللہ کی دوسری تقدیر کی طرف بھاگ رہے ہیں۔'' حضرت عمرؓ نے ایک مثال دی ''لوگ اپنے اونٹوں کو لے کر ایک وادی میں اترتے ہیں۔ جس کا ایک کنارہ سرسبز و شاداب اور دوسرا خشک ہے۔ جو گروہ اپنے اونٹوں کو سرسبز شاداب حصے میں چرائے تو یہ تقدیر الٰہی سے ہے اور جو خشک و بنجر میں چرائے تو اس کا چرانا بھی تقدیر الٰہی ہی سے ہے؟ اسی اثنا میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ تشریف لائے، جو کہیں گئے ہوئے تھے اور اس موقع پر موجود نہ تھے۔ انھوں نے یہ ماجرا دیکھ کر کہا کہ ''اس بارے میں میرے پاس رسول اللہ ﷺ کا واضح حکم موجود ہے۔ میں نے آپ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب کسی علاقے میں وبا پھیلی ہو اور تم وہاں موجود ہو تو وہاں سے بھاگ کر نہ نکلو اور جب تم سنو کہ وبا پھیلی ہے تو اس علاقے میں مت جاؤ۔'' یہ حدیث سن کر حضرت عمرؓ کو خوشی ہوئی اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے لوگوں سے کہا کہ چلو۔

حضرت عمرؓ مدینہ واپس آئے تو حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ کو خط لکھا کہ ''آپ سے ضروری کام ہے۔ مدینہ واپس آئیں۔'' مگر حضرت ابوعبیدہؓ بھانپ

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

گئے کہ حضرت عمرؓ انھیں شام سے نکالنا چاہتے ہیں۔ انھوں نے اپنے فوجیوں کا ساتھ نہ چھوڑنے کا عذر پیش کرتے ہوئے اس حکم کی تعمیل نہیں کی اور لکھا ''میں ان حالات میں فوجیوں کو چھوڑ کر نہیں آسکتا معذور سمجھیں۔'' حضرت عمرؓ نے دوسرا خط ارسال کیا'' آپ نشیبی علاقے میں ہیں۔ فوج کو پہاڑوں پر لے جائیں۔'' حضرت ابوعبیدہؓ حکم کی تعمیل کرنے ہی جارہے تھے کہ ان پر وبا کا حملہ ہوا اور وہ جاں بحق ہو گئے۔ انھوں نے وفات سے پہلے حضرت معاذ بن جبلؓ کو اپنا جانشین بنایا، مگر طاعون نے پہلے حضرت معاذ بن جبلؓ کے فرزند اور پھر انھیں بھی اپنی گرفت میں لے لیا۔ دونوں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

3- حضرت عمرو بن عاصؓ کا فیصلہ

حضرت معاذ بن جبلؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو اپنا قائم مقام نامزد کیا۔ انھوں نے امیر ہوتے ہی مسلمانوں کے سامنے تقریر کی اور کہا'' وبا جب پھوٹتی ہے تو آگ کی طرح پھیلتی ہے۔ تم لوگ الگ الگ ہو کر پہاڑوں میں چھپ جاؤ اور جانیں بچاؤ۔'' یہ سن کر لوگ بھاگ بھاگ کر پہاڑوں میں جا کر چھپ گئے۔ چنانچہ بیماری کا زور کم پڑا اور کچھ دنوں کے اندر بالکل ختم ہو گیا۔ 'طاعون عمواس' کی وبا مہینوں پھیلتی رہی۔ اکابرین صحابہ حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت یزید بن ابی سفیانؓ، حضرت حارث بن ہشامؓ، حضرت سہیل بن عمروؓ، حضرت عتبہ بن سہیلؓ سمیت سینکڑوں صحابہ و تابعین اعیان و اشراف وبا میں انتقال کر گئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کی اولاد میں سے 40 افراد جاں بحق ہو گئے۔ حارث بن ہشامؓ کے خاندان کے 70 افراد میں سے صرف چار زندہ بچ گئے۔ مؤرخین کے مطابق اس وبا میں 25 ہزار مسلمان شہید ہو گئے۔

حضرت عمرو بن عاصؓ کی طرف سے لوگوں کو منتشر ہونے کا حکم دینا، طبی لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اسی چیز کو ہم آج Isolation یا Social Distancing کہتے ہیں۔

ارشاد نبویﷺ ہے کہ جہاں وبا ہو وہاں سے باہر نہیں نکلنا چاہیے۔ اس میں ایک حکمت یہ ہے کہ وبا والے علاقے سے اگر لوگ باہر جائیں تو ایک تو علاقے میں افراتفری مچ جائے گی۔ تندرست لوگ وبا سے متاثر لوگوں کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے اور ان کی خبر گیری نہیں ہو گی۔ دوسرے یہ کہ وبا کے مقام سے بھاگنے والے لوگوں میں متاثرین بھی ہوں گے جن کی وجہ سے دوسرے علاقوں کے لوگ بھی وبا کی گرفت میں آئیں گے۔ رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کا ارشاد ہے 'کوئی بیمار تندرست شخص کے پاس ہرگز نہ جائے'۔ نیز آپ نے یہ بھی فرمایا ہے 'مُمَرِّض (مرض پیدا کرنے والا مریض) تندرست کے پاس وارد نہ ہو'۔ ایک اور حدیث میں وبا والے علاقے سے نکلنے والے شخص کے بھاگنے کو میدان جہاد سے فرار قرار دیا گیا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کے مطابق: ''وبا والے شہر کی متعفن ہوا سانس کے ذریعے جسم میں جاتی ہے اور دل، پھیپھڑوں اور اندرونی جسم کے پردوں پر مضر اثرات ڈالتی ہے۔ اس لیے وبا والے شہر سے نکلنے والے شخص کے بارے میں احتمال یہ ہے کہ وہ اندرونی طور پر بیماری سے متاثر ہو۔'' اس لیے طاعون زدہ شہر کے لوگوں کو حدیث میں تاکید کی گئی ہے کہ وہ اللہ پر توکل کر کے اسی شہر میں قیام کریں۔ اگر وہ وبا کی زد میں آ کر فوت ہو جائیں تو انھیں شہید کا درجہ ملے گا۔

4- متعدی بیماری اور اسوہ رسول (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم)

متعدی (ایسی بیماری جو دوسروں تک پہنچ جائے) بیماری کے مریض سے دور رہنے میں بھی اسوہ رسولﷺ موجود ہے۔ قبیلہ ثقیف کے وفد میں ایک شخص جزام کے مرض میں مبتلا تھا، جو بیعت کرنے کے لیے آرہا تھا۔ رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) اُس کے بارے میں سنا تو کہلا بھیجا ''تم وہیں سے واپس لوٹ جاؤ، ہم نے تمھاری بیعت قبول کر لی۔'' ایک اور حدیث میں آیا ہے: ''جزامی مریض سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔'' ایک مرتبہ آپﷺ نے ایک جذامی سے گفتگو فرمائی تو جذامی مریض اور آپﷺ کے درمیان ایک یا دو نیزے کا فاصلہ تھا۔ رسول اللہﷺ کے ارشادات کی تعمیل کا نتیجہ تھا کہ قرون وسطیٰ (Dark Ages) کے دوران مسلمانوں نے عالم اسلام کے مختلف شہروں میں جذامیوں کے لیے نہ صرف علیحدہ ہسپتال قائم کیے تھے بلکہ انھیں شہر سے باہر علیحدہ بستیوں میں بسایا جاتا تھا۔ ان بستیوں کو 'الحارۃ' کہا جاتا تھا۔ ان میں بنیادی اور ضروری سہولیات میسر ہوتی تھیں۔

5- آفات میں احتیاطی تدابیر

آفات و آلام اور بیماری سے بچنے کے لیے احتیاطی تدابیر اختیار کرنا لازمی اور مستحسن ہے۔ قرآن حکیم نے مسلمانوں کو اپنا بچاؤ کرنے کا حکم دیا ہے۔ نماز خوف میں ہتھیاروں سے لیس رہنے کی تاکید کی ہے۔ دشمنوں سے مقابلہ کرنے کے لیے ہتھیار درست اور گھوڑے تیار رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ مریض اور مسافر کے

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

لیے یا پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمم کی اجازت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دشمنوں کے تعاقب سے بچنے کے لیے حکم دیا کہ ''میرے بندوں کو رات میں لے کر چل۔'' اس حکم میں ایک مصلحت یہ تھی کہ دشمن کو پتا نہ لگے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے دشمنوں کی نظروں سے بچنے کے لیے غار ثور میں پناہ لی تھی۔ اسباب کو کلی طور پر ترک کرنا توکل نہیں ہے۔ آپ ﷺ سے ایک شخص نے اونٹ کھلا چھوڑنے اور اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے کے بارے میں پوچھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اونٹ کے پاؤں کو باندھو اور توکل کرو۔''

6- علاج سنت ہے

بیماری اور علاج کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ارشادات میں ڈاکٹروں اور معالجوں کے لیے وافر ذخیرہ موجود ہے۔ چنانچہ 'الطب النبوی' کے عنوانات سے علمائے اسلام نے متعدد کتابیں تصنیف کی ہیں۔ امام ابن قیم نے سیرت کی مشہور کتاب ''زاد المعاد'' میں طب نبوی پر شاندار مواد جمع کیا ہے، جس میں کم و بیش ایسی دواؤں کا تذکرہ ہے۔ عہد رسالت ﷺ میں حارث بن کلدہ عربوں کے مشہور طبیب تھے۔ انھوں نے 'جندی شاپور' کے مدرسے میں طب کا علم حاصل کیا تھا۔ حضرت سعد بن وقاصؓ بیمار ہوئے تو آپ ﷺ نے حارث بن کلدہ کو طلب فرمایا۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے ''اللہ نے کوئی ایسی بیماری نازل نہیں کی جس کی شفا نہ ہو۔'' رسول اللہ ﷺ صحابہ سے فرمایا کرتے تھے ''حارث سے علاج کراؤ۔'' آپ ﷺ نے حضرت سعد بن معاذؓ کی فصد کھلوائی۔ حضرت سعد بن زرارہ کو داغ لگوایا۔ حضرت علیؓ آنکھوں کی بیماری میں مبتلا تھے تو ان سے فرمایا ''کھجوریں نہ کھاؤ۔'' آپ ﷺ ہر شب سرمہ لگایا کرتے تھے۔ ہر ماہ پچھنے لگواتے تھے اور ہر سال ''سنا مکی'' (ہرمل کا) کا جلاب لیا کرتے تھے۔ زخم پر مٹی لگاتے تھے۔ پھنسی یا پھوڑے پر مہندی لگاتے تھے۔ سر درد میں آپ ﷺ نے مہندی کا لیپ کرایا ہے۔

7- حفظان صحت اور سنت رسول (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم)

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں حفظان صحت کے بہترین اُصول و آداب موجود ہیں۔ آپ ﷺ نے گھروں اور صحنوں کو صاف ستھرا رکھنے کا حکم دیا۔ راستوں سے تکلیف دہ اور گندی چیزوں کے ہٹانے کی تاکید کی۔ آپ ﷺ ہمیشہ مسواک کیا کرتے تھے۔ اُمت کو بھی مسواک کا حکم دیا ہے۔ ایک حدیث میں ہاتھوں کی صفائی کا حکم آیا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے ''رسول اللہ ﷺ کو جب بھی چھینک آتی تو آپ اپنے ہاتھ یا کپڑے سے منہ ڈھانک لیتے اور آواز دھیمی کر لیتے۔'' آج پوری دنیا کے ذرائع ابلاغ بتا رہے ہیں کہ ہاتھوں کو صابن سے دھویا کریں اور چھینکتے وقت کہنی یا کپڑے سے منہ کو ڈھکیں۔ ایک حالیہ تجزیے میں آیا ہے کہ چھینکتے وقت جو چھوٹے قطرات منہ سے نکلتے ہیں وہ آٹھ میٹر کی دُوری تک دوسرے شخص کو متاثر کر سکتے ہیں۔ سنت رسول ﷺ میں دنیا کے لیے کتنی بہترین رہنمائی ہے۔

8- تنگی سے بچنے کے لیے اعمال میں تخفیف

رسول اللہ ﷺ نے نماز جیسی اہم عبادات میں بھی احوال و ظروف کا خیال فرمایا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھائے تو اس کو ہلکی نماز پڑھانی چاہیے، کیونکہ ان میں کمزور، ناتواں، بیمار اور کام والے ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''میں نماز شروع کرتا ہوں اور میرا ارادہ ہوتا ہے کہ اسے طویل کر دوں۔ پھر بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز ہلکی کر دیتا ہوں، کیونکہ مجھے وہ صدمہ معلوم ہے جو بچے کی ماں کو اس کے رونے سے ہوگا۔'' آپ ﷺ جب آسمان کے افق پر ابر و دیکھتے تو کام چھوڑ دیتے اور اگر نماز میں ہوتے تو نماز کو مختصر پڑھ لیتے اور پھر دعا کرتے: ''اے اللہ! میں اس کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔'' سفر میں تاریک یا بارش والی رات مؤذن کو یہ منادی کرنے کا حکم دیتے کہ تم لوگ اپنی رہائش گاہ ہی میں نماز پڑھ لو۔ آپ ﷺ نے مرض یا خوف کو نماز جمعہ کے لیے نہ آنے کا عذر قرار دیا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے ایک دن، جب بارش ہو رہی تھی، مؤذن کو حکم دیا کہ اذان میں **اشهد ان محمد الرسول الله** کہنے کے بعد یہ کہو ''**صلوا فی بیوتکم**'' (اپنے گھروں میں نماز پڑھ لو)۔ لوگوں کو اس سے تعجب ہوا تو حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ''ایسا ہی اس ذات مقدس نے فرمایا ہے جو مجھ سے بہتر تھی (یعنی نبی ﷺ)۔ جمعہ فرض ہے اور مجھے یہ بات پسند نہ آئی کہ تمھیں گھروں سے بلالوں اور تم کیچڑ اور پھسلنے کی جگہوں سے گزر کر مسجد پہنچو۔''

9- وبائیں تاریخی تناظر میں

وباؤں کے بارے میں مؤرخین نے جو تفصیلات اپنی تواریخ میں درج کی ہیں، ان سے بھی بہت کچھ اخذ کیا جا سکتا ہے۔ بعض علما نے طاعون کے موضوع پر

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

مستقل کتابیں اور رسالے تحریر کیے ہیں۔ ایک تصنیف حافظ ابن حجر عسقلانی نے تحریر کی ہے جس میں انھوں نے اس 'طاعون' کے بارے میں جو مصر میں 749ھ میں پھوٹا تھا اور پھر 833ھ میں بھی نمودار ہوا تھا، لکھا ہے کہ قاہرہ میں جب وبا پھوٹی تو 40 سے کم افراد فوت ہوئے۔ پھر لوگوں نے اجتماعی دعا اور تین دن روزہ رکھنے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ وہ صحرا کی طرف نکلے اور اجتماعی دعا کی۔ اجتماعی دعا کرنے کے بعد جب لوگ شہر کی طرف واپس آئے تو ہلاکتوں میں اضافہ ہو گیا اور روزانہ ہلاکتوں کی تعداد ایک ہزار سے بڑھ گئی۔ اضافہ کی وجہ یہ تھی کہ اجتماعی دعا میں جب لوگ جمع ہوئے تو تندرست اور بیمار لوگوں کا اختلاط ہوا، جس سے بیماری دوسرے لوگوں کو بھی لگ گئی تھی۔ مصر کی وبا کا تذکرہ ابن کثیر نے بھی کیا ہے۔

- اوپر جس طاعون کا ذکر کیا گیا، وہی طاعون ہے جو یورپ میں 1348ء میں بھی پھوٹا تھا اور جس نے نہ صرف پورے یورپ کو بلکہ مشرق وسطیٰ کو بھی اپنی لپیٹ میں لیا تھا۔ مؤرخین کے بیان کے مطابق یورپ کی نصف آبادی اسی طاعون میں ہلاک ہوئی تھی اور 1350ء یعنی دو سال تک وبا کا زور رہا۔ یورپ میں اسے Black Death کا نام دیا گیا۔ مشرق وسطیٰ میں اس کے پھوٹنے کا تذکرہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور دوسرے مؤرخین نے کیا ہے۔ دمشق میں اس کی ہولناکیوں کے بارے میں حافظ ابن کثیر نے تفصیل دی۔ یورپ کی ''کالی وبا'' نے مشرق وسطیٰ میں جو تباہی مچائی تھی، اس کا ذکر ابن بطوطہ نے بھی اپنے سفرنامے میں کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ ''اس وبا سے دمشق میں روزانہ دو ہزار لوگ موت کے منہ میں چلے جاتے تھے اور قاہرہ اور مصر میں روزانہ 24،24 ہزار لوگ دنیا سے رخصت ہوتے تھے۔''

10- اربعینہ (قرنطینہ)

کالی وبا کے زمانے 1348ء۔1350ء میں طاعون کے موضوع پر یورپ میں جو کچھ لکھا گیا ہے، اس میں دو بہترین شاہکار مسلمان حکما نے تحریر کیے ہیں۔ اہل یونان نے طاعون کو بالکل نظر انداز کر دیا تھا مگر حکمائے اسلام نے چیچک، خسرہ و اور طاعون کے بارے میں اپنی نادر اختراعات اور گراں قدر خیالات سے بنی نوع انسان کی رہنمائی کا کارنامہ انجام دیا۔ شیخ الرئیس حکیم بوعلی سینا کو پہلی دفعہ سوجھا کہ بعض بیماریاں ایک بیمار سے دوسرے شخص کو لگتی ہیں۔ انھوں نے اس کے لیے ایک تجربہ کیا اور ایک شخص کو چالیس دنوں کے لیے دوسرے لوگوں سے علیحدہ (Isolation) رکھا۔ یہ تجربہ کامیاب رہا۔ بیماری قابو میں رہی۔ اسے انھوں نے 'اربعینہ' کا نام دیا۔ بعد میں یہ طریقہ مسلمانوں میں عام ہو گیا۔ اٹلی کے وینس سے کچھ تاجر جب مسلمان ملکوں میں آئے، تو وہ 'اربعینہ' سے واقف ہو گئے۔ انھوں نے متعدی بیماری کو قابو کرنے کے لیے یہی اربعینہ (چالیس) اپنے ملک میں آزمایا اور اسے 'قرنطینہ' کا نام دیا، جو اربعینہ کا ترجمہ ہے۔ شیخ الرئیس کا یہی اربعینہ آج 'قرنطینہ' کے نام سے پوری دنیا میں معروف اور رائج ہے۔

اوپر جن دو مسلمان حکما کے شاہکاروں کا ذکر آیا تھا، ان میں غرناطہ کے نامور حکیم اور مورخ لسان الدین ابن الخطیب (م:776۔1374ھ) ہیں۔ جنھوں نے ان لوگوں کو جو یہ ماننے کو تیار نہ تھے کہ بیماریاں اڑ کر لگتی ہیں، جواب دیتے ہوئے لکھا ہے ''وبائی امراض کے پھیلنے کا وجود تجربے، مطالعہ، حواس خمسہ (Five Senses) کی شہادتوں اور معتبر اطلاعات سے ثابت ہے۔ وبا کی حقیقت اس وقت واضح ہو جاتی ہے جب کوئی محقق یہ دیکھتا ہے کہ مریض کو چھونے والا خود بھی اسی مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے جب کہ دور رہنے والا شخص اس سے محفوظ رہتا ہے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ یہ مرض بیماروں کے کپڑوں، برتنوں اور زیوروں، کان کے آویزوں کے استعمال اور ایک گھر کے آدمیوں سے دوسرے لوگوں کو لگ گیا۔ مزید برآں طاعون زدہ علاقے سے آئے لوگ جب غیر متاثر بندرگاہ پر پہنچے تو وہاں بھی یہ بیماری پھیل گئی۔'' (اخذ و تلخیص: ڈاکٹر غلام قادر لون)

11- کیا وائرس اور وبا عذاب الٰہی ہے؟

آزمائشیں اور آفات جن سے لوگ دوچار ہوتے ہیں، زندگی کی سنتوں میں سے ہیں۔ ان سے لوگ بچ نہیں سکتے۔ فرق مراتب کے باوجود وہ انفرادی طور پر بھی ان کا شکار ہوں گے اور اجتماعی طور پر بھی۔ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ایک عقیدہ تقدیر کا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے، اللہ کے اذن سے ہوتا ہے، خواہ ہمیں اس کی حکمت معلوم ہو یا نہ معلوم ہو۔ لیکن تقدیر پر یہ راسخ ایمان مسلمان کو غور و فکر کرنے اور عبرت و نصیحت حاصل کرنے سے نہیں روکتا۔ قدرتی آفات کا شکار نیک، بد سب لوگ ہوتے ہیں۔ اس سے تمام انسانوں کو یہ یاد دہانی ہوتی ہے کہ وہ مادی اور سائنسی میدانوں میں چاہے جتنی ترقی کر لیں لیکن روحانی اور اخلاقی پہلوؤں کو انھیں نظر انداز نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اپنے خالق سے رابطہ مضبوط کرنا چاہیے اور بنیادی قدروں، مثلاً عدل اجتماعی، پُرامن بقائے باہمی، انسانی جان و مال کی حرمت اور نیکی و بھلائی کے کاموں میں باہمی تعاون کو مضبوطی سے تھامے رہنا چاہیے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

- اس معنی میں آزمائش، انتقام الٰہی نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ آزمائش کے متعدد مقاصد ہوتے ہیں:

لوگ جب اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتوں سے محروم ہوتے ہیں، تب انھیں ان کی قدر معلوم ہوتی ہے۔ صحت کی قدر صحیح معنی میں وہی شخص کرے گا جو کسی مرض میں مبتلا ہو گیا ہو۔ امن کی نعمت کو وہی شخص پہچان سکتا ہے جو کچھ عرصہ خوف میں زندگی گزارے۔ انسان اکثر ان بہت سی ظاہری و باطنی نعمتوں سے غافل ہو جاتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے اسے نوازا ہے۔ اسے جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس ہوتا ہے تو اس کی شکر گزاری بڑھ جاتی ہے اور جو کچھ اسے حاصل ہے اس پر قانع ہو جاتا ہے۔

- اس کے ذریعے بندے کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ ہمیشہ اللہ کی پناہ لے اور اسی سے تحفظ اور مدد طلب کرے۔ انسان جب مصیبتوں اور تکلیفوں میں مبتلا ہوتا ہے، تو اسے تلاش کرتا ہے جو اس کی مدد کرے اور نجات دے۔ جب اسے احساس ہوگا کہ مصیبت کی اس گھڑی میں صرف اللہ ہی اس کا مددگار ساز ہے، تو اسے اطمینان و سکون حاصل ہوگا۔

- یہاں اس جانب بھی توجہ دلانا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جو آزمائش لوگوں کو گناہوں سے بچانے کے لیے آتی ہے وہ ہر اس عمل کے ذریعے ہوتی ہے کہ جس میں انسان صحیح راہ سے ہٹ جاتا ہے، خواہ اس کا اپنے رب سے تعلق کا معاملہ ہو، یا دوسرے انسانوں سے، یا کائنات سے۔ یہ بات کسی پر مخفی نہ ہوگی کہ ان تمام میدانوں میں انسان غلط راہوں پر جا پڑے ہیں۔ ''کورونا وائرس'' کی وبا عام ہونے کے بعد دنیا کے دانش وروں کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں کہ ''انسانوں نے زندگی کے تمام پہلوؤں میں جو غلط طرز عمل اختیار کر رکھا ہے اس پر نظر ثانی کریں۔'' یہ لوگ کہہ رہے ہیں کہ ''انسانیت کی معاصر تاریخ میں کورونا کے بعد کی زندگی، کورونا سے قبل کی زندگی سے مختلف ہوگی۔'' اقتدار اور اخلاق میں پیدا ہونے والا انحراف، انسانوں کے درمیان عدل اور دولت کی مساویانہ تقسیم کی خلاف ورزی، ماحول سے عدم مطابقت، فضائی آلودگی، جنگوں کی آگ بھڑکانا، یہ سب وہ گناہ ہیں، جن سے انسانیت کو توبہ کرنی چاہیے۔ ان سے ہوشیار کرنے کے لیے آزمائش ہوتی ہے تاکہ ظلم اور سرکشی جاری رکھنے کے انجام سے باخبر کر دیا جائے۔

12- کورونا وائرس کے پھیلاؤ کو کیسے روکا جائے؟

کورونا وائرس جیسی آفات کے خطرے کا مقابلہ کرنے اور اس سے حفاظت کے لیے اسلام درج ذیل ہدایات دیتا ہے:

- اسلام انسان کو ایمانی طاقت فراہم کرتا ہے، جس کے ذریعے وہ پوری قوت کے ساتھ سختیوں کو برداشت کرتا ہے۔ امراض کا مقابلہ کرنے کے لیے انسان کو ضرورت ہوتی ہے کہ اس کی جسمانی اور نفسیاتی بنیاد قوی ہو۔ یہی اطباء اور ماہرین بھی کہتے ہیں کہ مریض جس قدر سکون و اطمینان کی حالت میں ہوگا، اتنا ہی وہ مرض کا مقابلہ کرنے پر قادر ہوگا۔ ساتھ ہی احتیاط اور علاج کے اسباب اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔ اسلام نے ان احتیاطی تدابیر کو اختیار کرنے کی دعوت دی ہے اور اس پر ابھارا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ چیزیں کھانے اور ناپاک چیزوں سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

- اسلام نے صفائی ستھرائی کا تاکیدی حکم دیا ہے۔ اسلامی فقہ کا پہلا باب طہارت پر ہوتا ہے جو عبادت کی شرط ہے۔ اس کے لیے غسل کے احکام بیان کیے گئے ہیں۔ نماز کے لیے وضو لازم کیا گیا ہے کہ جسم کے ظاہری اعضا دھوئے جائیں۔ کھانا کھانے سے قبل اور اس کے بعد دونوں ہاتھ دھونے پر ابھارا گیا ہے۔ مسواک کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ احادیث میں خصال فطرت کو اختیار کرنے کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ کھانے کو خراب اور آلودہ ہونے سے بچانے کی تاکید کی گئی ہے۔ حفظان صحت سے متعلق ان ہدایات کا مقصد یہ ہے کہ نظافت انسان کی زندگی میں اس کے معمولات میں شامل ہو جائے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

مشکیزوں کو باندھ کر رکھو اور کھانے اور پانی کو ڈھکے رہو۔ (بخاری: 5624، مسلم: 2011)

اس میں شک نہیں کہ حفظانِ صحت سے متعلق یہ ہدایات امراض سے تحفظ فراہم کرنے کے سلسلے میں بہت مؤثر ہیں۔ طبی ادارے بھی انھی چیزوں کا مطالبہ کرتے رہے ہیں۔ ایک مومن جب ان ہدایات پر عمل کرے گا تو وہ بہ یک وقت حفظانِ صحت کے اُصولوں پر عمل کرنے والا ہوگا اور خالص عبارتی عمل بھی انجام دے رہا ہوگا۔

- کوئی وبا پھیلی ہوئی ہو تو اسلام نے ان نصیحتی تدابیر کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے، جو تعدیہ (Infection) کو پھیلنے سے روکنے والے ہوں۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

جب تم سنو کہ کہیں طاعون پھیلا ہوا ہے تو وہاں نہ جاؤ اور اگر اس وقت وہاں موجود ہو تو وہاں سے باہر نہ نکلو۔ (بخاری: 5728، مسلم: 2219)

13- کورونا وائرس کے سبب مسجدوں میں نماز موقوف کردینے کی مشروعیت

اسلامی تعلیمات انسانی زندگی کی حفاظت کرنے اور اسے ہر طرح کی اذیت سے بچانے کی تلقین کرتی ہیں۔ انسانی زندگی کی حفاظت کو اسلام نے اتنی اہمیت دی ہے کہ مجبوری کی صورت میں مسلمان کو کلمۂ کفر زبان پر لانے کی اجازت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''سوائے اس شخص کے جسے مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔'' (النحل: 106)

اسلام نے مریض اور مسافر کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی ہے، تاکہ وہ شدید مشقت اور ضرر سے بچا رہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرلے۔'' (البقرہ: 184)

ان چیزوں کی اجازت اس کے باوجود دی گئی ہے کہ ان میں مشکل کو برداشت کرنا اور افضل عمل کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ اس بنا پر بہ درجۂ اولیٰ یہ بات کہی گئی ہے کہ کورونا وائرس کے 'تعدیہ' (Infection) لوگوں کو بچانے کے مقصد سے مساجد میں نمازیں موقوف کردی جائیں اور گھروں میں ادا کی جائیں۔

شریعت کے کچھ متفق علیہ قواعد ہیں: مثلاً 'ضرر کو دور کیا جائے گا'، 'ناگزیر صورتِ حال میں ناجائز چیزیں جائز ہو جاتی ہیں'، 'مشقت کی صورت میں آسانی کا حکم دیا جاتا ہے'۔ موجودہ حالات میں مساجد میں شعائر کی انجام دہی کو موقوف کردینے کے جواز پر مذکورہ بالا قواعد کے ساتھ درج ذیل احادیث سے بھی استدلال کیا جاسکتا ہے:

۱۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مریض صحت مند کے پاس ہرگز نہ جائے۔'' (بخاری: 5771، مسلم: 2220)

ڈاکٹروں نے یہ بات قطعیت کے ساتھ کہی ہے کہ کورونا وائرس کے حامل شخص پر مرض کی علامات بسا اوقات طویل مدت تک ظاہر نہیں ہوتی ہیں۔ اس لیے وہ ہر اس شخص تک، جس سے ملاقات کرے گا، وائرس منتقل کرسکتا ہے۔ مساجد میں لوگوں کے آنے جانے، صفوں میں مل کر کھڑے ہونے اور ایک ہی جگہ مختلف لوگوں کے سجدہ کرنے سے یہ امکان بڑھ جاتا ہے۔

14- خلاصۂ بحث

خلاصۂ تحریر یہ ہے کہ 'کورونا وائرس' کی وبا کے بارے میں آج جو احتیاطی تدابیر اختیار کی جارہی ہیں، وہ اسلام ہی کی دین ہیں۔ طہارت ونظافت، بدن کی صفائی، چھینکتے وقت منہ کو کپڑے یا ہاتھ سے ڈھکنا، ہاتھوں کو بار بار دھونا، ملاقاتی سے کم از کم ایک میٹر دور رہنا، متاثرہ افراد سے بے تکلف ربط نہ رکھنا، دوسرے لوگوں سے سماجی دوری بنائے رکھنا، قرنطینہ سازی، میل جول کم کرکے گھروں میں رہنا، متاثر افراد کا دوسری جگہوں پر نہ جانا اور لوگوں سے نہ ملنا، گھروں میں توبہ واستغفار اور ذکر واذکار اور عبادات میں مشغول رہنا، یہ سب اسلام ہی کی تعلیمات ہیں، جن پر عمل کرکے پوری انسانیت اس بیماری سے نجات پاسکتی ہے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

2- ریاست مدینہ کی خصوصیات

1- تعارف

اُمت مسلمہ کے اجتماعی شعور نے ظہور اسلام سے آج تک دو صد اقتوں کو دل وجاں سے زیادہ عزیز رکھا ہے۔ اولاً: زمین پر توحید الٰہی کی علامت بیت اللہ کی مرکزیت اور قبلہ ہونا، اپنی سمت عبودیت، سمت معیشت، سمت ثقافت اور اندرونی و بیرونی تعلقات کو براہ راست بیت اللہ کے مالک کی رضا کا پابند رکھتے ہوئے زندگی کے ہر معاملے میں توحید خالص کو اختیار کرنا ہے۔ ثانیاً: اپنی زندگی کی تہذیب، اسے سنوارنے اور بنانے کے لیے عملی نمونہ اور مثال کے لیے صرف اور صرف اللہ کے آخری رسول ﷺ اور مدینہ کی اسلامی ریاست کے سربراہ حضرت محمد ﷺ کی حیات مبارکہ اور فیصلوں کو قیامت تک کے لیے حتمی اور سند سمجھنا ہے۔ یہ ایک الگ معاملہ ہے کہ اجتماعی شعور کی موجودگی میں حادثات زمانہ کی بنا پر وقتی طور پر اُمت مسلمہ نے کسی بیرونی، فکری یا سیاسی تسلط کی بنا پر یونانی فکر اور لادینی تصورات کو اختیار کر لیا ہو اور ان بیرونی یا اندرونی گمراہ کن تصورات کی وجہ سے قومیت، لادینیت اور محض معاشی ترقی اس کا قومی ہدف بن جائے۔ لیکن ایسے حالات میں بھی وہ ترکی ہو یا تیونس یا مصر، اُمت مسلمہ کا اجتماعی شعور وقتی انحراف سے نکلنے اور دوبارہ اپنا قبلہ درست کرنے سے غافل نہیں رہا۔

2- عصبیت کا خاتمہ اور نظریاتی اساس

مدینہ کی اسلامی ریاست کا ایک نمایاں پہلو اس کا عربوں کی قبائلی عصبیت اور رنگ و نسل کی بنیاد پر تفریق اور مالی وسائل کی بنیاد پر قیادت حاصل کرنے کے تصور کا غلط ہونا اور لا الہ الا اللہ کے مطالبات کو عملاً نافذ کرنا تھا۔ گویا مدینہ کی ریاست کا قیام عرب و عجم اور تاریکی میں ڈوبے ہوئے یورپ کی 'عوامی جمہوریہ' کے تصور کا متبادل ایک انقلابی فکر کا نفاذ تھا کہ ریاست کی بنیاد نسلی اور قبائلی اتحاد کی جگہ نظریہ، عقیدہ اور اقدار حیات کو ہونا چاہیے۔ چنانچہ ریاست مدینہ کا مقصد اقامت دین اور ایک ایسی امت کا قیام تھا جو رنگ و نسل اور زبان اور زمین کی کشش سے آزاد ہو اور صرف انسانوں اور کائنات کے خالق و مالک کی بندگی پر کاربند ہو۔ مدینہ کی اسلامی ریاست عربوں میں مروجہ قبائلی نظام اور پڑوس کے ممالک ایران و روم میں رائج بادشاہت (ایران و روم) سے بالکل مختلف ایک نئے تصور اور نئے سیاسی نظام کی نمائندہ تھی۔ اس ریاست کا مقصد کسی فرد کی موروثی ریاست کا قیام نہ تھا، نہ کسی خاص مذہبی گروہ کی اجارہ داری قائم کرنا تھا، بلکہ اللہ کی زمین پر اس کے دین کی اقامت تھا۔

3- مسلکی فرقے کی حاکمیت کی نفی

یہی وجہ ہے کہ انسانوں کی حاکمیت کی بنیاد پر قائم Nation State یا قومی ریاست کا تصور جسے یورپ نے کلیسا کے پاپائیت کے نظام سے نجات کے لیے اپنایا۔ اسلام میں اس تصور کا کوئی مقام نہیں ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی تصور ریاست میں کسی مسلم پاپائیت کی بھی کوئی گنجایش نہیں۔ چنانچہ کوئی خاص فرقہ اقتدار پر قابض ہو کر دوسروں کو اپنا محکوم نہیں بنا سکتا۔ گویا Theocracy یا مذہبی پاپائیت اسلام کی ضد ہے اور اسلامی ریاست کسی مسلکی فرقے کی حاکمیت کی جگہ صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حاکمیت کے قیام کا ذریعہ ہے۔

4- ریاست مدینہ چند خصوصیات

ا- حاکمیت الٰہی

قرآن کریم نے ریاست کی اوّلین ذمہ داری اللہ کی زمین پر اللہ کی حاکمیت کو قائم کرنے کو قرار دیا ہے۔ چنانچہ سورہ یوسف میں واضح الفاظ میں اُن تمام تصورات کو جن میں بادشاہ کو یا حاکم کو قانون سازی کے اختیارات دیے جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا تابع کر دیا۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ (یوسف:40)

ترجمہ: ''حکومت سوائے اللہ کے کسی کی نہیں ہے۔اس نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔یہی سیدھا راستہ ہے۔''

گویا حاکمیت اعلیٰ نہ پارلیمنٹ کی ہے، نہ عوام کی، نہ کسی صدر، وزیر اعظم یا بادشاہ کی، بلکہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے فرمان کو یہ مقام حاصل ہے کہ وہ قانون کو جائز یا ناجائز قرار دے۔ پارلیمان صرف اس وقت تک قانون سازی کر سکتی ہے جب تک اس کا ہر قانون قرآن وسنت سے مطابقت رکھتا ہو۔

۲۔ مشاورت

ریاست مدینہ میں معاملات کے فیصلے شوریٰ کی بنیاد پر کیے جاتے تھے۔قرآن کریم نے شوریٰ کے انعقاد اور شوریٰ کے نتیجے میں اجتماعی رائے پر عمل کرنے کو فریضہ قرار دے کر انفرادی رائے کو اجتماعی رائے کا تابع کر دیا۔شوریٰ کے دوران اختلاف کرنا اور اپنے مؤقف کو دلائل سے پیش کرنا ہر صاحب رائے کا حق ہے لیکن شرکا سے مشورہ کے یکسو ہو جانے کے بعد کسی فرد کو چاہے وہ صاحب امر ہی کیوں نہ ہو اپنی رائے اراکین شوریٰ پر مسلط کرنے کا حق نہیں ہے۔اسے اپنی رائے کو قربان کر کے اکثریت کی رائے کی پیروی کرنی ہوگی۔قرآن میں خود حضور اکرم ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (آل عمران:153)

ترجمہ: ''اور دین کے کام میں ان کو بھی شریک مشورہ رکھو، پھر جب تمھارا عزم کسی رائے پر مستحکم ہو جائے تو اللہ پر بھروسا کرو، اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اسی کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔''

مسلمانوں کے تمام معاملات کو انجام دینے کے لیے اس ابدی اصول کو حکم ہی نہیں، ملت اسلامیہ کے عمل اور نمونے کے طور پر ان الفاظ میں بیان فرمایا:

وامرھم شوریٰ بینھم، یعنی ان کے تمام معاملات باہمی مشاورت سے طے پاتے ہیں۔(الشوریٰ:38)

۳۔ شریعت کی بالادستی

ریاست کا بنیادی فریضہ قرآن وسنت کے احکامات کا نفاذ اور ان احکامات کی روشنی میں جدید قانون سازی ہے۔پارلیمان صرف وہ قانون سازی کر سکتی ہے جو شریعت کے اصولوں سے مطابقت رکھتی ہو۔وہ شریعت کے خلاف کوئی قانون نہیں بنا سکتی اور نہ کسی ایسے قانون کو نافذ کر سکتی ہے۔

۴۔ نظام صلوٰۃ ونظام زکوٰۃ

ریاست نظام صلوٰۃ اور نظام زکوٰۃ کو قائم کرنے اور اس کے لیے تمام سہولیات فراہم کرنے کی ذمہ دار ہے۔

۵۔ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فریضہ

ریاست معاشرے کی اخلاقی، معاشرتی، ثقافتی، تعلیمی ضروریات کے پیش نظر ہر شعبہ حیات میں معروف اخلاقی اقدار کو نافذ کرنے اور ہر برائی کو وہ کسی بھی درجے کی کیوں نہ ہو روکنے کی ذمہ دار ہے۔

۶۔ فلاح وبہبود اور بنیادی حقوق کی فراہمی

ریاست اپنی حدود میں رعایا کی فلاح کے لیے تمام سہولیات فراہم کرنے کی ذمہ دار ہے۔وہ ان کی تعلیم، صحت، غذا، تحفظ، عزت وناموس کی حفاظت جیسے بنیادی حقوق کو یقینی بنائے گی۔وہ ایک رفاہی ریاست ہے جس کا بیت المال رعایا کی معاشی مشکلات کے حل کے لیے ہے۔وہ کسی فرماں روا کی ملکیت نہیں ہے۔

۷۔ قانون کی یکسانیت

اسلامی ریاست میں ہر شہری قانون کی نگاہ میں برابر ہے۔صدر مملکت ہو یا وزیر اعظم یا ایک یتیم بچہ، قانون ان میں کوئی تفریق نہیں کر سکتا۔نبی کریم ﷺ کے واضح ارشادات ہیں کہ پچھلی اقوام اسی لیے تباہ ہوئیں کہ وہ اعلیٰ طبقات معاشرہ کے لیے الگ اور عام شہری کے لیے الگ قانون استعمال کرتی تھیں۔اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تمام انسان خواہ مرد ہو یا عورت، یکساں ہیں اور اگر کوئی فرق ہے تو اس کی بنیاد تقویٰ ہے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ۚ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (الحجرات: 13)

ترجمہ: ''لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور پھر تمھاری قومیں اور برادریاں بنادیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ درحقیقت اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تمھارے اندر سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔''

۸۔ جوابدہی

اسلامی ریاست میں ہر ذمہ دار اپنی ذمہ داری کے لیے جواب دہ ہے:

''عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک نگراں ہے اور اس کے ماتحتوں کے متعلق اس سے سوال ہوگا۔ امام نگراں ہے اور اس سے سوال اس کی رعایا کے بارے میں ہوگا۔ انسان اپنے گھر کا نگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ عورت اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ خادم اپنے آقا کے مال کا نگراں ہے اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ انسان اپنے باپ کے مال کا نگراں ہے اور اس کی رعیت کے بارے میں اس سے سوال ہوگا اور تم میں سے ہر شخص نگراں ہے اور سب سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔ (بخاری، کتاب الاحکام، مسلم، کتاب الایمان)

۹۔ مناصب کا امانت ہونا

قرآن نے ریاست کو پابند کر دیا ہے کہ ذمہ داری صرف ان کو دو جو اس کے اہل ہوں۔ ایسے ہی عوام کو پابند کر دیا ہے کہ وہ صرف ان افراد کو منتخب کریں جو امانت دار اور اہل ہوں۔ کسی قسم کی گروہی وابستگی کی بنا پر حمایت کی گنجائش نہیں ہے۔

۱۰۔ نظام احتساب

اسلامی ریاست نظام احتساب، یعنی حسبہ کے قائم کرنے کی ذمہ دار ہے۔ جس کا کام پیمانوں کا احتساب، مال کا خالص ہونا، قیمتوں کا مناسب ہونا، راہ داری کا کھلا ہونا، بازاروں میں امن وعدل کا قیام، صارف کے حقوق کا تحفظ اور ساہوکار پر نگاہ رکھنا اور ذخیرہ اندوزی کا خاتمہ کرنا ہے۔ یہ وہ اہم کام ہیں جو حسبہ کے تحت دور نبوی ﷺ سے ریاست نے انجام دیا۔

۱۱۔ نظام عدل کا قیام

ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ عادلانہ فیصلوں کا اہتمام کرے۔ چنانچہ عدلیہ کا قیام، قاضی کا تقرر اور اس کے فیصلوں کا نفاذ ریاست کی بنیادی ذمہ داری ہے۔

۱۲۔ مناصب کی طلب پر گرفت

ریاست کی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی ایسے فرد کو منصب پر فائز نہ ہونے دے جو اس منصب کا طلب گار ہو۔ امانت اور للّٰہیت کے اصولوں کو قائم کرنا اور منصب طلبی حصول اقتدار کی خواہش کرنے کو ختم کرنے کا نظام قائم کرنا ہے۔

۱۳۔ آزادی رائے

مدینہ کی اسلامی ریاست میں ہر شہری کو ریاستی معاملات میں اپنی رائے دینے اور خلیفہ کا احتساب کرنے کا حق حاصل تھا۔ ایک عام خاتون سربراہ ریاست سے پوچھ سکتی تھی کہ وہ کس بنیاد پر یکساں مہر کا نفاذ کرنا چاہتا ہے؟ اس خاتون کا استدلال یہ تھا کہ قرآن مہر کی رقم کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ وہ ایک ڈھیر سارا مال بھی ہو سکتا ہے اور حضرت عمرؓ سنت رسول ﷺ کی پیروی کرتے ہوئے وہ مہر جو نبی کریم ﷺ نے امہات المومنینؓ کے لیے پسند فرمایا، اسی مہر کی رقم کو سب کے لیے مقرر کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ایک صحابیہؓ کے سر عام ان کو قرآن سے دلیل دینے پر وہ بغیر کسی حجت اور بحث کے اپنی رائے سے دستبردار ہو گئے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

۱۴۔ تصورِ امانت اور ووٹ کا حق

ریاست مدینہ کی ایک نمایاں خصوصیت تصورِ امانت ہے۔ اس قرآنی اصطلاح کا معنی قابل اعتبار، اعتماد اور وفادار کے ہیں۔ ہم عام طور پر اس سے روزمرہ کے اقتصادی مالی معاملات مراد لیتے ہیں۔ اگر ایک شخص بددیانتی یا کمی بیشی نہیں کرتا تو ہم اسے امانت دار سمجھتے ہیں۔ قرآن کریم بھی اس جانب اشارہ کرتا ہے۔

ترجمہ: ''اگر تم میں سے کوئی شخص دوسرے پر بھروسا کر کے اس کے ساتھ کوئی معاملہ کرے، تو جس پر اعتماد کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ امانت ادا کرے اور اللہ سے ڈرے۔ اور شہادت ہرگز نہ چھپاؤ۔ جو شہادت چھپاتا ہے اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے۔'' (البقرہ:283)

اسی پہلو کو دیگر مقامات پر وضاحت سے سمجھایا گیا ہے:

ترجمہ: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو جانتے بوجھتے اللہ اور رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو، اپنی امانتوں میں غداری کے مرتکب نہ ہو۔'' (الانفال:27)

امانت کے وسیع تر مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے قرآن کریم اہل ایمان کی صفات میں سے امانت کو ایک بنیادی صفت قرار دیتا ہے:

ترجمہ: ''اپنی امانتوں اور عہد و پیمان کا پاس رکھتے ہیں۔'' (المومنون:8)

یہی مضمون (المعارج:32) میں دہرایا گیا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو امانت کی تشریح خود قرآن کریم سورۃ النساء میں یوں کرتا ہے:

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے انھوں نے عمل کیے اچھے عنقریب ہم انھیں داخل کریں گے ایسے باغوں میں ہمیشہ ان کے لیے باغوں میں جوڑے ہوں گے پاکیزہ اور ہم ان کو داخل کریں گے ایسے سائے میں جو گھنا ہوگا۔'' (النساء:58)

سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ نے کائنات، زمین اور پہاڑوں کے حوالے سے فرمایا ہے۔

''جب ان سے پوچھا گیا کہ کیا وہ ہدایت کا بوجھ اٹھا سکتے ہیں؟ تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا۔ کیوں کہ پہاڑوں اور زمین کو علم تھا کہ ان میں ارادہ و اختیار کی صلاحیت کی کمی ہے اور اس بنا پر وہ ذمہ داری کو ادا نہیں کر سکیں گے۔'' (الاحزاب:72)

پہاڑوں کی معذرت سے یہ اصول واضح ہو گیا کہ اگر ایک شخص کو کوئی امانت سپرد کی جا رہی ہو اور اسے معلوم ہو کہ وہ اس کے بار امانت کو صحیح طور پر نہیں اٹھا سکے گا، تو اسے وہ امانت قبول نہیں کرنی چاہیے۔ اس تناظر میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی اس حدیث کے مفہوم پر غور کیا جائے جس میں فرمایا گیا ہے:

''اس کا ایمان نہیں جو امانت دار نہیں اور اس کا کوئی دین نہیں جو عہد کا پابند نہیں۔'' (مسند امام احمد، حدیث:12344)

فقہا کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ووٹ ایک امانت ہے اور ووٹ کا حق دار کو دیا جانا ہی اس امانت کا ادا کرنا ہے۔ دوسری طرف عام مشاہدہ ہے کہ ووٹ دینے اور ووٹ طلب کرنے والا دونوں ہی اس کے دینی اور شرعی تقاضوں سے بہت کم آگاہ ہوتے ہیں۔ منصب چھوٹا ہو یا بڑا، ایک امانت ہے۔ اس کو ایک مثال سے یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اگر ایک تعلیمی ادارے کی سربراہی کے لیے ایک ایسے شخص کو منتخب کیا جاتا ہے جس میں انتظامی، مالی اور تادیبی امور کو سمجھنے اور یکسوئی اور اعتماد سے فیصلہ کرنے کی صلاحیت کا فقدان ہے، تو نہ صرف منتخب کرنے والے بلکہ وہ فرد خود بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہوگا کہ اس نے وہ ذمہ داری کیسے قبول کر لی جس کی صلاحیت اس میں نہیں پائی جاتی تھی؟

اسی طرح کسی عہدے کی طلب یا کسی عہدے پر کسی کو لانے کے لیے رائے عامہ ہموار کرنا بھی اسلامی ریاست مدینہ کی روایات و ضوابط سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔ کسی عہدے کی خواہش کرنا اس سے بھی بڑھ کر ظلم ہے اور نبی کریم ﷺ کے حکم کی کھلی خلاف ورزی ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے۔

''اللہ کی قسم! ہم اس کام کی نگرانی پر کسی ایسے شخص کو مقرر نہیں کر سکتے، جو اسے مانگتا ہو اور نہ کسی ایسے شخص کو مقرر کریں گے جو اس کا لالچ کرتا ہو۔'' (صحیح ابن حبان، کتاب البر، باب الخلافۃ والامارۃ)

یہی وجہ ہے کہ دور خلافت راشدہ میں لوگوں پر جب ذمہ داری ان کی خواہش اور طلب کے بغیر ڈال دی جاتی تو اس کے مطالبات کو پورا کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے۔ ان کا مقصد ذمہ داری کے حوالے سے سہولیات اور Status کا حصول کبھی نہیں ہوتا تھا۔ اس احساس ذمہ داری اور احتساب و جواب دہی کی بنا پر اقربا پروری کا امکان تھا، نہ دوست نوازی کا۔ مناصب کی طلب کے بجائے ان سے دور رہنے کی خواہش ان میں بے لوثی پیدا کرتی تھی اور عہدے کی طلب اور ذاتی نمود و نمائش کے جذبات کو قریب نہیں آنے دیتی تھی۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

5- خلاصۂ بحث

مدینہ کی اسلامی ریاست کے نمونے کے مطابق آج کے دور میں سوسائٹی اور ریاست کے قیام کے لیے فرد کی اصلاح، معاشرے کی اخلاقی تعمیر اور حکومت، ریاست اسلامی کے تمام اداروں اور پالیسیوں کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ یہ اس وقت ممکن ہے جب فرد، معاشرہ اور ریاست، ہر سطح پر اسلامی تعمیر نو کو ایک تحریک کی شکل میں انجام دیا جائے۔ اس اخلاقی تعمیر کے لیے جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے۔ وہ اللہ کی طرف پلٹنا، رجوع کرنا، اس سے تعلق کو مضبوط کرنا اور اس کے سامنے حاضری کی تیاری کرنا! (اخذ و تلخیص: ڈاکٹر انیس احمد، ترجمان القرآن، جون 2020)

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

3- ریاست مدینہ اور قیادت سازی

1- تعارف

نبی کریم ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی ایک نمایاں خوبی انسانی صلاحیتوں کو فروغ دینا تھا۔ آپ ﷺ نے بہترین افرادِ معاشرہ کا انتخاب کیا۔ ان کے اندر چھپی صلاحیتوں کو اجاگر کیا۔ پہلے سے موجود بلا صلاحیت افراد کو اہم ذمہ داریاں دیں۔ ان پر اعتماد کیا۔ پھر تاریخ نے دیکھا کہ ان افراد امت نے بہترین نتائج سے دنیا کو سوچنے پر مجبور کر دیا۔ ایڈمنسٹریشن کے لیے آج بھی ضرورت اِس امر کی ہے کہ صحیح جگہ پر صحیح آدمی کو ذمہ داری دی جائے۔

2- حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کا انتخاب

آپ ﷺ کی دعوت کا جب آغاز ہوا تو ایک ایسی شخصیت کی ضرورت تھی، جو آپ ﷺ کے پرسنل سیکرٹری کی حیثیت سے خدمات انجام دے سکے۔ اس کے لیے حضرت علیؓ سے زیادہ موزوں کوئی نہیں تھا، جن کے ذریعے آپ ﷺ مہمانوں کی ضیافت کا اہتمام فرماتے، لوگوں تک اپنی بات کو پہنچانے کا واسطہ بناتے۔ ہجرت کی رات مشرکین کو غلط فہمی میں مبتلا رکھنے کے لیے کسی شخص کا آپ ﷺ کے بستر پر سونا ضروری تھا۔ اس صورت میں سونے والے پر حملہ ہونے کا قوی اندیشہ موجود تھا، اس لیے اس ذمہ داری کو سرانجام دینے کے لیے حضرت علیؓ جیسے بہادر اور سرفروش شخص کا انتخاب بہترین فیصلہ تھا۔ مدینہ منورہ پہنچنے کے بعد وقتاً فوقتاً دشمن مختلف قبیلوں کے لوگ رات میں مدینہ پر حملہ آور ہوتے اور موقع پا کر مدینہ کے مویشیوں کو ہانک لے جاتے۔ صورت حال کی نزاکت کا تقاضا تھا کہ پورے شہر کے علاوہ کوئی خود آپ ﷺ کے گھر کے اطراف رات بھر پہرہ دے۔ اس خدمت کے لیے حضرت علیؓ نے خود کو پیش کیا اور ہجرت کے بعد مسلسل ڈیڑھ سال تک یہ خدمت انجام دیتے رہے۔

3- حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کا انتخاب

حبشہ کی طرف ہجرت کے لیے ایک قافلہ روانہ ہوا۔ اس کے پیش نظر دو مقصد تھے۔ ایک یہ کہ ظلم وستم کا نشانہ بننے سے کچھ برسوں تک دور رہا جائے اور دوسرا یہ کہ قریش تجارت پیشہ قبیلہ تھا، اس کے لیے ایمان لانے والے افراد نے تجارت کی غرض سے حبشہ کی طرف سفر کا ارادہ کیا۔ اس مہم میں آپ ﷺ نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کو مہاجرین کا امیر منتخب فرمایا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نجاشی کے ساتھ ہونے والے مکالمے نے اس انتخاب کی پیغمبرانہ دُور اندیشی کا عملی ثبوت پیش کر دیا۔

4- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب

پہلے دن سے آپ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کا ہدف مختلف طبقوں میں کام کرنا تھا اور اس کی عملی شکل یہی تھی کہ تاجر تاجروں میں، قبیلے کے سردار سرداروں میں، غلام غلاموں میں کام کریں۔ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ذریعے مکہ کے تاجروں میں کام کرنا شروع کیا، جس کے نتیجے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور ان جیسے مقام ومرتبے کے اور بہت سے صاحبِ ثروت تاجر اسلام کی دولت سے مالا مال ہوئے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی ہجرت میں رفاقت اور سفر میں ساتھ کے لیے کسی ہستی کا انتخاب ہونا تھا۔ اس کے لیے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا، جنھوں نے ہمیشہ آپ ﷺ کے قائم مقام کی حیثیت سے کام کیا۔ آپ ﷺ نے بالکل آغاز سے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اس منصب پر فائز فرمایا اور وہ آخر تک اس پر فائز رہے۔

5- حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کا انتخاب

جب مدینہ پر عرب کا متحدہ لشکر اٹھ کر آیا اور حملہ آور ہونے کے لیے مدینہ کا گھیراؤ کر لیا تو اس وقت بنو قریظہ کی طرف سے جو مدینہ میں آپ ﷺ کے حلیف

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

تھے، عہد شکنی کے آثار نظر آنے لگے۔ اسی دوران حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ اسلام لے آئے اور آپ ﷺ کے سامنے انھوں نے پیش کش رکھی کہ ان سے جو کام لینا چاہیں لے لیں۔ وہ قبیلہ بنو غطفان سے تعلق رکھتے تھے۔ اسلام کے خلاف متحدہ محاذ میں بنو غطفان قبیلہ بھی قریش کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے حضرت نعیمؓ بن مسعود کو ذمہ داری دی کہ وہ دشمنوں کے درمیان پھوٹ ڈال دیں۔ آپ ﷺ کا یہ انتخاب بالکل درست ثابت ہوا۔

6- حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا انتخاب

اسی جنگ میں آپ ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو دشمنوں کی اس مجلس میں بھیجا جہاں جنگ کی Strategy (حکمت عملی) زیر بحث تھی۔ جان جوکھم میں ڈال کر حضرت حذیفہؓ دشمنوں کے لشکر میں پہنچے اور معلوم کرلیا کہ اب ان کے پاس لڑنے کی ہمت نہیں ہے اور ان میں سے بڑی تعداد کوچ کر چکی ہے۔

7- صلاحیتوں کا ادراک اور فروغ

انسانی صلاحیتوں کے فروغ کے سلسلے میں نبی کریم ﷺ کا فارمولا صلاحیتوں کو نشوونما دینا، معاشرے کے باصلاحیت افراد کو متاثر کرنا اور بعض مخصوص صلاحیتوں سے بوقت ضرورت استفادہ کرنا۔ انسانی ذہن اور خیالات کو بدلنا، معاشرے کی اقدار کو نئے پیمانوں میں ڈھالنا، فکر کے زاویے کو صحیح سمت دینا اور پوری زندگی کے اندر ایک صالح انقلاب برپا کرنا، گونا گوں صلاحیتوں کا مطالبہ کرتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس عظیم الشان اور ہمہ جہت تبدیلی کے عمل کے لیے اعلیٰ انسانی صلاحیتوں کو فروغ دیا۔ ذیل میں اس حوالے سے مثالیں ملاحظہ کریں۔

انسانوں کے سلسلے میں آپ ﷺ کا نظریہ یہ تھا کہ صاحب ایمان اور مخلص لوگ سونے چاندی کی کانوں سے بڑھ کر قیمتی اثاثہ ہیں۔ لوگوں کی صلاحیتیں (Skills) اور قابلیتیں (Abilities) وہ انسانی وسائل ہیں، جو مادی وسائل سے زیادہ قیمتی اور دوررس نتائج پیدا کر سکتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ ''سب سے معزز آدمی کون ہے؟''

آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو اللہ کا خوف زیادہ رکھتا ہو۔'' صحابہؓ نے عرض کیا ''ہمارے سوال کا مقصد یہ نہیں ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''پھر سب سے زیادہ معزز اللہ کے نبی یوسف علیہ السلام ہیں جن کے باپ نبی، دادا نبی اور پردادا اللہ کے خلیل ہیں۔'' صحابہؓ نے عرض کیا کہ ''ہمارے سوال کا مقصد یہ بھی نہیں ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''تم لوگ عرب کے خانوادوں کے بارے میں پوچھنا چاہتے ہو۔ دیکھو! لوگوں کی مثال کانوں کی سی ہے (کسی کان میں سے اچھا مال نکلتا ہے کسی میں سے بُرا)۔ جو لوگ تم میں سے زمانہ جاہلیت میں معزز اور بہتر اخلاق کے ہیں، وہی قبولِ اسلام کے بعد بھی اچھے اور معزز ہیں، جب کہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔'' (صحیح بخاری)

اس حدیث میں دو باتیں ارشاد فرمائی گئی ہیں:

- انسانوں میں سب سے زیادہ قیمتی وہ لوگ ہیں جن کے پاس اعلیٰ صلاحیتیں ہوتی ہیں، قطع نظر اس کے کہ وہ دائرہ اسلام میں یا اس سے باہر ہیں۔
- صرف صلاحیتیں انسانیت کے لیے کافی نہیں ہوتی، اگر وہ ایمان اور تقویٰ سے عاری ہوں۔ سب سے زیادہ اچھے انسان وہ ہیں، جن میں سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کا خوف پایا جاتا ہو۔ ایک اور حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگ سونے چاندی کی کانوں کی طرح کانیں ہیں، جو زمانہ جاہلیت میں اچھے تھے، وہ اگر دین کو سمجھ لیں تو زمانہ اسلام میں بھی اچھے ہیں اور ارواح ایک ساتھ رہنے والی جماعتیں ہیں جو آپس میں (ایک جیسی صفات کی بنا پر) ایک دوسرے کو پہچاننے لگیں تو ان میں الفت پیدا ہو جاتی ہے، اور جو (صفات کے اختلاف کی بنا پر) ایک دوسرے سے گریزاں رہیں، وہ ایک دوسرے سے متنفر ہو جاتی ہیں۔'' (صحیح مسلم: 2638)

8- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا انتخاب

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ باصلاحیت لوگ اگرچہ جاہلیت کے علم بردار ہی کیوں نہ ہوں اور ظالموں اور اسلام دشمنوں کی صفوں میں ہی کیوں نہ ہوں، اگر وہ ایمان لے آئیں تو یہاں بھی وہ بہت قیمتی اثاثہ ثابت ہوں گے۔ اس کی بے شمار مثالیں اسلامی تاریخ میں ملتی ہیں، جن میں سب سے نمایاں نام حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن الخطابؓ کا ہے۔ دعائے رسالت ﷺ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ دلیر اور بہادر انسان تھے، طبیعت کے جری اور ارادے کے قوی تھے۔ معاشرہ انھیں اسی حیثیت سے

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

جانتا تھا۔ بہادری میں پورے مکہ مکرمہ میں ان کا اونچا مقام تھا۔ اسلام کو ایک ایسی ہی دلیر اور شجاع شخصیت کی ضرورت تھی جو کفار کے درمیان میں اسلام کا پرچم بلند کر سکے۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کی دلیری کو ان کے شایان شان ایک ایسے میدان کی ضرورت تھی کہ جہاں وہ تاریخ میں اپنے انمٹ نقوش چھوڑ جائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے خصوصی دعا کی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ دعا مقبول بھی ہوئی اور اللہ کی توفیق نے دونوں میں ایک تاریخ ساز رشتہ قائم کر دیا۔ جب حضرت عمرؓ نے اسلام لے آئے تو اپنی شجاعت اور دلیری ساتھ لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی صلاحیتوں کی قدر کی اور انھیں استعمال کرنے کی صحیح جگہ بتائی۔ حضرت عمرؓ نے انھیں ٹھیک جگہ صرف کر کے ایران و روم کی شہنشاہیت کو اسلام کے قدموں پر لا جھکایا۔ وہ جاہلیت میں بھی شجاع اور دلیر تھے اور اسلام لانے کے بعد بھی ویسے ہی بلند عزم اور بہادر ثابت ہوئے۔

- درج بالا حدیث سے ایک لطیف بات کی طرف اشارہ ملتا ہے کہ روحوں میں آپس میں ایک نظر نہ آنے والا رشتہ اور غیر محسوس کشش ہوتی ہے۔ اس لیے سعید ارواح کے ساتھ سعادت مند ہوتے ہیں اور ظالم لوگوں کے ساتھ بد بخت جڑ جاتے ہیں۔ اسی طرح ہر با صلاحیت فرد کے ارد گرد اسی قسم کی صلاحیتوں کے لوگوں کی موجودگی ہوتی ہے۔ مراد یہ ہے کہ متعلقہ میدان میں خواہ وہ علمی و ادبی ہو یا تہذیبی و سائنسی، یہ تعلقات ان صلاحیتوں کے ارتقا اور ترقی کا ذریعہ بنتے ہیں۔ جس طرح سونے چاندی کی کانیں دنیا کے بہت سے ملکوں میں پائی جاتی ہیں اور انسانوں کے بس کی بات نہیں کہ ان کو اپنے محبوب وطن اور اپنے مقدس ملک کے ساتھ مخصوص کر دیں، اسی طرح جوہر (Ability) انسانیت کی کانیں اور انسانی صفات و کمالات کے دفینے بہت سے ملکوں میں پائے جاتے ہیں۔

9- حکمت دعوت و تزکیہ

انسانی صلاحیتوں کے فروغ کے ضمن میں سب سے پہلا ضروری کام یہ ہے کہ اپنی ہی صفوں میں جو مخلص کارکنان دین کے لیے ہر کام کی انجام دہی کے لیے تیار رہتے ہیں اور اپنی زندگی اسی مقصد کے لیے وقف کر دینے کا تہیہ کیے ہوئے تحریک میں شامل ہوتے ہیں، ان پر پہلی توجہ دی جائے۔ ان کا 'تزکیہ' ہو، ان کی صلاحیتیں پروان چڑھیں، ان کی شخصیت سازی ہو اور وہ اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو پہچانیں، تاکہ انھیں درجۂ کمال تک پہنچایا جائے۔ اسی کا نام 'تزکیہ' ہے۔

سرداران قریش ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھے تھے اور آپس میں یہ باور کرا رہے تھے کہ انھیں بھی اسلام سے دلچسپی ہے اور وہ کچھ آپ ﷺ سے سننا چاہتے ہیں۔ اسی موقعے پر ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہؓ بن ام مکتوم حاضر ہو کر آپ ﷺ سے کچھ سوالات کر رہے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی طرف عدم التفات کیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دعوت کا یہ سبق سکھایا کہ اسلام کی دعوت اور اس کی خدمت انتہائی بلندی و عظمت والا کام ہے، اور اس کام کو انجام دینے کے لیے ضروری نہیں ہے کہ معاشرے کے مغرور و متکبر لوگوں کی رعایت کے لیے دعوت کے اونچے مقام سے نیچے اتر کر آئیں۔ یہ قرآن اور پیغام رسالت سے مناسبت نہیں رکھتا۔

اس سے واضح ہوا کہ اللہ کی طرف بلانے والا ہر داعی اپنی دعوت کے دوران اس نکتے کا گہرا شعور رکھے کہ کون تزکیہ کے لیے آمادہ ہے اور کون گناہوں کے دلدل کے لیے دل میں خلش رکھتا ہے، اور کس کے اندر معنوی اور اخلاقی ارتقا کی پیاس اور تڑپ موجود ہے؟

10- حضرت بلال حبشیؓ کا انتخاب

انسانی صلاحیتوں کے فروغ کی ایک اور درخشاں مثال ہمیں ''حضرت بلالؓ حبشی'' کی ذات میں ملتی ہے۔ اسلام لاتے وقت وہ امیہ بن خلف کے غلام تھے۔ غلام نہ صرف عرب معاشرے میں بلکہ دنیا کے ہر معاشرے میں سماجی پسماندگی کی آخری سطح پر ہوتا ہے۔ اس پر مزید یہ کہ سخت سزائیں شخصیت کے عزم و حوصلے کو توڑ دیتی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے توسط سے آزاد کروایا۔ پھر دھیرے دھیرے ان کی صلاحتوں کو بڑھاتے چلے گئے، یہاں تک کہ مدینہ پہنچنے کے بعد حضرت بلالؓ کی تین نمایاں حیثیتیں ملتی ہیں:

- ایک یہ کہ مدینہ پہنچنے اور مسجد نبوی کے بنانے کے کچھ دنوں بعد جب اذان کا رواج شروع ہوا تو آپ ﷺ کی نگاہ انتخاب حضرت بلالؓ پر پڑی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اس ذمہ داری کو بڑی خوبی کے ساتھ آپ ﷺ کی وصال تک نبھایا۔ آج کی سائنسی دنیا سے تھوڑی دیر کے لیے باہر نکل کر عرب کے اس وقت کا تصور کریں، جب وقت کو معلوم کرنے کے لیے آلات موجود نہیں تھے۔ ہمیں معلوم ہے کہ اسلام نے نماز کے اوقات کو کائنات کی بڑی تبدیلیوں کے

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ساتھ وابستہ کیا ہے۔ اس لیے عبادت کو اپنے وقت پر انجام دینے کے لیے لازم ہے کہ کائنات کی تبدیلیوں سے واقفیت ہو، یعنی اگر آج کی اصطلاح میں کہا جائے تو علم فلکیات سے ایک مؤذن کے لیے واقف ہونا از حد ضروری تھا۔ نماز کے تمام اوقات مختلف علامتوں سے وابستہ کیے گئے ہیں۔ ان علامتوں کی پہچان آسان نہیں ہے، کیوں کہ موسمیات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے، جس میں آثار کائنات کو دیکھ کر نمازوں کے اوقات پر اذان دینی ہوتی ہے۔ اس کی صلاحیت حضرت بلالؓ کے اندر پیدا کر دی گئی تھی۔

- دوسری حیثیت یہ کہ وہ نبی کریم ﷺ کے پرسنل اسسٹنٹ تھے۔ آپ ﷺ کی مالیات کا وہ حساب رکھتے تھے، آمدنی اور خرچ آپ کے ہاتھوں سے ہوا کرتا تھا۔ کبھی کبھی آپ ﷺ، حضرت بلالؓ سے پوچھتے کہ آپ ﷺ کی کتنی رقم ان کے پاس ہے؟ اگر کچھ ہوتا تو بتا دیتے ورنہ سرور کائنات ﷺ فرماتے کہ کہیں سے قرض لے کر فلاں شخص کی ضرورت پوری کر دی جائے۔
- تیسری حیثیت یہ کہ مسجد نبوی ﷺ سے ملحق ایک کمرہ تھا اور وہ نومولود اسلامی ریاست کے خزانے کا کمرہ تھا۔ مدینہ میں لوگ اپنی زکوٰۃ، ٹیکس، صدقات وغیرہ جمع کیا کرتے تھے اور جب کوئی بڑی ضرورت پیش آ جاتی جیسے غزوات وغیرہ تو انفاق فی سبیل اللہ کی ایک خصوصی اپیل جاری کر دی جاتی۔ جس کے جواب میں لوگ درہم و دینار اور اپنے پاس میسر ساز و سامان لا کر اسلامی تحریک کے حوالے کر دیتے۔ ان سب کا حساب کتاب رکھنا، مجاہدوں میں تقسیم کرنا، مال غنیمت کا حساب رکھنا اور رسول اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر انھیں حق داروں میں تقسیم کرنا، یہ سب کام حضرت بلالؓ بڑی خوبی کے ساتھ انجام دیا کرتے تھے۔

11- واقعہ ہجرت میں ایک اہم مثال

ہجرت کے موقعے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے غیر مسلم بدو، عبداللہ بن اریقط کی خدمات حاصل کیں، تاکہ وہ غیر معروف راستے سے یثرب (مدینہ) کی طرف لے جائے۔ روانگی کے لیے مقررہ وقت پر ''ابن اریقط'' اونٹوں کے ساتھ غار میں ان سے ملنے آیا، اور وہ سیدھے شمال کی سمت میں یثرب کی طرف جانے کے بجائے جنوب مغرب کی طرف روانہ ہوئے۔ یہ بہت ہی پرخطر سفر تھا اور دوسری طرف قریش انھیں گرفتار کرنے کی ہر ممکن کوشش کر رہے تھے۔ حالانکہ وہ شخص دشمنوں کا ہم مذہب، یعنی مشرک تھا، لیکن وہ اسے اچھی طرح جانتے تھے کہ وہ قابل اعتماد بھی ہے اور راستوں کا غیر معمولی واقف کار بھی۔ اس لیے اس پر اعتماد کیا اور راستہ بتانے والے کی حیثیت سے اس کی صلاحیتوں سے استفادہ کیا گیا۔ رسول کریم ﷺ اپنے رفقا کی صلاحیتوں کی قدر کرتے، انھیں استعمال میں لاتے اور ان کے فروغ میں رہنمائی فرماتے۔ اب ذیل میں کچھ مخصوص صلاحیتوں کا تذکرہ کیا جائے گا۔

12- کاتبین وحی

قرآن مجید 30 سال تک تھوڑا تھوڑا نازل ہوتا رہا۔ مختلف زمانوں میں سورتیں اور آیتیں نازل ہوئیں۔ جب بھی جبرائیل علیہ السلام آتے اور آپ تک پیغام پہنچاتے تو آپ ﷺ انھیں لکھوانے کا انتظام فرماتے۔ جب بھی رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید کی آیتیں نازل ہوتیں، آپ ﷺ سب سے پہلے مردوں کی جماعت میں تلاوت فرماتے تھے، پھر اس کے بعد عورتوں کو بھی سناتے تھے۔ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تو اپنے صحابہؓ میں سے کسی ایسے شخص کو جسے لکھنا پڑھنا آتا ہو یاد فرماتے اور اس کو املا کراتے۔ اہم بات یہ ہے کہ لکھنے کے بعد اس سے کہتے کہ جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھ کر سناؤ تاکہ اگر کوئی غلطی کی ہو تو اس کی اصلاح ہو جائے۔ یاد رہے کہ قرآن کتاب کی صورت میں مرتب ہو کر نبی کریم ﷺ کے زمانے میں تیار ہو گیا تھا اور اس کی مکمل کتابت ہو چکی تھی جس کی ترتیب وہی تھی جو آج ہے۔

13- مبلغین و معلمین کی تیاری

مکی و مدنی دونوں زمانوں میں اسلام کی تبلیغ و تعلیم کا سرچشمہ تو رسول اکرم ﷺ کی ذات انور تھی۔ اسلام سے ناواقف لوگوں کے سامنے آپ ﷺ اسلام کی تبلیغ فرماتے اور جو اسلام قبول کر لیتے، انھیں قرآن کی تعلیم دیتے۔ پھر رفتہ رفتہ آپ ﷺ نے اس کام کے لیے بہت سے صحابہ کرامؓ کو تیار فرمایا۔ اس طرح حضور اکرم ﷺ نے ذاتی حیثیت میں اور مرکزی سطح پر صحابہؓ کے ذریعے دعوتی کام اور تعلیم کا کام برابر جاری رکھا۔ مکی دور میں عبدالرحمن بن عوفؓ، علی بن ابی طالبؓ، اسامہ بن زیدؓ وغیرہ کے ذریعے چاروں طرف دعوتی دفود گشت کرتے تھے۔ خود حدود حرم میں بھی صحابہ کرامؓ کی تبلیغی کوششیں جاری رہتیں۔ مکہ سے دور دراز علاقوں میں تبلیغی مہمات کا اندازہ مصعبؓ بن عمیر، ابوموسیٰ اشعریؓ، طفیلؓ بن عمرو دوسی، ابوذر غفاریؓ وغیرہ جیسے متعدد صحابہ کرامؓ کی دعوتی سرگرمیوں سے کیا جا سکتا ہے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہؓ بن مسعود، سالمؓ اور حضرت معاذؓ بن جبل کو قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لیے مقرر فرمایا۔ اسی طرح جب اسلام پھیلنے لگا تو آپ ﷺ نے مسلمانوں کی تعلیم کے لیے اور بہت سے صحابہ کرام مقرر فرمائے پھر انھوں نے بے شمار شاگردوں کو عہد نبوی ﷺ ہی میں تیار کیا، جو آپ ﷺ کے بعد مختلف مقامات پر قرآن مجید کی تعلیم دینے پر مامور ہوئے۔ مکی دور کی مانند مدنی دور میں بھی رسول اکرم ﷺ نے متعدد دعوتی جماعتیں منظم کی تھیں اور ان جماعتوں یا انفرادی مبلغوں کو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف علاقوں بلکہ اس کے باہر دوسرے ملکوں میں بھی بھیجا تھا۔

14- توسیع دعوت اور تنظیم مسلمین

نبی کریم ﷺ کا معمول تھا کہ مکہ میں جب بازار لگتا تو باہر سے آنے والے قبیلوں کے درمیان آپ ﷺ تشریف لے جاتے اور اسلام کی تبلیغ فرماتے۔ اسی طرح ایام حج میں آپ ﷺ منیٰ کے میدان میں تشریف لے جاتے اور خیموں میں پہنچ کر دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیتے۔ دوسری طرف ابوجہل لوگوں کو ورغلاتا اور آپ ﷺ کے خلاف بھڑکاتا، مگر آپؐ اپنا کام اس وقت تک جاری رکھتے، جب تک آخری خیمے میں پہنچ نہ جاتے۔

10 نبوی میں ایسا ہی ہوا کہ رسول کریم ﷺ تبلیغ فرماتے ہوئے جب آخری خیمے میں پہنچے تو وہاں اچھے آدمی ملے، جو مدینہ کے قبیلہ خزرج سے آئے ہوئے تھے۔ وہ لوگ سلیم الفطرت ثابت ہوئے۔ آپ ﷺ نے جب ان کے سامنے اللہ کی وحدانیت اور عظمت بیان کی تو بہت متاثر ہوئے اور جب آپ ﷺ نے قرآن کریم کی چند آیات کی تلاوت فرمائی تو ان کے دل بالکل ہی پگھل گئے اور آپس میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے اور کہنے لگے کہ ''واللہ! یہ تو وہی نبی ہیں جن کا تذکرہ ہر وقت ہمارے ہاں مدینے میں یہود کی زبان پر ہوا کرتا ہے۔ دیکھنا یہود کہیں ہم سے قبولِ حق میں سبقت نہ لے جائیں''۔ یہ کہہ کر سب اسی وقت کلمہ شہادت پڑھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ خزرج کا کیا اسلام قبول کرنا تھا، گویا مدینہ میں اسلام کا سورج طلوع ہو گیا۔ یثرب کا وفد جب واپس جانے لگا تو سرداران خزرج نے سرور کونین (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) سے التجا کی ''ہمیں قرآن پڑھانے اور اسلام سکھانے کے لیے ایک معلم ساتھ بھیج دیجیے''۔ نئے مسلمان ہونے والوں کی تربیت اور ملی تنظیم کے لیے ایک قابل و ہونہار ناظم کی ضرورت، آپ ﷺ نے محسوس کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ انتخاب حضرت مصعبؓ بن عمیر پر پڑی اور آپ ﷺ نے انھیں یثرب چلے جانے کا حکم دیا۔ حضرت مصعبؓ بن عمیر ایثار و خلوص کے پیکر جمیل تھے۔ رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کا حکم پاتے ہی کسی عذر کے بغیر، اسلام کے پہلے داعی اور مستقبل کے شہر ''مدینۃ النبی'' کے ناظم بن کر یثرب روانہ ہو گئے۔

15- مفتیانِ کرام

رسول کریم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی ایک انتہائی دُور اندیشی پر مبنی عملی حکمت تھی کہ آپ ﷺ نے اپنی موجودگی میں کتاب و سنت کے ایسے عالم اور مفتی پیدا کر دیے، جو آپ ﷺ کے بعد بھی اسلام کی امامت و سیادت کا کام بخوبی کر سکتے تھے۔ اس لیے آپ ﷺ نے اپنی تربیت میں صحابہ کرام کی ایک ایسی ٹیم کو منصب افتاء کے لیے تیار فرمایا، جو سب سے زیادہ وسیع علم والے، سب سے کم تکلف والے، سب سے اچھے بیان کرنے والے اور سب سے سچے ایمان والے، اور خدا ترس تھے۔ آپ ﷺ اپنی موجودگی میں بعض صحابہ کرامؓ سے دینی امور اور مذہبی مسائل پر فیصلے کرایا کرتے تھے۔ اس وقت تک زیر بحث معاملات کے حل کے لیے تین اصول پوری طرح ظہور اور عمل میں آ چکے تھے۔ پہلے قرآن حکیم کی روشنی میں مسائل کو حل کیا جائے پھر سنت کی روشنی میں فیصلہ کیا جائے، لیکن ان دونوں سے بھی اگر کسی خاص معاملے پر روشنی نہ مل سکے تو دینی فہم پر اعتماد کر کے فیصلہ کیا جائے۔ اسلامی ریاست جیسے جیسے پھیلتی گئی، ویسے ویسے مفتیانِ کرام کا کردار بھی بڑھتا گیا۔ پھر رسول اللہ ﷺ کی تربیت کے نتیجے میں جو ذہن سازی ہوئی تھی، اس کی بنیاد پر کسی بھی مسئلے میں جہاں قرآن و سنت کی واضح رہنمائی موجود نہ ہوتی وہاں وہ اپنی رائے سے فیصلہ اور فتویٰ دیتے۔

16- ائمہ مساجد

نبی ﷺ کی حیثیت سے آپ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) ہی امت کے تنہا امام تھے اور آپ ﷺ کی موجودگی میں کوئی اور نماز کی بھی امامت نہیں کر سکتا تھا۔ البتہ آپ ﷺ کی غیر حاضری میں کوئی صالح مسلمان امامت کے فرائض انجام دے سکتا تھا اور عموماً آپ ﷺ خود ایسے اماموں کا تقرر فرما دیتے تھے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

17- سیکرٹری (ڈاکومنٹ رائٹر)

اس سے پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ عرب میں پڑھے لکھے لوگ بہت کم تھے اور جو پڑھے لکھے ہوتے تھے، عرب میں ہر لحاظ سے ان کی بڑی قدر ومنزلت ہوتی تھی اور احتراماً ان کے نام کے ساتھ ''الکاتب'' یعنی لکھنے والا لگایا جاتا تھا۔ اسلام کی آمد کے بعد کتابت کے فن کو عروج ملا اور بہت سے امور میں نبی کریم ﷺ کے اپنے فرامین خطوط، عہد و پیمان، امان وغیرہ دینے کا کام لکھ کر ہوا کرتا تھا۔ مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد کاتبوں کے کام کی نوعیت مذہبی ہونے کے ساتھ سیاسی رنگ بھی اختیار کر گئی۔ اسلامی ریاست کے سربراہ کی حیثیت سے رسول کریم ﷺ کو اپنی فوج یا افسروں، سپہ سالاروں، گورنروں، صوبائی اور مقامی منتظمین، قبائلی سرداروں، ملک و بیرون ملک کے حکمرانوں اور عوام کے نام خطوط اور فرامین لکھنا ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے متعدد عرب عیسائی اور یہودی قبیلوں سے صلح اور باہمی تعاون کے معاہدے کے تھے۔ بعد کے زمانے میں غیر مسلم طبقات کے سرداروں کے نام فرامین صادر کیے جاتے۔ آخری زمانے میں متعدد قبائل نے اسلامی ریاست کے ساتھ حلیفانہ تعلقات قائم کیے، ان کی دستاویزات لکھی جاتی تھیں۔

18- سفیرانِ رسول

زمانہ قدیم سے جزیرہ نما عرب اور بالخصوص مکہ میں سفارت کا ادارہ معروف تھا۔ قریشی اشرافیہ میں سفارت کی ذمہ داری نبھانے والا خاندان ''بنو عدی'' بہت مشہور تھا۔ اس عہدے پر حضرت عمرؓ بن خطاب فائز تھے۔ سفارت کے منصب پر فائز آدمی قریش کے رؤسا اور شیوخ میں شمار ہوتا تھا۔ حضرت عمرؓ قبولِ اسلام سے قبل کے سیاسی نظامِ قریش میں اس کے آخری عہدے دار تھے۔ بہر حال، اسلامی ریاست کے بننے کے بعد سرورِ کونین ﷺ نے اپنا پیغام مختلف بادشاہوں اور قبیلوں تک پہنچانے کے لیے سفیروں کا تقرر فرمایا اور ان کی تربیت کی۔ ایک بہترین سفیر بننے کے لیے لازم ہے کہ اس میں اعلیٰ فراست، ذہانت، عمدہ زبان، جاذبِ نظر شخصیت مزید وہ متعلقہ علاقے کی زبان جانتا ہو اور اس زبان میں ادائیگی فرائض پر قدرت رکھتا ہو۔ یہ وہ اوصاف تھے جو ایک اچھا سفیر بناتے تھے۔ اس کے علاوہ رسول کریم ﷺ موقع ومحل کی مناسبت سے مخصوص اور موزوں شخص کا انتخاب کرتے تھے اور اس کی روانگی سے قبل حسب معمول اس کو ہدایت دیتے تھے کہ نرم لہجے میں گفتگو کریں، رحمت و نرم دلی کا مظاہرہ کریں، سختی اور سخت روی سے پرہیز کریں، آسانی پیدا کریں اور اختلاف وتصادم سے گریز کریں، خوش خبری سنائیں، نفرت وعداوت سے اجتناب کریں اور رحمت واتفاق کا رویہ اپنائیں۔

19- شعرا

آج کے زمانے میں شعرا کو سرکاری پروٹوکول دینا ایک عجیب سی بات ہوگی، مگر پرانے زمانے میں ان کی بہت اہمیت ہوتی تھی اور عرب میں ان کو ایک بڑا مقام حاصل تھا۔ عرب چونکہ اپنی زبان پر فخر کرتے تھے، اس لیے ان کو اپنے شاعروں اور خطیبوں پر بہت ناز تھا۔ یہ شاعر حضرات نہ صرف اپنے قبیلہ اور لوگوں کی آواز تھے اور ان کے جذبات وخیالات کی ترجمانی کرتے تھے بلکہ وہ خیالات کو بناتے اور بگاڑتے بھی تھے۔ اپنی قوم کو اُکساتے، جنگوں میں ہیجان برپا کرتے اور جنگ کی آگ بھڑکاتے تھے۔ اس طرح معاشرے میں ان کا ایک اونچا مقام تھا۔ نبی کریم ﷺ بھی اس کی اہمیت سے واقف تھے۔ آپ ﷺ نے اپنے شعرا کی جب تربیت کی تو شاعرانہ مبالغہ آرائی اور فحش گوئی کی سختی سے مخالفت کی لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے شاعری کے خوب صورت ودل آویز پہلوؤں کو ہمیشہ بنظرِ تحسین دیکھا اور بہتر شاعری کی تعریف فرمائی اور پسند کیا۔ آپ ﷺ شاعری کے غیر معمولی اثرات سے واقف تھے، لہٰذا اس کو اسلامی ریاست کے مفاد میں بہتر سے بہتر طریقے پر استعمال بھی کیا۔ تاریخ میں ملتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے تین اہم شاعروں کی خدمات حاصل کی، جو آپ ﷺ اور اسلامی ریاست کا دفاع کرتے تھے۔ ان میں سے حضرت حسانؓ بن ثابت دربارِ رسالت کے عظیم شاعر تھے۔ ان کے علاوہ حضرت کعبؓ بن مالک اور حضرت عبداللہؓ بن رواحہ تھے۔ یہ تینوں شاعر ناموس رسول کے محافظ اور اسلامی ریاست کے ترجمان تھے۔ سیرت نگاروں نے عہدِ نبوی کے دو سو شعرا کو شمار کیا ہے، ان میں کعبؓ بن زبیر، لبیدؓ، خنساءؓ، علیؓ بن ابی طالب، عامرؓ اور عباسؓ بن مرداس ممتاز ہیں۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

20- مقررین

کسی بھی نظریہ اور سماج میں اپنے افکار و نظریات کو پھیلانے اور دشمن کے نظریات اور خیالات کی تردید کرنے کے لیے زور آور اور زبان دان خطیب کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کے سرکاری خطیبوں میں حضرت ثابتؓ بن قیس کا ذکر ملتا ہے، جو انصار کے قومی خطیب تھے۔ ان کی خدمات کا ذکر بنو تمیم کے وفد کی آمد کے موقع پر شاعروں اور خطیبوں کی مفاخرت کے ضمن میں ملتا ہے۔ ان کے علاوہ متعدد صحابہ کرامؓ وقت کے شعلہ نوا خطیب تھے۔ ان میں ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، علیؓ بن ابی طالب، جعفر طیارؓ ممتاز مقام کے مالک تھے اور ان کے جواہر پارے آج بھی دلوں کو گرماتے ہیں۔ سب سے بڑے اور پرشکوہ خطیب خود اللہ کے رسول (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) تھے جن کے پاک اقوال، عربی ادب کی شان ہیں۔ جعفر طیارؓ نے نجاشی کے دربار میں جس شاندار انداز سے تقریر کی اُسے آج بھی پڑھتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ دربار نجاشی میں اس کی کیا گونج رہی ہوگی اور سامعین کے حواس پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہوں گے۔

21- خلاصہ بحث

اس مختصر جائزے سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی آخر الزماں (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے اپنے صحابہ کو ایمان کی دولت عطا کرنے کے ساتھ بہترین تنظیم میں پرویا۔ ان کی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا اور ادارتی سطح پر انھیں اس شان سے ذمہ داریاں سونپیں کہ اشاعتِ اسلام اور اقامت دین کا یہ کام ایک ہمہ گیر سسٹم کی شکل میں قائم ہوا اور پھلا پھولا۔ آج تحریک اسلامی کے لیے بھی اسوۂ حسنہ کا یہی سبق ہے کہ وہ محض چند شعبوں میں نہیں بلکہ دینی، قومی اور بین الاقوامی سطح کے تمام چیلنجوں کو سامنے رکھ کر افرادی قوت کو تیار اور ذمہ داریوں پر مقرر کرے۔ (اخذ و تلخیص ایس امین الدین: ماہنامہ ترجمان القرآن۔ جون: 2020)

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

4- حقوق نسواں، معاشرت سازی اور اقوامِ متحدہ

1- تعارف

جس طرح سب انسان ایک ہی باپ کی اولاد ہیں، اِسی طرح سب کی ماں بھی اصلاً ایک ہی حضرت حوّا ہیں۔ ایک ہی ماں باپ سے یہ پورا گھرانا وجود میں آیا ہے۔ حضرت حوّاؑ حضرت آدم علیہ السلام ہی کی جنس سے تخلیق فرمائی گئی ہیں جس کے معنی یہ ہوئے کہ عورت مرد کے مقابل میں کوئی حقیر اور فروتر مخلوق نہیں ہے بلکہ وہ بھی اُس شرف میں برابر کی شریک ہے جو انسان کو بحیثیت اولادِ آدم حاصل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو! جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اُسی سے اُس کا جوڑا بنایا ان دونوں میں سے بہت سے مرد و عورت (دنیا میں) پھیلا دیے اور ڈرو اس اللہ سے جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے مدد چاہتے ہو اور رشتوں کے بارے میں بھی خبردار رہو، بے شک اللہ تم پر نگران ہے۔'' (النساء:1)

انسانی معاشرے میں تعاون کی بنیاد وحدت الٰہ، وحدت آدم اور اشتراک باہمی کے عقیدے اور جذبے پر ہے۔ ہر ایک پر واجب ہے کہ وہ اِس اشتراک کا حق پہچانے اور اِس کو ادا کرے۔ حقیقت یہ ہے کہ اسلام اور آئین پاکستان عورتوں کو تمام بنیادی حقوق فراہم کرتا ہے۔ جہاں تک پاکستانی معاشرے کا تعلق ہے تو عورت کو بہت سارے مقامات پر عزت، وقار اور تحفظ حاصل ہے لیکن اِس کے ساتھ ساتھ جبراً شادی، تشدد اور وراثت میں حق نہ ملنے کے حوالے سے سنگین مسائل کا بھی سامنا ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے اسلام اور آئین پاکستان کے اندر جو بنیادی حقوق دیے گئے ہیں اُن کو نافذ کیا جائے۔

2- مسلمان عورت کے عمومی حقوق

اسلام کی آمد سے عورت کو امن کے ساتھ ساتھ بُری رُسومات سے آزادی کا پیغام بھی ملا۔ اسلام نے عورت کو وہ حقوق عطا کیے جو اُس وقت دُنیا میں عورت کو کہیں حاصل نہیں تھے۔ ذیل میں عورتوں کے حوالے سے چند اہم حقوق کو نقل کیا جاتا ہے:

(۱) زندگی کے تحفظ کا حق

اسلام سب سے پہلے عورت کو زندگی کے تحفظ کا حق دیتا ہے۔ اسلام سے پہلے عرب کی جاہلی معاشرت میں عورتوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ جب کہ اسلام نے انسانی جان کی حرمت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ○ (النساء:93)

ترجمہ: ''اور جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی سزا ہمیشہ جہنم میں رہنا ہے، اللہ تعالیٰ کا اُس پر غضب اور لعنت ہے اور اللہ تعالیٰ نے اُس کے لیے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔''

(۲) مال کے تحفظ کا حق

اسلام سے پہلے عورتوں کو وراثت میں حقوق حاصل نہیں تھے۔ اسلام نے انھیں سب سے پہلے حق ملکیت عطا کیا۔ اس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ (النساء: 32)

ترجمہ: ''مردوں کے لیے اس میں سے ہے جو انھوں نے کمایا اور عورتوں کے لیے اُس میں سے ہے جو اُنھوں نے کمایا۔''

(۳) 'ہراسانی' سے تحفظ کا حق

جنسی ہراسانی سے مراد جنس کی بنیاد پر کوئی بھی ایسا قولی یا جسمانی رویہ اختیار کرنا جس سے دوسرے فرد کو اس کی مرضی کے خلاف کوئی ذہنی اور جسمانی اذیت پہنچے۔ اسلام اس ضمن میں فرد کی مرضی کی نفی کرتا اور جائز حدود سے تجاوز کی ممانعت کرتا ہے۔ صرف قانون ہی کو حرکت میں نہیں لاتا بلکہ آخرت میں دردناک عذاب کی

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

وعید بھی سنا تا ہے۔ ہراسانی میں سڑکوں پر یا اسکول کالج یونی ورسٹی یا گھروں میں دوسری صنف کو نامناسب طریقے سے گھورنا، فقرے کسنا، غلط طرز تخاطب استعمال کرنا، تعلقات میں آگے بڑھنے کی کوشش کرنا، موقع ملنے پر چھونے کی کوشش کرنا، یا اس سے آگے بڑھ کر اور کوئی نامناسب رویہ اختیار کرنا شامل ہوسکتا ہے، جس سے دوسرا فریق اذیت محسوس کرے۔ یاد رہے، ضروری نہیں کہ ایسا رویہ خواتین کے خلاف ہی اپنایا جاتا ہو۔ ضروری نہیں کہ ہراسانی کا شکار صرف خواتین ہیں بلکہ بچے اور تیسری صنف کے لوگ بھی اس حوالے سے بہت ساری شکایات درج کرا چکے ہیں۔ افسوس کہ معاشرے میں اس حوالے سے تربیت یا اقدار کا نظام کمزور ہوتا جارہا ہے۔ پاکستان میں مردوں کی عظیم اکثریت شریف النفس ہے۔ اس کے باوجود ہماری سڑکوں اور پبلک ٹرانسپورٹ میں ایسے لوگ موجود ہیں، جو اپنے گھر کے علاوہ باقی خواتین کی عزت کرنا نہیں جانتے۔ یہ مسئلہ اس وقت اور بھی گھمبیر ہو جاتا ہے، جب ایسا کرنے والے کو معاشرے، یا خود متاثرین کی خاموشی کی وجہ سے ردعمل کا کوئی خوف باقی نہیں رہتا۔

(i) ہراسانی پر عمومی رویہ

یہ رویہ ہمارے معاشرے میں عام ہے، لیکن اسے کوئی قابل ذکر مسئلہ شاید اس لیے نہیں سمجھا جاتا کہ ان کا شکار عموماً خواتین ہوتی ہیں۔ ہمارے معاشرے میں شرم وحیا کے معیارات کچھ ایسے ہیں کہ ان میں اس مسئلے پر بات کرنا ممکن نہیں۔ چہ جائیکہ وہ اپنے اُوپر گزرنے والی واردات کی روداد کا کچھ ذکر بھی کرسکیں۔ تیسری صنف کے لوگ اس کے خلاف آواز اٹھانے کی مقدور بھر کوشش کرتے رہے ہیں اور بعض بیرونی این جی اوز ان کی مظلومیت کے بل پر اپنی روزی روٹی کا بندوبست بھی کررہی ہیں۔ لیکن مجموعی طور پر ہمارا معاشرہ ان مظلوموں کو بھی مذاق سے زیادہ اہمیت دینے پر راضی نہیں ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ بیرونی این جی اوز سے پہلے ہم خود اس کے خلاف ہراسانی پر آواز اٹھاتے، لیکن سنجیدہ حلقوں کی توجہ اس طرف نہ ہونے کے برابر ہے۔ ہراسانی کے حوالے سے بڑھتے واقعات کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اکثر شریف خاندانوں کے مرد حضرات اپنی ہی ماؤں، بہنوں، اور بیٹیوں پر گزرنے والے ایسے واقعات سے مکمل طور پر بے خبر رہتے ہیں۔ خود خواتین کے لیے ان واقعات پر خاموشی کے علاوہ کسی اور ردعمل کی ہمت اور اختیار نہیں ہوتا۔

(ii) قرآن وسنت سے رہنمائی

قرآن وسنت نے چودہ سو سال پہلے ان مسائل کو معاشرے کے اہم مسائل قرار دے کر حدود اور قیود واضح کردی تھیں۔ ہم وہ امت ہیں، جنھیں چودہ سو سال پیش تر ان اقدار کے لیے مرد وعورت کے اختلاط کے مقامات پر غضِ بصر (نظریں نیچی) اور پردے جیسی ہدایات فراہم کردی گئی تھیں۔ جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ قرآن، میل ملاپ سے متعلق برائیوں کے خاتمے کی ذمہ داری مرد اور عورت دونوں پر ڈالتا ہے، لیکن معاشرہ عام طور سے مرد کے اخلاقی انحطاط کی سزا بھی عورت ہی کو دینا چاہتا ہے۔ سورۂ نور آیت 30 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''اے نبی (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم)! مومن مردوں سے کہو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، یہ اُن کے لیے زیادہ پاکیزہ طریقہ ہے، جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ اُس سے باخبر رہتا ہے''۔ اس سے اگلی آیت 31 میں ارشاد فرمایا گیا: ''اور اے نبی ﷺ، مومن عورتوں سے کہہ دو کہ اپنی نظریں بچا کر رکھیں اور اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کریں، اور اپنا بناؤ سنگھار نہ دکھائیں بجز اُس کے جو خود ظاہر ہو جائے، اور اپنے سینوں پر اپنی اوڑھنیوں کے آنچل ڈالے رہیں۔ وہ اپنا بناؤ سنگھار نہ ظاہر کریں، مگر ان لوگوں کے سامنے: شوہر، باپ، شوہروں کے باپ، اپنے بیٹے، شوہروں کے بیٹے، بھائی، بھائیوں کے بیٹے، بہنوں کے بیٹے، اپنے میل جول کی عورتیں، اپنے مملوک، وہ زیردست مرد جو کسی اور قسم کی غرض نہ رکھتے ہوں، اور وہ بچے جو عورتوں کی پوشیدہ باتوں سے ابھی واقف نہ ہوئے ہوں۔ وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلا کریں کہ اپنی جو زینت اُنھوں نے چھپا رکھی ہو، اُس کا لوگوں کو علم ہو جائے۔ اے مومنو! تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو، توقع ہے کہ فلاح پاؤ گے۔''

یہ تو وہ احتیاطیں ہیں، جو مرد اور عورت دونوں کو گھر سے باہر نکلنے اور نامحرموں سے بات چیت اور معاملات کے حوالے سے بتادی گئی ہیں۔ مرد کو نظر نیچی رکھنے اور شرم گاہوں کی حفاظت کا حکم دیا گیا، جب کہ عورت کو سینوں پر اوڑھنیاں ڈالے رکھنے کا بھی اور اپنی زینت چھپانے کا بھی۔

(۴) تعلیم وتربیت کا حق

علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت کے فرائض میں شامل ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف ہے:

طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ (الحدیث)

ترجمہ: ''علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔''

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

علم کی اہمیت کے حوالے سے اوّلین وحی ہی کافی ہے جس کا آغاز ہی "اِقْرَأْ" سے ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ (العلق:1)

ترجمہ: "پڑھیے! اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔"

(۵) انتظامی عہدے حاصل کرنے کا حق

خواتین انتظامی عہدوں پر فائز ہوسکتی ہیں۔ ذیل میں خلافت راشدہ اور اُس کے بعد خواتین کے مختلف انتظامی عہدوں پر فائز ہونے کا مختصر سا خاکہ ملاحظہ کریں:

- "حضرت عمرؓ نے شفاء رضی اللہ عنہ بنت عبداللہ مخزومیہ کو عدالتی ذمہ داری قضاء الحسبہ (Accountability Court) اور قضاء السوق (Market Administration) پر فائز کیا۔
- خلفائے راشدین کے بعد کے ادوار میں "اُم خلیفہ مقتدر" محکمہ استیناف (Appellant Court) بغداد کی سربراہ رہیں۔
- سلطان صلاح الدین ایوبی کی بھتیجی سیدہ حنیفہ حلب کی والیہ رہیں۔
- سیدہ شریفہ فاطمہ یمن صنعاء اور نجران کی والیہ رہیں۔ (اسلام میں انسانی حقوق: ص 468 تا 470)

مختلف شعبوں میں خواتین کے اِن کارہائے نمایاں سے یہ بات واضح ہے کہ اسلام نے زندگی کے ہر اہم شعبہ میں خواتین کے کردار، علم و ہنر اور صلاحیتوں کی قدر کی ہے۔ ہاں یہ بات اہم ہے کہ مسلمان خاتون زندگی کے جس شعبے میں بھی جائے عفت و عصمت اور حیا کی چادر کو داغ دار نہ کرے ورنہ اسلام جو ایک خوب صورت معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے اس کا خواب پورا نہیں ہوسکتا۔

3- عورت کے ازدواجی حقوق

(۱) شادی کا حق

اسلام سے قبل عورتیں مردوں کی ملکیت تصور کی جاتی تھیں۔ اُنھیں اپنی مرضی سے نکاح کا حق حاصل نہ تھا۔ اگر کسی عورت کو طلاق مل جاتی تب بھی وہ اپنی مرضی سے نکاح نہیں کرسکتی تھی۔ قرآن مجید میں اس حوالے سے ارشاد ہے:

فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ (البقرہ:232)

ترجمہ: "(طلاق کے بعد) اپنی عورتوں کو نہ روکو کہ وہ شوہروں سے نکاح کرسکیں۔"

(۲) حرمت نکاح کا حق

زمانۂ جاہلیت میں باپ کے مرنے کے بعد بیٹا سوتیلی ماں سے نکاح کرسکتا تھا۔ اِسی طرح بہت سارے رشتوں میں تمیز نہیں تھی جب کہ اسلام نے اس حوالے سے سورۃ النساء میں واضح قوانین بیان کیے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ الخ (النسا:23)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ نے تم پر تمھاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں اور تمھاری خالائیں حرام کردی ہیں۔"

(اسی طرح اسی آیت میں اور بھی رشتے ہیں)

(۳) خیارِ بلوغ کا حق

نابالغ لڑکی کا ولی (Guardian) اُس کا نکاح کردے تو لڑکی کے پاس بالغ ہونے کے بعد اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو وہ پہلے نکاح کو بحال رکھے اور چاہے تو ختم کردے۔ اسلام نے خواتین کو سب سے پہلے خیارِ بلوغ کا حق دیا۔

(۴) مہر کا حق

زمانۂ جاہلیت میں مہر ملکیت کی صورت میں رائج نہ تھا۔ اسلام نے اس حوالے سے ارشاد فرمایا کہ تم بہت مال بھی دے چکو تو واپس نہ لو۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ترجمہ: ''اور اگر تم ایک بیوی کے بدلے دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اُسے ڈھیروں مہر دے چکے ہو تب بھی اس سے نہ لو۔''

(۵) نان و نفقے کا حق

اسلام نے مردوں کو عورتوں کا کفیل بنایا۔ عورتوں کے نان و نفقے کی ذمہ داری مردوں پر ہے۔ اِس حوالے سے سورۃ النساء میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ (النساء: 34)

ترجمہ: ''مرد عورتوں پر محافظ اور منتظم ہیں.....''

(۶) خلع کا حق

اگر مرد سے نباہ نہ ہو سکے تو عورت کے پاس خلع کا حق ہے کہ اگر وہ قاضی یا جج کے پاس جا کر کیس دائر کرے تو اسے خلع مل جائے گا۔

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ (البقرہ: 229)

ترجمہ: ''اور ان (مرد اور عورت) پر کوئی حرج نہیں کہ بیوی کچھ بدلہ دے کر آزادی حاصل کرے۔''

4- عورت کے سیاسی حقوق

اسلام سے قبل عورت کے عائلی حقوق اُسے نہیں ملتے تھے۔ سیاسی حقوق کا تو تصور بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ ذیل میں چند اہم سیاسی حقوق کو ملاحظہ کیجیے:

(۱) رائے دہی کا حق

''برطانیہ کے House of Commons (ایوان زیریں) نے 1918ء میں عورت کو ووٹ کا حق دیا۔ امریکہ میں 1920ء کے بعد انیسویں آئینی ترمیم میں عورت کو ووٹ کا حق ملا۔ فرانس میں 1944ء میں جب کہ نیوزی لینڈ میں سب سے پہلے 1893ء میں خواتین کو ووٹ کا حق دیا گیا۔ نبی اکرم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے اپنی سنت مبارکہ سے عورت کے حق رائے دہی کو قانونی بنیاد فراہم کی۔''

''آپ ﷺ کی سنت پر خلافتِ راشدہ میں ایسے عمل ہوا کہ حضرت عمرؓ نے جب چھ صحابہؓ کی کمیٹی بنائی اور حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ کو الیکشن کمشنر بنایا تو حضرت عبدالرحمان بن عوفؓ نے مدینہ کے گھر گھر جا کر خواتین سے رائے لی۔ انھوں نے حضرت عثمانؓ کے حق میں ووٹ دیا۔''

(۲) مقننہ میں نمائندگی کا حق

حضرت عمرؓ کی مجلسِ شوریٰ میں خواتین کو بھی نمائندگی حاصل تھی۔ ایک موقع پر جب آپؓ نے عورتوں کے مہر کی مقدار متعین کرنے پر رائے لی تو مجلس شوریٰ میں ایک عورت اُٹھ کھڑی ہوئیں اور کہا کہ یہ آپ کو اختیار نہیں کہ آپ مہر کی مقدار متعین کریں کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا (النساء: 20) (اور اگر تم اُنھیں بہت سارا مال بھی دے چکے ہو تو واپس نہ لو)۔ اس پر آپ نے اپنی تجویز واپس لے لی۔

(۳) سفارتی مناصب پر فائز ہونے کا حق

حضرت عثمانؓ نے اپنے دورِ خلافت میں 28ھ میں حضرت اُم کلثوم بنت علیؓ کو ملکہ روم کے دربار میں سفارتی مشن پر بھیجا۔ اُن کے استقبال کے لیے ہرقل کی زوجہ آئی اور اُس نے روم کی خواتین کو جمع کیا اور کہا یہ تخت عرب کے بادشاہ کی بیوی اور اُن کے نبی (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی بیٹی لے کر آئی ہیں۔ اس طرح آپ نے سفارتی مناصب پر عورتوں کی تقرری کی نظیر قائم فرمائی۔ (تلخیص: اسلام میں انسانی حقوق، ص 443 تا 445)

5- مسلمان عورت کے فرائض

مسلمان عورت کے فرائض کیا ہیں، اِس حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''عورتوں کے لیے اِسی طرح کا حق ہے جیسے ان پر فرض ہے، معروف طریقے سے۔'' (البقرہ: 228)

عورت پر فرض ہے کہ مرد کی عدم موجودگی میں اس کے گھر کی حفاظت کرے، پردہ کرے، غیر محرم مردوں کے ساتھ بغیر ضرورت گفتگو نہ کرے، جسم فروشی نہ کرے، شرم گاہوں کی حفاظت کرے، فیشن شوز، ماڈلنگ وغیرہ جیسے اخلاق باختہ پروگرامز میں شرکت نہ کرے، بچوں کو قتل نہ کرے۔ اِسی طرح جن چیزوں پر رسول اللہ ﷺ بیعت لیتے تھے جیسا کہ سورۃ الممتحنہ میں ارشاد ہے:

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ترجمہ: ''اے نبی (ﷺ)! جب آپ (ﷺ) کے پاس ایمان والی عورتیں حاضر ہوں، آپ (ﷺ) ان سے بیعت لیں اس پر کہ وہ اللہ کے ساتھ (کسی کو) شریک نہ ٹھہرائیں گی اور چوری نہیں کریں گی اور بدکاری نہیں کریں گی اور اپنی اولاد کو قتل نہیں کریں گی اور نہ کوئی بہتان گھڑ کر لائیں گی۔'' (الممتحنہ:12)

(i) فریضہ نماز وروزہ اور عورت

جہاں تک عبادات کا تعلق ہے نماز مرد وعورت پر یکساں فرض ہے مگر چند رعایتوں کے ساتھ۔ ماہانہ ایام (پیریڈز) میں عورت کو نماز کی ادائیگی سے استثنا حاصل ہے جب کہ نماز جمعہ مرد پر فرض اور عورت کے لیے اختیاری ہے کہ چاہے تو مسجد میں جا کر ادا کرے اور چاہے تو گھر کے اندر نماز ادا کرے۔ رمضان کے روزوں میں بھی اس پر بوجھ کم رکھا گیا ہے کہ ماہانہ پیریڈز اور بچے کی پیدائش کے دنوں میں اسے روزے مؤخر کر دینے کی اجازت ہے کہ معمول کے ایام میں وہ ان کی قضا ادا کر سکتی ہے۔ فریضہ حج کے بعض ارکان میں بھی اسے مخصوص نسوانی وجوہ کی بنیاد پر استثنا حاصل ہے۔ مختصراً یہ کہ اسلام عورت کے حوالے سے لچک دار اور نرم رویہ ظاہر کرتا ہے۔

(ii) فریضہ زکوٰۃ اور عورت

اسلام کے چار بنیادی ارکان میں سے آخری یعنی ادائیگی زکوٰۃ میں دونوں برابر ہیں۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ اگرچہ اسلام دولت کی مسلسل گردش کی حوصلہ افزائی اور جمع کرنے کی حوصلہ شکنی کرتا ہے حالانکہ جمع شدہ دولت پر ٹیکس (زکوٰۃ) کا فائدہ بھی ہے مگر وہ سرمایہ کی گردش کے حق میں ہے تاکہ اس میں اضافہ ہو اور لوگوں کو روزگار کے زیادہ مواقع حاصل ہوں تاہم عورت کے لیے نرم گوشے کا اظہار کے طور پر اور اس کے شوق کی تسکین کے لیے اسے سونے کی شکل میں سرمایہ جمع کرنے کی اجازت دی ہے۔

(iii) سماجی ذمہ داریاں اور عورت

کچھ سماجی ذمہ داریاں بھی ہیں۔ قومی دولت کی منصفانہ تقسیم کے لیے ارتکاز دولت کا باعث بننے والے حربوں کی ممانعت کر دی گئی ہے مثلاً سود اور جوا وغیرہ۔ اس حوالے سے مسلمان عورت اور مرد کی کوئی تخصیص نہیں اور ان پابندیوں کا اطلاق دونوں پر ایک جیسا ہوگا۔ لاٹریاں اور ریس وغیرہ شرطیں لگانا معاشرے کے اقتصادی توازن کے لیے نقصان دہ ہے اس لیے یہ مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں ممنوع ہیں۔

6- عورت کا دائرہ کار

عورت کے دائرہ کار کے حوالے سے چند ضروری امور کا ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

- عورت کو گھر کی ملکہ بنایا گیا ہے۔ مال کمانے کی ذمہ داری اس کے شوہر پر ہے اور اس مال سے گھر کا انتظام کرنا اس کا کام ہے۔ ارشادِ رسول ﷺ ہے:

المراۃ راعیۃ علی بیت زوجھا وھو مسئولۃ۔ (بخاری)

''عورت اپنے شوہر کے گھر کی حکمران ہے اور وہ اپنی حکومت کے دائرہ میں اپنے عمل کے لیے جواب دہ ہے۔''

اسے ایسے تمام فرائض سے الگ کیا گیا ہے جن کا تعلق گھر کی چار دیواری سے باہر ہے جیسے

- اس پر نماز جمعہ واجب نہیں۔ (ابوداؤد)
- اس پر جہاد بھی فرض نہیں، اگرچہ بوقت ضرورت وہ مجاہدین کی خدمت کے لیے جا سکتی ہے۔
- اس کے لیے جنازوں کی شرکت بھی ضروری نہیں، بلکہ اس سے روکا گیا ہے۔ (بخاری)
- اس پر نماز باجماعت اور مسجدوں کی حاضری بھی لازم نہیں کی گئی۔ اگرچہ چند پابندیوں کے ساتھ مسجد میں آنے کی اجازت ضرور دی گئی ہے، لیکن اسے پسند نہیں کیا گیا۔
- اسے محرم کے بغیر سفر کرنے کی بھی اجازت نہیں دی گئی۔ (ترمذی)

غرض ہر طریقہ سے عورت کے گھر سے نکلنے کو ناپسند کیا گیا ہے اور اس کے لیے قانون اسلامی میں پسندیدہ صورت یہی ہے کہ وہ گھر میں رہے، جیسا کہ آیت

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ (الاحزاب:32) کا صاف منشا ہے۔لیکن اس باب میں زیادہ سختی اس لیے نہیں کی گئی کہ بعض حالات میں عورتوں کے لیے گھر سے نکلنا ضروری ہو جاتا ہے۔ممکن ہے خاندان کی غربت، بیماری، معذوری یا اور ایسے ہی وجوہ سے عورت باہر کام کرنے پر مجبور ہو جائے۔ایسی تمام صورتوں کے لیے قانون میں کافی گنجائش رکھی گئی ہے۔چنانچہ حدیث میں ہے:

''اللہ تعالیٰ نے تمھیں اجازت دی ہے کہ تم اپنی ضروریات کے لیے گھر سے نکل سکتی ہو۔''(بخاری)

گھر سے باہر نکلنے کے حوالے سے مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں:

''مگر اس قسم کی اجازت جو محض حالات اور ضروریات کی رعایت سے دی گئی ہے، اسلامی نظامِ معاشرت کے اس قاعدے میں ترمیم نہیں کرتی کہ عورت کا دائرۂ عمل اس کا گھر ہے۔یہ تو محض ایک وسعت اور رخصت ہے اور اسے اسی حیثیت میں رہنا چاہیے۔''(پردہ، سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ، ص 192_194)

7- پردہ کے احکامات

پردہ کے حوالے سے سورۃ الاحزاب میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اے نبی (ﷺ)! اپنی بیویوں، بیٹیوں اور مسلمانوں کی عورتوں کو یہ حکم دیں کہ وہ (گھر سے نکلتے وقت) اپنی چادروں کا کچھ حصہ اپنے چہروں پر لٹکائے رہیں یہ پردہ اُن کی شناخت کے لیے بہت قریب ہے۔''(الاحزاب:59)

سورۃ الاحزاب میں یہ بھی ارشاد موجود ہے:

ترجمہ: ''اور جب ان سے کوئی سامان مانگو تو پردے کے باہر سے (نانگو)۔''(الاحزاب:53)

پہلی آیت میں حجاب کا لفظ ہے۔اس حوالے سے مفسر قرآن غلام رسول سعیدی رقم طراز ہیں:

''حجاب سے مراد وہ وسیع و عریض چادر ہے جس سے عورت تمام جسم کو ڈھانپ لیتی ہے۔''(تبیان القرآن: ج9 ص558)

مسلمان عورتیں سخت پریشانی کے عالم میں بھی حجاب کا اہتمام کرتی تھیں۔اس حوالے سے سنن ابوداؤد میں حدیث پاک ہے:

''ایک عورت حضور ﷺ کے پاس آئی۔وہ نقاب میں تھی۔اُس کا بیٹا شہید ہو گیا تھا۔وہ اُس کے متعلق پوچھنے آئی تھی۔بعض صحابہ کرام نے اُس سے کہا کہ تم اپنے بیٹے کے متعلق پوچھ رہی ہو اور اس حال میں بھی تم نے نقاب پہنی ہوئی ہے۔اُس نے کہا کہ میں نے اپنا بیٹا کھویا ہے، اپنی حیا نہیں۔''

(۱) حجاب اور ستر میں فرق

اس کے ساتھ یہ پیشِ نظر رہے کہ ستر اور حجاب میں فرق ہے۔ستر فرض ہے جس کے تحت عورت کے لیے اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کے سوا سارے جسم کا ڈھانپنا لازم ہے جب کہ چہرے اور ہتھیلیوں کا ڈھانپنا حجاب میں سے ہے۔آج کل خواتین جو نقاب لیتی ہیں وہ علیحدہ کپڑے کا ہوتا ہے جسے سکارف یا سٹالر بھی کہا جاتا ہے جب کہ باقی جسم کسی اور چادر یا قمیص سے ڈھانپا گیا ہوتا ہے۔عہدِ رسالت (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) میں خواتین ایک بڑی چادر لیتی تھی جس سے سر کے بال، چہرہ اور جسم ڈھانپا جاتا تھا۔گاؤں کے اندر بہت ساری خواتین تقریباً ایک بڑی چادر ہی لیتی ہیں۔شہروں میں اس طرح بڑی چادر کا لینا گاؤں کی نسبت کم ہے۔ستر کے لیے خاص طرح کی چادر ضروری نہیں، بس یہ ضروری ہے کہ شریعت نے بدن کے جتنے حصے کو چھپانا ضروری قرار دیا ہے وہ اس سے چھپ جائے اور بہت باریک چادر نہ ہو جس سے جسم نظر آئے۔

(۲) احکامِ پردہ پر بے عملی اور اصلاح کے طریقے

خواتین کی غالب اکثریت کا پردہ کے احکامات پر عمل نہ کرنا اور اصلاح کے طریقوں کے حوالے سے درج ذیل نکات اہم ہیں:

- **دینی علوم سے عدم واقفیت**

مسلم معاشرے میں خواتین کی دینی تعلیم کا بندوبست جس اعلیٰ درجے پر کیا جانا چاہیے تھا اس میں کمی رہی۔ہاں دینی تعلیم کے حوالے سے اب کافی ادارے کام کر رہے ہیں۔اس سے ان شاء اللہ صورت حال بہتر ہو گی۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

- **میڈیا کی یلغار**

عصر حاضر میں میڈیا کی اہمیت مُسلّم ہے۔ میڈیا Trend-setter ہے۔ اگر میڈیا پر ہر وقت بدن کی نمائش ہوتی رہے گی تو یقیناً اس کا اثر معاشرتی زندگی میں بھی نظر آئے گا۔ علامہ نے درست فرمایا تھا:

ے بڑھ جاتا ہے جب ذوقِ نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر

- **خواہشات نفس کی پیروی**

انسانی نفس کی لذتوں سے چھٹکارا بہت آسان نہیں۔ نفس طرح طرح سے انسان کو فریب زدہ کرتا ہے۔ جیسے ایک مرد کے لیے خواہش نفس سے آزاد ہونا ممکن نہیں۔ اسی طرح عورت کے لیے بھی۔

8۔ حقوق نسواں کی موجودہ تحریک اور عورت کے حقوق

مغرب میں عورتوں کے حوالے سے جو تحاریک برپا ہوئیں اُن کا ایک خاص سماجی پس منظر ہے۔ قدیم زمانے میں مشرق اور مغرب عورتوں پر ظلم کے حوالے سے برابر تھے۔ ہندوستان کے معاشرے میں عورت کو مرد کے مرنے پر ساتھ "ستی" کر دیا جاتا تھا۔ لیکن اسلام کی روشن تعلیمات کے بعد پوری دنیا میں عورتوں کے حقوق کے حوالے سے آگاہی پیدا ہوئی۔ کچھ معاشروں میں اسلام کے عطا کردہ حقوق زیادہ پیمانے پر عورتوں کو حاصل ہوئے اور کچھ معاشروں میں صورت حال ابھی بھی خراب ہے، مسلمان معاشروں کو مغرب کی طرف نہیں بلکہ اسلام کی طرف دیکھنا چاہیے۔ ذیل میں ہم اپنے سماج کا جائزہ لیتے ہیں جہاں تک ابھی بھی عورتوں کو مسائل کا سامنا ہے۔

- ہمارے سماج میں عورت کو جو مسائل درپیش ہیں ان میں ایک بڑا مسئلہ غیرت کے نام پر قتل ہے۔ اگرچہ یہ ایک سماجی مسئلہ ہے، جس میں عورت اور مرد دونوں متاثر ہوتے ہیں، مگر یہ مسئلہ براہ راست عورت سے جڑا ہے، جس کا پہلا اور آخری شکار ہمیشہ عورت ہی ہوتی ہے۔
- دوسرا بڑا مسئلہ جنسی زیادتی ہے۔ ایسی زیادتی کی کئی شکلیں اور روپ ہیں۔ اس جرم کا ارتکاب عورت کے خلاف گھر کی چار دیواری سے لے کر دفاتر تک مختلف جگہوں پر ہوتا ہے۔ اس میں جنسی طور پر ہراساں کرنے سے لے کر ریپ جیسا سنگین جرم شامل ہے۔ اس معاملے کو دبا دینا اور عورت کو خاموش رہنے کی تلقین کرنا، یا مجبور کرنا اس جرم کی سنگینی کو بڑھا دیتا ہے۔
- عورت کو مختلف قسم کے ذہنی اور جسمانی تشدد کا نشانہ بنانا بھی ہمارے ہاں عام ہے۔ اس طرح ہمارے سماج میں گھریلو تشدد سے لے کر عورتوں کے چہروں پر تیزاب پھینکنے تک جیسے سنگین ترین جرائم عام بات تصور کی جاتی ہے۔

9۔ حقوق نسواں، معاشرت سازی اور اقوام متحدہ

ایک صدی قبل شروع ہونے والی حقوقِ نسواں کی تحریک کی آواز آج بہت بلند ہو چکی ہے۔ حکومتیں بھی بڑی حد تک ان سے وابستہ این جی اوز کی پابند ہو چکی ہیں۔ پارلیمنٹ سے لے کر تعلیمی اداروں اور کاروباری شعبہ جات تک میں ان کی سفارشات، قانون بن کر نافذ ہو رہی ہیں۔ 'خواتین کی خود اختیاری' سے منسوب ادارہ 'سیڈا' (CEDAW) اقوام متحدہ کے تحت کام کر رہا ہے، اور اس کے اعلامیوں یا کنونشنز کے تحت حکومتیں کئی ایک اقدامات کرنے کی پابند ہو چکی ہیں۔ بے شک ان میں کئی مثبت قوانین بھی بنے ہیں، لیکن یہ دیکھنا ہوگا کہ ان کے مسلم معاشروں پر اثرات کس نوعیت کے ہیں؟ گھر اور خاندان کیسے متاثر ہوتے ہیں؟ ملکوں کی مجموعی معیشت پر یہ کس طرح اثر انداز ہوئے ہیں؟ تہذیب اسلامی کو انھوں نے کس طرح متاثر کیا ہے؟ مسلم ممالک کے باشعور طبقے اور سوچ بچار کرنے والے اداروں کو اعداد و شمار کے ساتھ یہ جائزے مرتب کرنے چاہییں۔ یہ ضروری نہیں کہ تمام اثرات کو منفی انداز میں دیکھا جائے، لیکن ایک حقیقت پسندانہ جائزہ ضروری ہے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(i) عورتوں کے مقام کے حوالے سے اقوام متحدہ کا کمیشن

اقوامِ متحدہ نے اس کے لیے ایک کمیشن Commission on the Status of Women کے نام سے 1946ء میں قائم کر دیا تھا، جو مختلف ممالک کے حکومتی نمائندوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ اس کا مقصد معاشرے میں خواتین کو برابری اور موثر حیثیت دلوانا ہے۔ اس کمیشن کا ہر سال اجلاس ہوتا ہے، جس میں حکومتی نمائندوں کے ساتھ ساتھ اقوام متحدہ کی معاشی اور سماجی کونسل میں رجسٹرڈ این جی اوز کے نمائندے بھی شریک ہوتے ہیں، اپنی کارکردگی رپورٹیں پیش کرتے ہیں اور آئندہ سال کے لیے نیا منصوبہ لے کر جاتے ہیں۔ مارچ، 2019ء میں اس کمیشن کے تریسٹھویں اجلاس کا مرکزی عنوان: ''صنفی برابری کے لیے محفوظ معاشرتی نظام، پائیدار بنیادی ڈھانچے کا قیام، اور عورتوں کی پبلک اور لیبر سروسز تک رسائی'' تھا۔ بھارت کی ایک خاتون نے ایک اسکالر کا یہ قول دُہرایا: Push back against the pushback (یعنی کوئی آپ کو روکتا ہے تو آپ اُسے روک دیں)۔ مراد یہ ہے کہ جتنی بھی رکاوٹیں ہیں ان کو دور کریں اور آگے بڑھیں اور اپنے لیے معاشرے میں نمایاں مقام حاصل کریں۔ ایک خاتون نے بڑے مناصب پر فائز عورتوں کے حوالے سے کہا: ''اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بہت تبدیلی آچکی ہے اور دس ممالک ایسے ہیں کہ جہاں پر مکمل طور پر صنفی برابری (Gender Equality) حاصل کر لی گئی ہے۔'' اگرچہ ان دس ممالک کے نام نہیں بتائے۔ اسی طرح یورپی یونین کی خاتون نے یہ جملہ ادا کیا: I don't say better than he,but as he can do you can do it، (ہم یہ نہیں کہتے کہ ہم مردوں سے بہتر ہیں، لیکن جو کچھ مرد کر سکتا ہے وہ ہم بھی کر سکتی ہیں)۔ پھر ایک خاتون نے کہا: If I win doesn't mean you lose (اگر عورت آگے آتی ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مرد پیچھے رہ رہا ہے)۔ اس طرح کے جملوں کا مطلب یہ ہے کہ ان میں تمام خواتین انتہا پسند نہیں بلکہ توازن رکھنے والی خواتین بھی موجود ہیں۔ اس بات پر بہت زور دیا گیا کہ: ''خواتین کے لیے ہر میدان میں کوٹہ مخصوص کیا جائے''۔

(ii) کمیشن کے زیرِ انتظام پروگرامز

انٹرنیشنل ایسوسی ایشن فار وومن ججز (AWJ) کے تحت پروگرام تھا: ''عورت کے بارے میں شعبۂ قانون کی خواتین اہداف کیسے حاصل کریں؟'' عملاً ہر پروگرام میں قانون سازی پر زور تھا، کیوں کہ قانون سازی کے بعد ساری قوم کو پابندی کرنی پڑتی ہے چاہے، کوئی متفق ہو یا نہ ہو۔ سعودی عرب میں 'قومی پالیسیوں کی تشکیل میں خواتین کے تحقیقاتی ادارے کا کردار' میں بتایا گیا کہ ''سعودیہ میں خواتین کی ترقی کے حوالے سے اہم پیش رفت ہوئی ہے۔'' گویا اقوام متحدہ، مسلم ممالک کو اپنی مرضی کے ایجنڈے بنانے اور نفاذ کی سطح تک لے آئی ہے۔ افغانی خواتین کے لیے چیلنجز اور ترقی کے مواقع پر بھی ایک پروگرام تھا، جس کا اہتمام افغانستان اور ناروے نے کیا۔ اسی طرح شام اور دیگر جنگ زدہ علاقوں میں متاثرہ خواتین کی بہبود اور سماجی تحفظ پر بھی پروگرام رکھے گئے۔

اقوام متحدہ کے نوجوانوں سے متعلق اداروں اور لڑکیوں کے بارے میں کئی ورکنگ گروپس کے تحت، حکومتوں اور اقوام متحدہ کے سینئر افسران کے ساتھ مکالمے کا اہتمام کیا گیا تھا، جس کا عنوان تھا: Take a Hot seat۔ اسی طرح ایک اور موضوع جس کا عنوان تھا: Inclusive Language For Gender (غیر صنفی زبان و کلام) جس کی تفصیل یہ ہے کہ ''عام استعمال ہونے والی روزمرہ کی زبان سے وہ تمام الفاظ ختم کیے جائیں یا بدل دیے جائیں، جو کسی بھی طرح مرد کی برتری ثابت کرتے یا کسی جنس کو ظاہر کرتے ہیں، مثلاً mankind، chairman، manpower، man-made، Congress men، Ladies and gentlemen، Girls and guys وغیرہ۔ ان کی جگہ غیر جانب دار (Neutral) الفاظ لائے جائیں، مثلاً You Guys (اے جوانو!) کے بجائے You all (آپ تمام)، Chairman کی جگہ Chair اور جہاں یہ الفاظ میسر نہ ہوں Self-inclusive language، یعنی صیغہ متکلم استعمال کیا جائے 'ہم'، 'سب'، 'ہمارا' وغیرہ۔ اس ضمن میں Gender inclusive charts متعارف کروائے گئے جو انٹرنیٹ پر بھی موجود ہیں۔ ان چارٹوں میں جو رنگ استعمال کیے گئے وہ 'ہم جنس زدگان' (LGBTs) کی کلر اسکیم ہے۔ گویا اس کے ڈانڈے وہاں جا کر ملتے ہیں کہ ''خاندان جب عورت اور عورت، مرد اور مرد پر بھی مشتمل ہوگا تو پھر جنسی تفریق کیوں؟ بس سب ایک ہیں، جب اور جیسے چاہیں اپنا خاندان بنا سکتے ہیں۔ عورت اور عورت جا کر بینک سے مرد کے تولیدی جرثومے (sperms) حاصل کر لے اور بچہ پیدا کر لے۔ مرد+مرد کبھی عورت کا رحم (uterus) کرائے پر حاصل کریں (جو ان ممالک میں آسانی سے مل جاتے ہیں) اور اپنے لیے بچے پیدا کر لیں۔'' اسی طرح بچوں کو گود لینا تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ خاص طور پر اب تو بہت سے مہاجر، یتیم اور لاوارث بچے شام، عراق، برما اور دیگر مسلم ممالک سے انسانی ہمدردی کے تحت این جی اوز مغربی ممالک میں منتقل کر رہی ہیں، جو ان خاندانوں میں پل رہے ہیں، اور بہت سے بچے وہاں رہنے والے مسلمان

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

گھرانوں کے ہیں جنھیں والدین کی طرف سے ذرا بھی ڈانٹ ڈپٹ ہوتی ہے تو چھین کر ایسے لوگوں کو دے دیے جاتے ہیں۔ اقوام متحدہ کا مذکورہ بالا اجلاس اِس حوالے سے تو اہم ہے کہ خواتین کو مزید حقوق ملنے چاہئیں۔ مگر کچھ ایسے حقوق کا مطالبہ جن میں خاندان مرد اور مرد یا عورت اور عورت پر مشتمل ہو سکتا ہے اسلامی نقطۂ نظر سے بالکل جائز نہیں۔ لیکن قابل افسوس بات یہ ہے کہ مغرب آہستہ آہستہ اس حوالے سے بھی دباؤ بڑھا رہا ہے۔

(اخذ و تلخیص: ڈاکٹر رخسانہ جبین، ماہنامہ عالمی ترجمان القرآن، جولائی 2019ء ص 43)

10- خلاصہ بحث

اسلام نے عورتوں کو جان، مال، عزت، تعلیم، صحت اور روزگار کے حوالے سے حقوق عطا کیے ہیں۔ ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی حیثیت میں ان کے مقام کو نہ صرف بیان کیا ہے بلکہ عملاً بھی عزت دی ہے، لیکن قابل افسوس بات یہ ہے کہ ناانصافیاں اور سماجی ناہمواریاں ابھی تک موجود ہیں۔ ان ناانصافیوں اور ناہمواریوں کا خاتمہ ضروری ہے۔ ''گلوریا سٹائنم'' نے کہا تھا: عورت کی مساوات کے لیے جدوجہد کی کہانی کسی ایک نسوانیت پرست یا کسی ایک تنظیم کی کہانی نہیں ہے، یہ ان سب کی اجتماعی کوشش ہے جو انسانی حقوق پر یقین رکھتے ہیں۔ مسلمان بڑے فخر کے ساتھ اس کو بیان کر سکتے ہیں کہ رحمت دو عالم ﷺ کی ذات اقدس ہی انسانی تاریخ میں وہ بے مثل اور بے مثال ذات ہے، جن کے ذریعے سے نہ صرف خواتین کو بلکہ معاشرے کے اندر کمزور اور پسے ہوئے تمام طبقات کو حقوق میسر آئے۔ آج ضرورت اِس امر کی ہے کہ سیرت طیبہ کے مطالعہ کو عام کیا جائے اور خطبہ حجۃ الوداع کے انسانی حقوق کے چارٹر کو عملاً نافذ کیا جائے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

5- اسلام میں بچوں کے حقوق اور تحفظ ماورائے صنف قانون

(الف) اسلام میں بچوں کے حقوق

اسلام نے خواتین اور معاشرے کے دیگر افراد کی طرح بچوں کو بھی حقوق عطا کیے ہیں۔ جاہلیت میں بچیوں کو زندہ دفن کیا جاتا تھا جب کہ موجودہ حالات میں بچوں کے ساتھ جنسی زیادتی کے واقعات بڑھتے جا رہے ہیں۔ ذیل میں اسلام میں بچوں کے حقوق کو واضح کیا جاتا ہے:

ا۔ قبل از پیدائش حقوق

قبل از پیدائش بچہ حالت جنین میں ہوتا ہے۔ اسلام نے بچے کو حقوق عطا کرنے کا آغاز حالتِ جنین سے کیا ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(i) زندگی کا حق

بچے کی زندگی کا آغاز مرحلہ جنین سے ہوتا ہے۔ اسلام نے اس مرحلے سے بچے کے لیے زندگی کے حق کو قانونی حیثیت عطا کی ہے۔ چونکہ استقرارِ حمل کے چار ماہ بعد رحم مادر میں موجود بچے میں روح پھونک دی جاتی ہے، اِس وقت حمل ضائع کرنا رحم مادر میں بچہ کو قتل کرنا ہے جو کہ قتلِ انسانی کے مترادف ہے اور گناہِ کبیرہ ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر حاملہ چاہے تو 120 دن گزرنے سے پہلے اسقاطِ حمل کر سکتی ہے:

''اسقاطِ حمل، جب تک اس کی تخلیق نہ ہو جائے جائز ہے۔ پھر متعدد مقامات پر تصریح ہے کہ تخلیق کا عمل 120 دن یعنی چار ماہ کے بعد ہوتا ہے اور تخلیق سے مراد رُوح پھونکنا ہے۔'' (درمختار)

(ii) وراثت کا حق

فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ماں کے پیٹ میں موجود حمل درج ذیل دو شرائط پوری کرنے کی صورت میں وارث بن سکتا ہے:

- ترکہ چھوڑنے والے کی موت کے وقت بچہ ماں کے پیٹ میں موجود ہو کیونکہ وارث میت کا خلیفہ ہوتا ہے اور خلیفہ کے لیے موجود رہنا ضروری ہے۔ لہٰذا جب نطفہ صحیح حالت میں رحم میں پایا جائے تو اس پر زندگی کا حکم لاگو ہوگا اور وہ میت کی وراثت میں سے حصہ پائے گا۔
- وضعِ حمل کے وقت زندہ ہو کیونکہ وارث کا زندہ ہونا شرط ہے، مردہ انسان وارث نہیں بن سکتا۔ قرآن پاک میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اللہ تمہیں تمہاری اولاد (کی وراثت) کے بارے میں حکم دیتا ہے۔'' (النساء:11)

پیدا ہونے والا بچہ بھی اولاد کے زمرے میں آنے کی وجہ سے میت کا وارث ٹھہرے گا اور ترکہ میں سے حصہ پائے گا۔

(iii) وصیت کا حق

جنین کے لیے ثابت شدہ حقوق میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُس کے لیے وصیت کی جائے۔ فقہا کا اجماع ہے کہ جنین اگر زندہ پیدا ہو تو اُس کے لیے وصیت کیے جانے کا حق درست ثابت ہوگا۔ اس شرط کے ساتھ کہ وصیت کیے جانے کے وقت وہ ماں کے پیٹ میں موجود ہو۔ بلکہ بعضوں نے تو یہ بھی کہا ہے کہ اگر جنین وصیت کیے جانے کے وقت ماں کے پیٹ میں نہ ہو تب بھی اس کا حق وصیت درست ثابت ہوگا۔

(iv) وقف کا حق

جنین کے مالی حقوق میں سے ثابت شدہ تیسرا ''حق وقف'' کا ہے۔ حق ''وراثت'' اور وصیت کی طرح فقہا نے موجود اور بعد میں پیدا ہونے والی اولاد کا حقِ وقف بھی جائز قرار دیا ہے۔ ابن عابدین شامی 'ردالمحتار (474:4)' میں لکھتے ہیں:

''اور فقہا نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ اولاد و ذُرّیت کے لیے وقف کر دینا جائز ہے۔ اس (اولاد) میں وہ شامل ہوگا جو غلّہ آنے کے کم از کم چھ ماہ بعد پیدا ہوا ہو یعنی غلّہ آنے کے وقت اس کا وجود ماں پیٹ میں متحقق ہو چکا تھا، سو وہ غلّہ میں شریک ہوگا۔''

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(v) نفقہ کا حق

یہ بھی باپ کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ہونے والے بچہ کا خرچ اُٹھائے اگرچہ اُس کی ماں کا خرچ اُس پر لازمی نہ ہو۔ اِسی طرح حاملہ عورت کی عدت وضع حمل ہے تاکہ:

۱۔ بچہ کے نسب کا تحفظ ہو کیونکہ اگر عورت دوسری شادی کر لے تو پیدا ہونے والے بچہ کا نسب خلط ملط ہونے کا اندیشہ ہے۔

۲۔ طلاق یافتہ حاملہ عورت کا خرچ بھی شوہر پر صرف بچہ کی وجہ سے لازم ہوتا ہے کیونکہ اگر عورت حاملہ نہ ہو اور طلاق ہو جائے تو اُس کی عدت تین ماہواریاں ہیں۔

جنین کا حق نفقہ اللہ تعالیٰ کے اِس فرمان سے ثابت شدہ ہے:

''اور اگر وہ حاملہ ہوں تو بچہ پیدا ہونے تک اُن پر خرچ کرتے رہو۔'' (الطلاق:6)

(vi) فطرانہ کا حق

جنین (پیدا ہونے والے بچہ) کی طرف سے صدقہ فطر ادا کرنا بالاتفاق مستحب ہے جب کہ امام احمد سے منسوب ایک قول کے مطابق یہ واجب ہے کہ نومولود دیگر کی طرح جنین کی طرف سے بھی صدقہ فطر ادا کیا جائے۔

۲۔ بعد از پیدائش بچوں کے حقوق

(i) زندگی کا حق

اسلام سے پہلے لوگ اپنی اولاد کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے۔ اِسلام نے اس قبیح رسم کا خاتمہ کرنے کی بنیاد ڈالی اور ایسا کرنے والوں کو عبرت ناک انجام کی وعید سنائی:

''اور مفلسی کے باعث اپنی اولاد کو قتل مت کرو، ہم ہی تمھیں رزق دیتے ہیں اور انھیں بھی (دیں گے)۔'' (الانعام:151)

(ii) آداب اِسلامی سے شناسائی کا حق

ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، بعد میں اس کے والدین اس کا مذہب تبدیل کرا دیتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اُس کے ماں باپ اُسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔'' (بخاری)

بچوں کو اِسلامی تعلیمات سے شناسا کرنے اور اُنھیں اِسلامی آداب زندگی سکھانا ماں باپ کا فرض ہے۔ امام حسینؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے فرمایا:

''جس کے ہاں بچہ کی ولادت ہو تو وہ اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہے، اس کی برکت سے بچہ کی ماں کو کوئی چیز نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔'' (بیہقی)

اس طرح ایک بچہ کو پیدائش کے وقت سے اُس آفاقی حکم سے روشناس کرا دیا جاتا ہے جو زندگیوں میں اِنقلاب پیدا کرنے کے لیے بھیجا گیا۔

(iii) حُسن نام کا حق

بچے کا یہ حق ہے اُس کا پیارا سا نام رکھا جائے۔ اسلام سے قبل عرب اپنے بچوں کے عجیب نام رکھتے تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایسے نام ناپسند فرمائے اور خوبصورت نام رکھنے کا حکم دیا۔ امام طوسی روایت کرتے ہیں:

''ایک شخص حضور نبی اکرم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ ﷺ! میرے اس بچہ کا مجھ پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کا اچھا نام رکھ، اسے آداب سکھا اور اسے اچھی جگہ رکھ (یعنی اس کی اچھی تربیت کر)۔''

(iv) نسب کا حق

بچے کے لیے نسب کا حق صرف اُسی کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ ماں باپ کا بھی حق ہے۔ باپ کا حق اس نسبت سے ہے کہ وہ اپنی اولاد کے تحفظ اور تعلیم و تربیت کا اختیار رکھتا ہے، اُسے اپنی اولاد کی سرپرستی اور ولایت کا حق ہے۔ جب اولاد محتاج ہو اور باپ کمانے کی قدرت رکھتا ہو تو اسے اولاد کے لیے کمانے کا حق ہے

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اور کیونکہ اولاد باپ کی زندگی میں فوت ہو جائے تو وہ اولاد ترکہ میں سے حصہ پائے گی۔ اسی طرح ثبوتِ نسب ماں کا بھی حق ہے اگر اولاد ماں کا جزو ہے اور وہ فطری طور پر اس بات کی شدید خواہش رکھتی ہے کہ اپنی اولاد کی حفاظت اور بہتر پرورش کرے۔ اسی طرح ماں کے بڑھاپے اور طاقت نہ رکھنے کی صورت میں اُس پر خرچ کرنا اولاد کا فرض ہے۔ اِسی لیے اللہ تعالیٰ نسب کی حفاظت کا حکم دیتے ہوئے پوری جماعت کو مخاطب کر کے فرماتا ہے:

''ان (منہ بولے بیٹوں) کو ان کے باپ ہی کا بیٹا کہہ کر بلایا کرو، یہ اللہ کے نزدیک بہت ہی انصاف کی بات ہے، پھر اگر ان کے باپ تمھیں معلوم نہ ہوں تو دین میں وہ تمھارے بھائی ہیں اور تمھارے دوست، اور تم پر کوئی گناہ نہیں اس بات میں جو بلا قصد تم نے کہی، ہاں وہ (بری بات ضرور گناہ ہے) جس کا قصد تمھارے دلوں نے کیا، اور اللہ بہت بخشنے والا بے حد رحم فرمانے والا ہے۔'' (الاحزاب:5)

(v) رضاعت کا حق

پیدائش کے بعد بچہ کے لیے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ اپنی زندگی کی حفاظت اور افزائش کے لیے ماں کے دودھ کے علاوہ کوئی غذا استعمال کرے، اس لیے وضع حمل کے بعد عورتوں کے پستانوں میں قدرتی طور پر دودھ جاری ہو جاتا ہے اور بچہ کے لیے اس کے دل میں پیدا ہونے والی محبت و شفقت اُسے بچہ کو دودھ پلانے پر اُکساتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عورت پر واجب کیا ہے کہ وہ بچہ کو پورے دو سال دودھ پلائے کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ یہ مدت ہر طرح سے بچہ کی صحت کے لیے ضروری ہے۔ جدید میڈیکل ریسرچ سے ثابت ہو چکا ہے کہ بچہ کے جسمانی و نفسیاتی تقاضوں کے پیشِ نظر دو سال کی مدت رضاعت ضروری ہے۔ یہ اسلام کی آفاقی اور ابدی تعلیمات کا فیضان ہے کہ اہل اسلام کو زندگی کے وہ رہنما اصول ابتدا ہی میں عطا کر دیے گئے جن کی تائید و تصدیق صدیوں بعد کی سائنسی تحقیقات کر رہی ہیں۔

(vi) پرورش کا حق

بچوں کی پرورش کرنا باپ کی ذمہ داری قرار دیتے ہوئے قرآن حکیم فرماتا ہے:

''صاحبِ وُسعت کو اپنی وسعت (اور مقدور) کے مطابق خرچ کرنا چاہیے، اور جس کے رزق میں تنگی ہو (آمدنی کم ہو) اسے چاہیے کہ جتنا اللہ نے دیا ہے اسی میں سے (بچہ کی نگہداشت پر) خرچ کرے، اللہ کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اسی قدر جتنا اس کو دیا ہے، (اور جو اللہ کے احکام کی پابندی کرے گا اس کے لیے اللہ کا وعدہ ہے کہ) اللہ عنقریب تنگی کے بعد فراخی عطا فرمائے گا۔'' (الطلاق:7)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''جس کی دو بیٹیاں ہوں اور وہ اُنھیں جوان ہونے تک کھلاتا پلاتا رہے تو وہ دونوں اسے جنت میں لے جائیں گی۔''

(vii) تربیت کا حق

بچوں کی اچھی تربیت کر کے اُنھیں اچھا، ذمہ دار اور مثالی مسلمان بنانا والدین کی ذمہ داری ہے۔ ان کی تربیت کے مختلف مراحل کا ذکر کرتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اپنی اولاد کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کی ہو جائے، اور جب وہ دس سال کی ہو جائے تو (نماز نہ پڑھنے پر) اُسے مارو، اور (دس سال کی عمر میں) اُنھیں الگ الگ سلایا کرو۔''

(viii) شفقت و رحمت کا حق

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں:

''حضور نبی اکرم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے حضرت حسن بن علیؓ کو چوما تو اُقرع بن حابس تمیمی جو کہ آپ ﷺ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، نے کہا: میرے دس بچے ہیں، میں نے تو کبھی کسی کو نہیں چوما۔ رسولِ اکرم ﷺ نے اس کی طرف دیکھا، پھر فرمایا جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔''

اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''بچوں سے محبت کرو اور ان پر رحم کرو، جب ان سے وعدہ کرو تو پورا کرو کیونکہ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ تم ہی اُنھیں رزق دیتے ہو۔''

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(ix) عدل کا حق

حضرت نعمان بن بشیرؓ روایت کرتے ہیں:

''اُن کے والد اُنھیں لے کر بارگاہِ رسالت مآب (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) میں حاضر ہوئے، پھر عرض کیا: میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام دیا ہے۔ فرمایا: کیا تم نے اپنے ہر بیٹے کو ایسا ہی دیا ہے؟ عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: تو پھر اس سے واپس لے لو۔''

(x) یتیم کا حق

یتیم بچہ کے حقوق پر اسلام نے بہت زور دیا ہے۔ اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ قرآن حکیم میں 23 مختلف مواقع پر یتیم کا ذکر کیا گیا ہے جن میں یتیموں کے ساتھ حسن سلوک، اُن کے اموال کی حفاظت اور اُن کی نگہداشت کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اُن کے ساتھ زیادتی کرنے والے، ان کے حقوق و مال غصب کرنے والے پر وعید کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بے شک جو لوگ یتیموں کے مال ناحق طریقے سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں نری آگ بھرتے ہیں، اور وہ جلد ہی دہکتی ہوئی آگ میں جا گریں گے۔'' (النساء:10)

(xi) حقوقِ لقیط

لقیط اس بچہ کو کہا جاتا ہے جو راستہ میں پڑا ہوا ملے اور جس کے والدین کا پتہ نہ ہو۔ فقہی اصلاح میں لقیط اس بچہ کو کہا جاتا ہے جس کا نسب نہ ہو کیوں کہ اس کے گھر والوں نے زنا کی تہمت سے بچنے کے لیے، یا کسی اور وجہ سے اُسے پھینک دیا ہو۔ لہٰذا جب راستہ میں یا کسی Public place پر گرا پڑا ملے تو اُسے زمین سے اٹھانا، اس کے ساتھ شفقت برتنا اور اس کی حفاظت کرنا اللہ تعالیٰ کے اس قول کی روشنی میں واجب ہو جاتا ہے:

"وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا" (المائدۃ: 32)

ترجمہ: ''اور جس نے اسے (ناحق مرنے سے بچا کر) زندہ رکھا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو زندہ رکھا۔''

کیوں کہ بچہ کو زمین، راستہ سے اٹھانا ہی اُسے زندگی دینا ہے اور یہ اسی طرح واجب ہے جس طرح حالت اضطرار میں صرف زندگی بچانے کی حد تک حرام کھانے کی اجازت مل جاتی ہے۔

- لقیط کا یہ بھی حق ہے کہ وہ آزاد ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ نے ایسا ہی حکم دیا ہے۔ اگر ملتقط (بچہ اُٹھانے والا)، یا کوئی اور شخص یہ دعویٰ کرے کہ بچہ اس کا غلام ہے تو بغیر گواہوں کے اس کا دعویٰ نہ سنا جائے گا کیوں کہ اس کی حریت و آزادی اس کے ظاہر حال سے ثابت ہے اس لیے بغیر دلیل کے اس کے ظاہر کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔
- لقیط کا یہ بھی حق ہے کہ اس کا خرچہ بیت المال سے ادا کیا جائے۔ اگر اُس کے ساتھ کچھ مال بندھا ہوا پایا گیا تو وہ اسی کا متصور ہوگا مثلاً اس کے جسم پر موجود کپڑے، یا اگر وہ جانور پر بندھا ہوا پایا گیا تو وہ جانور اس کا ہوگا۔ اس صورت میں خرچہ اس کے اپنے مال میں سے کیا جائے گا، کیوں کہ بیت المال میں سے خرچہ ضرورت کی بنا پر ہوتا ہے اور جب اس کے پاس مال ہو تو ضرورت ثابت نہیں ہوتی۔

(ب) تحفظ ماورائے صنف قانون

ا۔ تعارف

پاکستانی پارلیمنٹ سے 2018ء میں ایک قانون بعنوان Transgender Persons Protection of Rights Ac,2018 ماورائے صنف (تحفظ حقوق) قانون منظور ہوا۔ بظاہر یہ بل 'تحفظ حقوق' کے نام پر پیش کیا گیا، لیکن ایک خیال یہ ہے کہ اس کے پیچھے (Bisexual and , Gay,Lesbian LGBT(Transgender نامی عالمی تنظیم کا ایجنڈا ہے۔ یاد رہے کہ فضا بنانے کے لیے 'ایل جی بی ٹی گروپ' کے زیر اثر این جی اوز نے چند سال پہلے 'تنظیم اتحادِ اُمت' کے زیر انتظام بعض علما سے یہ فتویٰ حاصل کیا تھا: ''ایسے خواجہ سراؤں کے ساتھ کہ جن میں مردانہ علامات پائی جاتی ہیں، عام عورتوں اور ایسے خواجہ سراؤں کے ساتھ جن میں نسوانی علامات پائی جاتی ہیں، عام مردوں سے نکاح کر سکتے ہیں اور ایسے خواجہ سرا کہ جن میں مرد و زن دونوں علامتیں پائی جاتی ہیں، اُنھیں شریعت میں

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

خُنثیٰ مشکل کہا جاتا ہے۔ ان کے ساتھ کسی مرد وعورت کا نکاح جائز نہیں ہے۔ پھر یہ کہ ''خواجہ سراؤں کا جائیداد میں حصّہ مقرر ہے۔'' ایک بڑی واضح سی بات ہے کہ جس شخص میں مردانہ خصوصیات وعلامات پائی جاتی ہیں، وہ مرد ہے اور جس میں زنانہ خصوصیات وعلامات پائی جاتی ہیں، وہ عورت ہے، اس پر خواجہ سرا کا اطلاق بے معنی ہے۔ تاہم مرد خصوصیات اور عورت خصوصیات والے ماورائے صنف الگ الگ لوگ بھی ہوتے ہیں۔

۲۔ ہم جنس پرستوں کی فتویٰ کے حوالے سے غلط توجیہہ

امریکا میں مذکورہ بالا اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کے بقول: ''ہم جنس پسندوں کے 'ایل جی بی ٹی گروپ' نے بعض عالمی ذرائع ابلاغ پر مذکورہ بالا فتویٰ کو اپنی 'فتح' سے تعبیر کیا اور کہا: ''مسلم علما نے 'ماورائے صنف افراد' (Transgenders) کے حقوق تسلیم کر لیے ہیں۔'' لندن کے معروف اخبار دی ''ٹیلی گراف'' نے لکھا: ''پاکستان میں 'ماورائے صنف افراد' کا اب تک آپس میں شادی کرنا ممکن نہیں تھا، کیونکہ وہاں عملِ قومِ لوط کے مرتکب افراد کو باہم شادی پر عمر قید کی سزا دی جاتی ہے''۔ یعنی ''ٹیلی گراف'' نے 'ہیجڑا' کا ترجمہ 'Transgender' کر کے فتویٰ کو عملِ لوط کے ہر قسم کے عمل کے جواز اور اجازت پر محمول کر دیا۔

۳۔ LGBT کا تعارف

یاد رہے LGBT آرگنائزیشن کے نام میں L= Lesbian سے مراد ہم جنس زدہ مَسا حقہ عورتیں ہیں اور G=Gays سے مراد ہم جنس زدہ مرد ہیں، B= Bisexual سے مراد جو مرد اور عورت دونوں سے جنسی تعلق رکھیں اور Transgender سے مراد خواجہ سرا ہیں۔ عام طور پر LGBT سے 'ہم جنس پسند' مراد لیے جاتے ہیں۔ پھر ان کے لیے دو اور اصطلاحیں بھی استعمال ہوتی ہیں: ایک 'زنخا' یا 'اُخنثہ' جس کو انگریزی میں Eunuch کہتے ہیں۔ یہ لوگ مردانہ جنسی اعضا کے ساتھ پیدے ہوئے، مگر بلوغت سے پہلے جنسی اعضا کو خصی کر دیا، یا کٹوا ڈالتے ہیں۔ جب کہ Hermaphrodite پیدائشی طور پر جدا صفات کا حامل ہوتا ہے، جس میں دونوں اصناف کی مرکب علامات پائی جاتی ہیں۔ یہ بہت نایاب قسم ہے۔

جب کہ 'ماورائے صنف' (Transgender) کا مطلب ہے ''وہ افراد جو پیدائشی طور پر جنسی اعضا یا علامات کے اعتبار سے مرد، یا عورت کی مکمل صفات رکھتے ہیں، مگر بعد میں کسی مرحلے پر مرد اپنے آپ کو عورت اور عورت اپنے آپ کو مرد بنانے کی خواہش میں، ان جیسی عادات واطوار اور لباس اختیار کر لیتے ہیں اور پھر تبدیلی کے لیے ڈاکٹروں کی مدد بھی حاصل کرتے ہیں۔ موجودہ زمانے میں تو ڈاکٹر، مرد کو عورت کے اور عورت کو مرد کے ہارمونز بھی کچھ عرصے کے لیے استعمال کراتے ہیں۔ کچھ مزید آگے بڑھ کر پلاسٹک سرجری سے نسوانی ساخت تک بناتے ہیں۔ اسی طرح مردانہ ہارمونز کے ذریعے عورت کی جسمانی ساخت وخصوصیات میں تبدیلیاں رُونما ہوتی ہیں۔ اس سے نہ تو مرد میں عورت کی پوری استعداد پیدا ہوتی ہے کہ ان کے ہاں بچے پیدا ہونے لگیں اور نہ عورت میں مرد کی سی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ مگر آج مغرب میں حیرت انگیز طور پر یہ شغل رواج پا رہا ہے۔ اسی فعل کو قرآن کریم نے 'تغییرِ خَلق' سے تعبیر کیا ہے۔ جب ازراہِ تکبر وحسد ابلیس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا، اللہ تعالیٰ نے اسے راندۂ درگاہ کرتے ہوئے فرمایا:

''تو جنت سے نکل جا، بے شک تو راندۂ درگاہ ہے اور بے شک تجھ پر قیامت تک لعنت ہے۔'' (الحجر:34_35)

۴۔ قانون کا تنقیدی جائزہ

'تحفظ حقوق ماورائے صنف قانون، 2018ء (پاکستان) میں دفعہ 3 میں کہا گیا ہے: ''(۱) ایک 'ماورائے صنف ہستی' کو یہ حق حاصل ہوگا کہ اُسے اس کے اپنے خیال یا گمان (Self perceived) کے مطابق خواجہ سرا تسلیم کیا جائے۔'' یعنی اس سے قطع نظر کہ وہ پیدائشی طور پر مردانہ خصوصیات کا حامل تھا، یا زنانہ علامات کا، وہ اپنے بارے میں جیسا گمان کرے، یا وہ جیسا بننا چاہے، اس کے اس دعویٰ کو تسلیم کرنا پڑے گا۔ پھر ذیلی سیکشن 2 میں کہا گیا ہے کہ 'نادرا' قومی رجسٹریشن اتھارٹی سمیت تمام سرکاری محکموں کو ''اس کے اپنے دعوے کے مطابق اُسے مرد یا عورت تسلیم کرنا ہوگا، اور اپنی طے کردہ جنس کے مطابق اُسے 'نادرا' سے قومی شناختی کارڈ، ڈرائیونگ لائسنس، چلڈرن رجسٹریشن سرٹیفکیٹ وغیرہ کے حصول میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی جائے گی''۔ اس دفعہ کے سقم کو دُور کرنے کے لیے کسی کی غیر واضح صنف کے تعین کو باقاعدہ طبی معائنے سے مشروط کر کے ہی شناختی کارڈ کا اجرا ہونا چاہیے۔

اس قانون کی یہ شق مغرب میں 'ایل جی بی ٹی گروپ' کے مقاصد کی تکمیل کا سبب بنتی ہے۔ 'تحفظِ حقوقِ ماورا صنف قانون' کے نام پر یہی وہ کھڑکی ہے، جہاں سے نقب لگائی جاسکتی ہے۔ ہمیں غالب یقین ہے کہ جن سینیٹروں نے یہ بل سینیٹ میں پیش کیا تھا، انھیں بھی اس کے نتائج اور بنیادوں میں نصب

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

بارود (Dynamite) کا علم نہیں ہوگا۔ 'عالم غیب' سے ان کے ہاتھ میں ایک چیز تھما دی گئی اور انھوں نے سینیٹ میں قانون سازی کے لیے تحریک پیش کر دی۔ اصولی طور پر تو کسی شخص کی پیدائش کے وقت جنسی اعتبار سے جو علامات ظاہر ہوں، انھی کے مطابق ان کا جنسی تشخص مقرر کیا جانا چاہیے، لیکن اگر کسی کا دعویٰ ہو کہ بعد میں فطری ارتقا کے طور پر کسی کی جنس میں تغیر آ گیا ہے، تو اس کا فیصلہ طبعی معائنے سے ہونا چاہیے، نہ کہ اسے کسی شخص کے ذاتی خیال یا گمان یا خواہش پر چھوڑ دیا جائے۔ جیسا کہ اس قانون میں کہا گیا ہے اور یہی عالمی سطح پر 'ایل جی بی ٹی گروپ' کا ایجنڈا ہے اور اسے مغرب میں پذیرائی مل رہی ہے۔ جہاں تک خواجہ سراؤں کے حقوق کا تعلق ہے اسلام میں تو ان کو وہ انسانی حقوق حاصل ہیں جو دیگر مردوں یا عورتوں کو حاصل ہیں۔ جن میں آزادی، مساوات، تکریم انسانیت سب سے نمایاں ہیں۔ (ماخذ: مفتی منیب الرحمٰن، ماہنامہ "عالمی ترجمان القرآن"، اگست 2019ء، ص 83_84)

نوٹ: ضلع قصور میں بچوں سے زیادتی کے حالیہ واقعات کی روشنی میں یہ امکان ہے کہ سی ایس ایس 2020ء کے پیپر میں اسلام میں بچوں کے حقوق کے حوالے سے سوال پوچھ لیا جائے۔ اسی طرح دوسرا سوال ماورائے صنف قانون بھی اہم ہے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

6- رحمت عالم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) ایک سفارت کار کے لیے نمونہ عمل

1- تعارف

مختلف قوموں اور ملکوں کے درمیان باہمی تعلقات اور دوطرفہ معاہدات کے لیے قدیم زمانے سے سفارتی سرگرمیاں تاریخ میں نظر آتی ہیں۔ جنگی معاملات اور تجارتی امور پر بھی اس ادارہ کے ذریعہ رابطہ قائم کیا جاتا تھا۔ اگرچہ خارجہ معاملات کے لیے کوئی باقاعدہ سفارتی سرگرمیاں موجود نہ تھیں، نہ ہی سفارت خانوں کے متعلق دفاتر مختلف ممالک میں قائم ہوتے تھے، لیکن سیاسی طور پر اسے نمایاں مقام حاصل تھا۔ جب سفارتی رابطہ قائم کرنے کی ضرورت پیش آتی تھی تو ایسے افراد کو سفیر بنا کر بھیجا جاتا تھا جو زیرغور مسئلے کے ہر پہلو کو خوب سمجھتے ہوں، ذہین اور سمجھ دار ہوں، اپنی بات کو موثر انداز میں پیش کر سکیں اور دوسرے فریق سے اپنی بات منوا سکیں۔ جہاں تک نبی کریم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی سفارت کا تعلق ہے تو آپ ﷺ کی سفارت کے مقاصد میں سے دعوتِ توحید، عالمگیر ریاست، امن عالم کا قیام اور معاہدات کا احترام تھا۔ آج ضرورت اِس امر کی ہے کہ آپ ﷺ کی سفارت کاری سے نمونہ عمل لیتے ہوئے دُنیا میں امن کے قیام کی کوشش کی جائے۔

2- زمانہ جاہلیت کی سفارتی تاریخ

زمانہ جاہلیت کی سفارتی تاریخ کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) قریش مکہ کی یہود سے سفارت

جب حضور ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو قریش مکہ نے علماء یہود سے سفارتی رابطہ قائم کیا۔ قریش نے نصر بن حارث اور عقبہ بن ابی مُعیط کو مدینہ منورہ بھیجا تا کہ وہ علماء یہود سے حضور ﷺ کے دعویٰ کی سچائی کی حقیقت معلوم کر سکیں۔

(۲) شاہ حبشہ کے پاس قریش کی سفارت

مشرکین مکہ کے ظلم وستم سے تنگ بعض مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کی تو اہل مکہ نے شاہ حبشہ کے پاس سفارتی نمائندے بھیجے تا کہ سفارتی ذریعہ سے شاہ حبشہ پر دباؤ ڈالا جائے کہ شاہ حبشہ مسلمانوں کو ان کے حوالے کر دے یا کم از کم اپنی حکومت سے انھیں نکلنے پر مجبور کر دے۔ قریش مکہ کی جانب سے سفارت کے فرائض عمرو بن العاص اور عبداللہ بن ربیعہ نے انجام دیے۔

3- عہد رسالت (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی سفارتی تاریخ

عہد رسالت ﷺ کی سفارتی تاریخ کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) ریاستِ مدینہ میں پہلے سفیر کی تقرری

اسلامی ریاست میں کسی سفیر کی پہلی تقرری عسکری یا نیم عسکری مہموں کے دوران ہوئی تھی۔ 4ھ/ 625ء میں غزوۂ بنونضیر کے دوران رسول کریم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے حضرت محمد بن مسلمہ اوسیؓ کو سفیر بنا کر بنونضیر کے یہودیوں کے پاس اس غرض سے بھیجا کہ وہ رسول کریم ﷺ کے آخری فیصلہ سے آگاہ کریں جو آپ ﷺ بنونضیر کے بارے میں کرنے جا رہے تھے۔

(۲) غزوہ احزاب کے وقت سفارت

دو برس بعد جب ریاست مدینہ احزاب (مختلف لشکروں) کے محاصرہ میں گھر چکی تھی تو تین مسلم سفیروں حضرت سعدؓ بن معاذ اوسی، سعدؓ بن عبادہ خزرجی اور

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

عبداللہؓ بن رواحہ خزرجی کی تقرری ہوئی تھی۔ ان کو بنو قریظہ کے پاس بھیجا گیا تھا تا کہ ان کو ان کے معاہدات یاد دلائیں جو انھوں نے اسلامی ریاست کے ساتھ کیے تھے اور ان کو احزاب (قریش کے لشکروں) میں شامل ہونے سے روکیں۔

(۳) صلح حدیبیہ کے وقت سفارت

صلح حدیبیہ کے دوران تین مسلمان سفیروں کو مکہ بھیجا گیا تھا۔ ان میں حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے۔ قریش کی جانب سے بھی متعدد سفیر آئے تھے۔ صلح حدیبیہ کے بعد حضور ﷺ نے متعدد سفیروں کو جزیرہ نمائے عرب کے مختلف حصوں کے علاوہ بعض پڑوسی ملکوں کے حکمرانوں کے پاس بھی بھیجا تھا۔

4۔ رسالت مآب (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی سفارت کے مقاصد

(۱) دعوت توحید

رسول اللہ ﷺ کی سفارتی پالیسی کا اوّلین اور بنیادی مقصد وہی تھا جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو مبعوث فرمایا یعنی دعوت توحید۔ آپ ﷺ سے پہلے جتنے انبیا تشریف لائے ان سب نے لوگوں کو یہی دعوت دی کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کی جائے چنانچہ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل میں توحید کی دعوت دی: ''اے قید کے ساتھیو! (تم خود ہی سوچو کہ) بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا وہ ایک اللہ جو سب پر غالب ہے؟'' (یوسف:1)

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: ''اے حبیب (ﷺ)! کہہ دیجیے اللہ ایک ہے۔'' (اخلاص:1)

(۲) عالمگیر دعوت رسالت

رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) سے پہلے جتنے انبیا و رسل اس دُنیا میں تشریف لائے ان کی رسالت خاص تھی، ان کی رسالت اپنی قوم اور قبیلے تک محدود تھی۔ لیکن یہ امتیاز صرف محمد رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے کہ آپ ﷺ کی بعثت روئے زمین کی ہر قوم اور ہر جنس کے لیے ہوئی۔ تمام انسانوں کے لیے اور تمام دنیا کے لیے ہوئی۔ چنانچہ آپ ﷺ پوری دُنیا کو دعوت اسلام دینے پر مامور کیے گئے تھے۔ آپ ﷺ نے آغاز کار سے ہی اپنی دعوت کو محدود و مخصوص نہیں کیا تھا۔ آپ ﷺ کی دعوت ہر قوم، ہر نسل، ہر قبیلے اور ہر مقام اور زمانے کے لئے تھی۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر سارے انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر''

آپ ﷺ کے ماننے والوں میں ایسے لوگوں کی تعداد شروع سے ہی اچھی خاصی رہی ہے جن کا نسبی و نسلی تعلق عرب سے نہ تھا اور رنگ، زبان اور وطن کے لحاظ سے بھی وہ مختلف تھے۔ اس سلسلے میں حضرت سلمان فارسیؓ، صہیب رومیؓ، بلال حبشیؓ اور عداسؓ نینوائی کا نام روشن ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی سربراہی میں قائم پہلی اسلامی ریاست شدید بیرونی خطرات سے دو چار تھی۔ مسلمانوں کو خطرہ رہتا تھا کہ مکہ والے کسی بھی وقت حملہ کر سکتے ہیں۔ ان خطرات میں اسلامی ریاست کے دفاع کے لیے اقدامات ضروری تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مدینہ سے باہر قبائل سے رابطہ کیا۔ بالخصوص ان قبائل سے جن کے علاقوں سے مکہ والوں کے تجارتی قافلے گزر کر ملک شام یا مصر کی طرف جاتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ بیرونی حملوں کے خلاف باہمی فوجی امداد کی بنیاد پر دفاعی معاہدہ کرنے میں کامیاب ہوئے۔

(۴) امن عالم

آپ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی سفارت کے مقاصد میں سے ایک ایسا عالمی معاشرہ قائم کرنا تھا جو امن و سلامتی پر مبنی ہو کیونکہ اسلام امن کے فروغ اور سلامتی کی ترویج کو عزیز رکھتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''اور جو لوگ ایمان لائے اور اُنھوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا، وہی لوگ امن میں ہیں اور وہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔'' آپ ﷺ نے مکی زندگی میں حجر اسود کی تنصیب (قریش مکہ کے درمیان جھگڑا کہ کون حجر اسود کو اپنی جگہ پر نصب کرے گا۔ حضور (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے چادر بچھائی اور سب سے کہا کہ چادر کے کنارے پکڑ لیجیے اور خود حجر اسود کو اپنی جگہ پر نصب کیا) اور حلف الفضول کے معاہدہ کے ذریعے امن قائم کیا، جب کہ مدنی زندگی میں میثاقِ مدینہ اور صلح حدیبیہ جیسے معاہدات کے ذریعے اپنی بے مثال سفارت کاری سے دُنیا کو امن کا تحفہ دیا۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(۵) معاہدات کا احترام

اسلام نے معاہدات کے پورا کرنے کے اُصول پر خاص زور دیا ہے' کہ معاہدات کا پورا پورا احترام کیا جائے۔ معاہدہ پر عمل درآمد میں خیانت اور خلاف ورزی کو قطعاً حرام قرار دیا ہے اور عہد توڑنے کو کو بدترین عمل قرار دیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے: ''اے ایمان والو! عہد و پیمان پورے کرو'' دوسری جگہ ارشاد ہے: ''وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا'' (اور تم عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے بارے میں جواب دہی ہوگی)۔ آپ ﷺ نے اپنی سفارت کے ذریعے معاہدات کے احترام کو روزِ روشن کی طرح واضح کیا۔

(۶) التوائے جنگ یا صلح

آپ ﷺ کی سفارت کی ایک خوبی یہ تھی کہ آپ ﷺ ہمیشہ جنگ سے گریز کرتے اور ان راستوں کو پسند فرماتے جو صلح کی طرف مائل تھے۔ آپ ﷺ کا یہ طرزِ عمل قرآن کے اس ارشاد کے بالکل عین مطابق تھا: ''اے محمد (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) اگر دشمن مائل بہ صلح ہوں تو آپ بھی ایسا ہی کریں اور اللہ پر بھروسا رکھیں۔ یقیناً وہی سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے اور اگر وہ دھوکا دینے کی تدبیر کریں گے تو اللہ کافی ہے، وہ خدا ہی ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعے تمھاری تائید کی۔''

5- خلاصۂ بحث

مختلف سلاطین کے نام مکتوبات اور آپ ﷺ کی سفارت کے اثرات عالمی سیاسی حالات پر بہت گہرے پڑے۔ حضور ﷺ کی یہ سفارتی حکمت عملی یقینی طور پر کامیاب رہی۔ مثلاً عمان، بحرین اور یمن کے امرا انہی سفارتوں کے نتیجے میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ یہ علاقے اپنی زرخیزی اور دولت وثروت کے لحاظ سے دیگر تمام عرب علاقوں سے ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ پھر حضور ﷺ سے برسرِ پیکار عرب قبائل کو ان ہی علاقوں سے غلہ اور اسلحہ فراہم کیا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ جب تک دشمن قبائل کو ان علاقوں سے غلہ اور اسلحہ فراہم ہوتا رہے گا، جنگ وجدل کا سلسلہ جاری رہے گا۔ اس لیے ان ریاستوں کے ریاست نبوی (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کے زیر اثر آجانے سے رسول اللہ ﷺ کو زبردست کامیابی ہوئی۔ اسی طرح اسلامی ریاست کی حدود پھیلتے ہوئے پُرامن طور پر عمان، بحرین اور یمن تک جا پہنچیں۔ جہاں تک سلطنت رومہ اور سلطنت فارس کا تعلق ہے تو اُن پر آپ ﷺ کے خطوط کی وجہ سے دھاک بیٹھ گئی۔ یہی وجہ ہے کہ چند سالوں کے بعد دونوں ریاستوں کے بڑے حصے کو مسلمانوں نے فتح کرلیا۔ نیز آپ ﷺ کی سفارتی خوبیاں جن میں غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ، اندرونی استحکام، بین الاقوامی اُصولوں کی پاس داری، امن کے معاہدات (حلف الفضول، میثاق مدینہ اور صلح حدیبیہ)، حق کی معاونت اور عالمگیر دعوت اسلام کو اگر آج کے مسلم سفراء (Ambassdors) پیش نظر رکھیں تو یقیناً اسلام کا روشن چہرہ دُنیا کے سامنے اور واضح ہوگا۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

7- نبی کریم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) معلم کے لیے نمونہ عمل

1- تعارف

نبی کریم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے آغاز نبوت سے ہی جو پہلا اور بنیادی کام کیا وہ اشاعت علم کا تھا۔ آپ ﷺ نے لوگوں کے اندر علم حاصل کرنے کا جذبہ پیدا کیا۔ علم کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالی، علم کی طرف راغب کیا۔ اُس کی فضیلت کو بیان کیا۔ پہلی آیات خود اِس پر گواہ ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اپنے رب کے نام سے پڑھیے، جس نے ہر چیز کو پیدا کیا، انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھیے! اور آپ کا رب بڑا ہی کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا اور انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔'' آپ ﷺ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے بھی ارشاد فرمایا: ''میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔'' دارِارقم مکہ میں پہلی درس گاہ تھی جب کہ صفہ مدینہ میں مرکز علم تھا۔ آپ ﷺ کے طریقۂ تعلیم کی کئی خوبیاں تھیں۔ آپ ﷺ نے علم کو چھپایا نہیں، کبھی اُجرت نہیں طلب کی، اپنے طلبا سے حسنِ سلوک سے پیش آتے۔ آپ ﷺ بہت بلند حوصلہ اور پُرکشش شخصیت کے مالک تھے۔ علم آپ ﷺ کے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت تھی جس کو آپ ﷺ نے انسانوں تک پہنچایا۔ آپ ﷺ طالب علم کی نفسیات سے سب زیادہ واقف تھے۔ آپ ﷺ نے نہ صرف مردوں بلکہ عورتوں کے اندر بھی علم کے حصول کا جذبہ پیدا کیا۔ آپ ﷺ کا نصاب قرآن وسنت تھا۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ آپ ﷺ کی طریقۂ تعلیم کی خوبیوں کو نہ صرف اجاگر کیا جائے بلکہ اساتذہ کے لیے ایسی ٹریننگ ورکشاپس کا انعقاد کیا جائے جن میں عملاً آپ ﷺ کے طریقۂ تعلیم کو اُجاگر کیا جائے۔

2- معلم انسانیت ﷺ کے اوصاف

حضرت محمد ﷺ دُنیا میں معلم بن کر تشریف لائے۔ آپ ﷺ کا اپنا ارشادِ گرامی ہے:

"إِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا"

ترجمہ: ''میں معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

اگر سیرت النبی ﷺ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو نظر آتا ہے کہ آپ ﷺ بنیادی طور پر معلم تھے۔ آپ ﷺ کا کام لوگوں کے دامن کو علم کے موتیوں سے بھرنا تھا۔ ذیل میں تعلیم و تعلّم (Education and teacing) کے حوالے سے آپ ﷺ کے چند نمایاں اوصاف کو بیان کیا جاتا ہے:

(۱) بے مثل کردار

رحمت عالم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) ایک مثالی کردار کے حامل تھے۔ آپ ﷺ کے کردار کی تعریف دشمن بھی کیا کرتے تھے۔ اسوہ رسول ﷺ کے پیش نظر معلم کا کردار اچھا ہونا چاہیے۔ اُس کو اخلاق کا عملی نمونہ پیش کرنا چاہیے۔ اس کا چال چلن اچھا، سچائی، انصاف، مساوات، اخوت، پابندی وقت اور نظم وضبط جیسی اسلامی اقدار کا پابند ہو۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر بچے اپنے کسی استاد کو اپنا آئیڈیل بنا لیتے ہیں۔ استاد کو چاہیے کہ وہ بری عادات سے پرہیز کرے۔

(۲) باوقار شخصیت

رحمت عالم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) باوقار شخصیت کے مالک تھے۔ جو بھی آپ ﷺ سے ملتا تھا آپ ﷺ کا گرویدہ ہو جاتا۔ استاد کو بھی چاہیے کہ وہ اپنی دلکش شخصیت اور حسن سلوک سے دوسروں کو متاثر کرے تاکہ طلبہ نہ صرف اُس کی باتوں کو سنیں بلکہ اُن پر عمل بھی کریں۔

(۳) علمی ذوق

رسالت مآب (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) علم کا شہر تھے۔ آپ ﷺ حکمت و دانش کا سمندر تھے۔ آپ ﷺ کا ارشاد

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہے: ''میں علم کا شہر ہوں علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔'' ہر معلم کو چاہئے کہ وہ علمی اور ادبی ذوق رکھنے والا ہو۔ نصابی کتب کے علاوہ دیگر مذہبی اور سائنسی کتب کا مطالعہ بھی کرے تا کہ وہ طلبہ کی بہترین رہنمائی کر سکے۔

(۴) متوازن جذبات

نبی کریم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) انتہائی متوازن جذبات کے حامل تھے۔ ہر معلم کو چاہیے کہ وہ آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلے۔ اپنے قول و فعل میں مطابقت پیدا کرے اور اپنے جذبات پر قابو رکھے۔ اس کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کے ساتھ الجھنے کے بجائے ان سے اشتراک و تعاون کرے۔

(۵) تدریس سے محبت

معلّم کائنات (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) بڑی لگن عقیدت اور محبت کے ساتھ اسلام کی تبلیغ کرتے تھے۔ ہر معلم کو چاہیے کہ وہ پیشہ تدریس سے محبت کرے اور پوری دیانت داری کے ساتھ نصابی اور ہم نصابی سرگرمیوں کا انعقاد کرے۔

(۶) اسلامی جذبہ سے سرشاری

ہادی عالم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) قرآن پاک اور اسلامی تعلیمات کے سب سے بڑے مفسر تھے۔ آپ ﷺ صحیح معنوں میں اسلامی جذبہ سے سرشار تھے۔ آپ ﷺ کا اٹھنا' بیٹھنا' سونا' جاگنا غرضیکہ ہر کام اسلام کے لیے تھا۔ معلّم کو چاہیے کہ وہ سنت نبوی ﷺ کے مطابق اسلامی جذبہ سے اپنے تمام کام سرانجام دے۔

(۷) علوم نافع کی تلقین

معلم انسانیت (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے ہر اس علم کو نہ صرف جائز قرار دیا بلکہ اس کے حصول کی تلقین فرمائی کہ جس میں انسانیت کی فلاح و بہبود ہو، جس سے انسان سدھرتا ہو۔ ترقی کے زینے طے کرتا ہو اور آفاق کی بلندیوں پر پہنچتا ہو۔ جب ہم یہ تسلیم کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی تعلیم کا مرکز و محور قرآن و سنت تھا تو پھر وہ کون سا علم ہے جو قرآن و سنت میں نہیں؟ قرآن مجید نے جس بات کو مجمل بیان کیا سنت نبوی نے اس کی تشریح فرما دی۔

(۸) تعلیمی اداروں کا قیام

(i) دارارقم

آپ ﷺ نہ صرف خود اِن اعلیٰ اوصاف کے حامل تھے بلکہ آپ ﷺ نے ایسے ادارے بھی بنائے جہاں پر درج بالا اوصاف کے حامل افراد تیار ہو سکیں۔ بقول شاعر

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

مکہ اور مدینہ میں تعلیم کا ماحول نہیں تھا۔ دونوں جگہ حالات ابتر تھے۔ خاص کر مکہ مکرمہ کی علمی حالت تو کافی خراب تھی۔ مگر آپ ﷺ نے حکمت و دانش سے نہ صرف یہ کہ تعلیمی ماحول بنا دیا بلکہ تعلیم کا سلسلہ شروع فرما دیا۔ مکہ مکرمہ میں دارارقم سے علم کی کرنیں پھوٹیں جن کی بدولت بہت سے سینے روشن ہوئے۔ اُن کے بخت نے انگڑائی لی اور انھوں نے سرور دو عالم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کے آستانہ پر پہنچ کر اور اپنے سینوں کو انوار نبوت سے روشن کیا۔

(ii) صفہ

مدینہ منورہ پہنچ کر نبی اکرم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے مشکل حالات کو ساز گار بنایا۔ تعلیم و تعلم کا باقاعدہ آغاز فرمایا۔ کیونکہ آپ ﷺ جانتے تھے کہ تعلیم کے بغیر کسی قوم کا مستقبل روشن نہیں ہو سکتا۔ تعلیم ہی وہ نعمت عظمیٰ ہے جو انسان کے قلب کو روشن اور دماغ کو جلا بخشتی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے مسجد نبوی سے تعلیم کا آغاز فرمایا۔ وہاں کا طریقہ یہ تھا کہ مسلمان نماز فجر کے بعد حضور پاک ﷺ کے پاس بیٹھ جاتے تھے۔ یہ جگہ مسجد نبوی میں اسطوانہ کے قریب ہے۔ یہ منبر اور حجرہ شریف کے درمیان چوتھے ستون کی جگہ ہے۔ یہاں لوگ بصورت حلقہ آپ ﷺ کے آس پاس ادب کے ساتھ بیٹھ جاتے۔ معلّم انسانیت (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) عام فہم مسائل بیان فرماتے۔ لوگ غور سے سنتے اور بوقت ضرورت سوالات بھی کرتے۔ نبی

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

کریم ﷺ بڑے پیار و محبت سے جواب دیتے تا آنکہ ہر شخص اپنے دل میں اطمینان و مسرت کے جذبات لے کر جاتا۔ مسجد نبوی میں تعلیم کا یہ عمومی طریقہ کار تھا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے ایک درس گاہ کا انتظام کیا۔ یہ درس گاہ مسجد نبوی کی شمالی جانب ایک چبوترا تھا جسے ''صفہ'' کہتے ہیں۔ یہ درس گاہ، ہاسٹل کا درجہ رکھتی تھی۔ یعنی بیرونی طلبا یہاں قیام کرتے تھے اور علم بھی سیکھتے تھے۔ پھر وہ واپس جا کر علوم اسلامیہ کی اشاعت کرتے تھے۔ یہاں رحمت دو عالم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) حقائق و معارف کا درس دیتے تھے جن سے اصحاب صفہؓ فیض یاب ہوتے تھے۔ اس درس گاہ میں حضرت عبادہ بن صامتؓ بھی تعینات تھے۔ آپؓ کے ذمہ لکھائی اور کتابت کا کام تھا۔ یہاں سے فارغ شدہ ایک ایک طالب علم نے اپنے اپنے علاقے میں جا کر علم و ہدایت کے چراغ روشن کیے۔

3- نصاب تعلیم اور طریقۂ تدریس

اس حوالے سے ایک اہم سوال یہ ہے کہ ان درس گاہوں کا نصاب کیا تھا؟ ان درس گاہوں میں آج کل کی طرح دو دو، چار چار، دس دس، سال کا نصاب نہ تھا۔ بلکہ جس شخص کو جتنی فرصت ہوتی وہ اتنی ہی فرصت میں اپنے لئے کافی علم حاصل کر لیتا اور اپنے علاقہ کے لئے پورا مبلغ اور مُعلّم بن جاتا۔ حضور ﷺ باتوں ہی باتوں میں اپنے شاگردوں کو بڑے بڑے علمی نکات سمجھا دیتے۔ اخلاقی اسباق دیتے۔ تمدن کے اُصول بتاتے۔ تجارت کے گُر سکھا دیتے۔ تجارت کی خوبیاں گنواتے۔ ڈاکٹر حمید اللہ خطاب بہاولپور میں رقم طراز ہیں:

''آپ ﷺ طبابت سے ناواقف شخص کو اس کی اجازت نہ دیتے تھے کہ وہ طبیب بن جائے۔ حدیث میں ہے کہ ''جس شخص کا علم طب سے واقفیت نہیں وہ علاج کرے تو اُسے سزا دی جائے گی۔'' دوسرا علم ہیئت تھا۔ قرآن کے مطابق اس سے لوگ راستوں کا تعین کرتے۔ خود آنحضرت ﷺ نے مسجد قبا کے قبیلے کا سو فیصد درست تعین فرما کر اس کی عملی سرپرستی فرمائی۔ تیسرا علم الانساب کے بارے حدیث میں سیکھنے کی ترغیب ہے۔ اس کی افادیت یہ ہے کہ محرم سے نکاح نہ ہو، قبائل سے تعارف اور خاندانی نظام بھی قائم رہے۔ علاوہ ازیں سپہ گری، نیزہ بازی، تیر اندازی، شمشیر زنی، Swimming، میراث (Inheritance)، علم و تجوید، کشتی اور دوڑیں وغیرہ علوم و فنون ثابت ہیں۔ جنگی مشقیں بھی کراتے اور حوصلہ افزائی بھی فرماتے۔''

ذیل میں بطور نمونہ حضور اکرم ﷺ کے چند اسباق نقل کیے جاتے ہیں۔ جن سے اندازہ ہو سکے کہ حضور اکرم ﷺ چھوٹے چھوٹے جملوں میں کس قدر اہم چیزیں بیان فرمایا کرتے تھے اور ایک ایک سبق میں کتنے کتنے علمی خزانے چھپے ہوتے تھے جو اشاروں ہی اشاروں میں سمجھا دیے جاتے۔ بقول مولانا ظفر علی خان:

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا
وہ راز کملی والے نے بتلا دیا چند اشاروں میں

4- علم کی فضیلت کے حوالے سے احادیثِ رسول (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم)

آپ ﷺ کی احادیث بھی اس ضمن میں بہت واضح ہیں:

(۱) علم کی طلب گویا جہاد کا راستہ

ترجمہ: ''جو شخص تحصیل علم کے لیے نکلے وہ گویا خدا کی راہ (جہاد) میں نکلا ہے۔ جب تک کہ واپس نہ آ جائے۔'' (ترمذی، دارمی)

(۲) فرشتوں، اہل دُنیا اور مچھلیوں کی اہل علم کے لیے دعا

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے اور اہل آسمان اور اہل زمین سب کے سب یہاں تک کہ چیونٹیاں اور مچھلیاں بھی علم پڑھنے اور پڑھانے والوں کے لیے دعا کرتی رہتی ہیں۔''

5- آپ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کے طریقۂ تعلیم کی خصوصیات

آپ ﷺ کا طریقۂ تعلیم منفرد تھا۔ اس کی متعدد خصوصیات ہیں جن کا احاطہ آسان نہیں۔ مگر چند ضروری خصوصیات بیان کر دی جاتی ہیں۔

۱۔ آپ ﷺ کے دل میں علم پھیلانے اور عام کرنے کا بیکراں جذبہ تھا۔ اس پر آپ ﷺ کو اجرت یا معاوضے کی کبھی خواہش نہ ہوئی۔

۲۔ آپ ﷺ نے علم چھپا کر نہ رکھا۔ یہ امانت من و عن آگے پہنچا دی۔

۳۔ آپ ﷺ کی تعلیم کبھی زبان سے ہوتی تھی اور کبھی عمل سے اور کبھی خاموشی سے اور کبھی اشارے سے۔ غرض آپ مُجسم تعلیم تھے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

۴۔ آپ ﷺ بلند اخلاق، نیک کردار اور پُرکشش شخصیت کے مالک تھے۔ تلامذہ سے بڑے حسن سلوک اور مروت سے پیش آتے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی طالب علم کو نہ تو ڈانٹا اور نہ ہی مارا، یہاں تک کہ اس کے لیے سست الفاظ بھی استعمال نہیں کیے۔

۵۔ آپ ﷺ نہایت حلیم، متحمل اور بلند حوصلہ تھے۔ آپ ﷺ چھوٹی موٹی باتوں کا نوٹس نہ لیتے تھے۔ البتہ خلاف شرع بات پر ٹوک دیتے تھے۔

۶۔ آپ ﷺ توحید کے علم بردار اور احکام الٰہی کے حد درجہ پابند تھے۔ جس کا طلبا پر گہرا اثر ہوتا تھا۔

۷۔ آپ ﷺ تعلیم کے ساتھ تربیت کو بھی ضروری جانتے تھے بلکہ اولیت دیتے تھے۔

6- خلاصہ بحث

حضور اکرم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) جب مبعوث ہوئے تو بہت کم لوگ پڑھے لکھے تھے۔ عرب کے مرکزی شہر مکہ مکرمہ کا یہ حال تھا کہ علامہ بلاذری کے بقول: ''مکہ میں صرف 18,17 افراد لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔'' ان حالات میں ان لوگوں کا علم سے آراستہ ہونا کس قدر کٹھن تھا!!! تعلیم کے بغیر ترقی یقیناً ناممکن تھی۔ رحمت عالم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) اس سے خوب آگاہ تھے۔ رسالت مآب (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے سب سے زیادہ زور قرآن وسنت کی تعلیم پر دیا۔ قلب ونظر کی پاکیزگی قرآن وسنت کے بغیر ناممکن تھی۔ آپ ﷺ نے علم نافع کی تلقین فرمائی۔ غیر نفع بخش علم سے منع فرمایا۔ یعنی آپ ﷺ نے ہر زبان اور فن سیکھنے کی ترغیب دی لیکن آپ ﷺ نے تعلیم کا مرکز ومحور کتاب وسنت کو قرار دیا۔ ضرورت اس امر کی ہے آپ ﷺ کے بحیثیت معلم اوصاف، جن میں بے مثل کردار، باوقار شخصیت، سادہ اندازِ بیان اور علمی ذوق کو آج کے اساتذہ اپنی ذات کا حصہ بنائیں۔ آپ ﷺ کے طریقہ تدریس اور نصاب تعلیم کے مرکزی نقطہ قرآن وسنت کو اپنے طریقہ تدریس (Teaching methadology) میں اولین مقام دیں۔ آپ ﷺ کے طریقہ تعلیم کی خصوصیات، حلم، مخاطب کے مزاج، شائستگی، علمی بحث اور خواتین کو بھی زیورِ تعلیم سے آراستہ کرنے کی کوشش کریں۔ پاکستان شرح خواندگی کے حوالے سے اقوامِ عالم میں کوئی نمایاں مقام نہیں رکھتا، کروڑوں بچے سکولوں سے باہر ہیں۔ وجوہات تو کئی ہوسکتی ہیں۔ لیکن ایک وجہ استاد کا کردار بھی ہے۔ عصرِ حاضر کا معلم اگر اپنے اندر نبوی ﷺ خصوصیات کو پیدا کرلے تو یقیناً سالوں کا کام مہینوں میں ہوسکتا ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ پورے نظام تعلیم کے اندر اسوہ رسول ﷺ کو مرکزی حیثیت دی جائے۔ اسوہ رسول ﷺ کا ایک اہم اُصول گفتار سے زیادہ کردار ہے جو موجودہ نظامِ تعلیم میں مفقود ہوتا جارہا ہے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

8- اسلامی تہذیب، خصوصیات اور اثرات

(الف) اسلامی تہذیب

1- تعارف

اسلامی تہذیب و تمدن اِبتدا سے ہی نمایاں مقام کی حامل ہے۔ اسلامی تہذیب کی پہچان اور شناخت میں سب سے اہم تین عقائد ہیں۔ عقیدۂ توحید، عقیدۂ رسالت اور عقیدۂ آخرت۔ جہاں تک اسلام کے نظامِ عبادات کا تعلق ہے تو دُنیا کی کسی دوسری تہذیب میں عبادات کا ایسا جامع تصور نہیں جیسا اسلامی تہذیب میں ہے۔ عبادات کے علاوہ انسانی وقار، اخوت، عدل اجتماعی، طہارت، باہمی تعاون، بنیادی انسانی حقوق، امن و بھائی چارہ، تحمل و بُردباری، صبر و برداشت، سماجی انصاف، قانون کی حکمرانی، شخصی آزادی جیسی خصوصیات اسلامی تہذیب و تمدن کو نمایاں مقام عطا کرتی ہیں۔ ذیل میں اسلامی کی نمایاں خصوصیات کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے:

اسلامی تہذیب کی خصوصیات

2- عقیدۂ توحید

اسلامی تہذیب کی بنیاد عقیدۂ توحید پر ہے جو کہ اسلامی تہذیب کی سب سے بڑی خصوصیت ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''فرما دیجیے کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ نہ اُس نے کسی کو جنا نہ اُس کو کسی نے جنا۔ اور کوئی بھی اُس کا ہم سر نہیں۔'' (الاخلاص)

جب کہ مغربی تہذیب خواہش کو خدا بنائے ہوئے ہے۔ ایسے لوگوں کی حقیقت کو بھی خدائے لم یزل نے بیان کیا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اے حبیب ﷺ! کیا آپ نے اُس شخص کو نہیں دیکھا جس نے خواہش کو خدا بنا لیا ہے۔'' (الفرقان:43)

مغربی تہذیب کے حامل افراد وحیٔ الٰہی کی روشنی میں زندگی نہیں گزارتے بلکہ تعلیمات شیطان کی روشنی میں اپنی زندگی کا سفر طے کرتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ الانعام میں ارشاد ہوا:

ترجمہ: ''اور بے شک شیاطین اپنے دوستوں کو (غلط باتیں) اِلقا کرتے ہیں۔'' (الانعام:121)

3- عقیدۂ رسالت

اسلامی تہذیب کی دوسری خصوصیت عقیدۂ رسالت ہے۔ مسلمان اپنی پوری زندگی نبی محتشم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کے طریقے کے مطابق گزارنا چاہتے ہیں جب کہ فرزندانِ مغرب کسی ایک شخص یا ذات کو ہدایت کا روشن مینار تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ ہر فیصلہ اپنی عقل کی روشنی میں کرنا چاہتے ہیں جب کہ مسلمان بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ: ''عقل بیش کن بمصطفیٰ'' (عقل کو مصطفیٰ کریم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کر) کے مصداق زندگی گزارتے ہیں۔

4- عقیدۂ آخرت

اسلامی تہذیب کی تیسری بڑی خصوصیت عقیدۂ آخرت ہے جو انسان کو جزا و سزا کا ایک مکمل نظام فراہم کرتا ہے جب کہ مغربی تہذیب جزا و سزا کے عقیدے سے بالکل ماورا ہے۔ اب اگر عقائد کے اعتبار سے دیکھا جائے تو مغربی تہذیب خدا کے مقابلے میں خواہش، رسالت کے مقابلے میں عقل اور آخرت کے مقابلے میں جزا و سزا سے خالی زندگی کی بنیاد پر قائم ہے۔ یہ چیز واضح ہے کہ عقائد کے باب میں مغربی تہذیب نے اسلامی تہذیب کو کوئی زیادہ متاثر نہیں کیا۔

5- عبادات (نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ)

اسلامی تہذیب میں عقائد کے بعد عبادات اہم خصوصیات کی حامل ہیں۔ عبادات میں نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ مسلمان چاہے مشرق میں ہوں چاہے مغرب میں اپنی اِن تہذیبی اقدار سے نہ صرف آگاہ ہیں بلکہ ممکن حد تک اِن پر عمل کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ ہاں! یہ بات درست ہے

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

کہ اِس میں اہلیانِ اسلام کو کافی راغب کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ فرائض کی بجاآوری کو پوری تن دہی سے کریں۔ جب کہ مغربی تہذیب (جو اپنی بنیادوں میں عیسائی تہذیب ہے) چرچ میں جانے کو عملاً دیس نکالا دے چکی ہے۔

6- سادگی

سادگی اسلامی تہذیب کا طرۂ امتیاز ہے اور ایک بنیادی قدر ہے۔ خلفائے راشدین سے لے کر آج تک بہت سے مسلمان حکمران سادگی کو اپنا شعار سمجھتے تھے کیونکہ اُن سب کے سامنے اسوۂ مصطفیٰ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) تھا۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج ہمارے حکمران اپنی اِس تہذیبی قدر کو چھوڑ چکے ہیں۔ ہمارے حکمران بڑے بڑے محلات میں جب کہ یورپ کے بہت سارے حکمران آج بھی چھوٹے چھوٹے گھروں میں رہتے ہیں۔ وہ پبلک ٹرانسپورٹ استعمال کرتے ہیں اور ٹیکسوں سے جو پیسہ اکٹھا ہوتا ہے اُس میں بددیانتی نہیں کرتے۔

7- انسانی مساوات

اسلامی تہذیب کی ایک بڑی خصوصیت مساوات ہے۔ اسلام طبقاتی تقسیم، قوم وقبیلہ، رنگ ونسل کے فرق وامتیاز کا قائل نہیں۔ اسلامی تہذیب میں امیر و غریب، آقا وغلام اور عربی وعجمی کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ خلیفہ وقت بھی نماز میں عام مسلمانوں کے برابر کھڑا ہوگا۔ اسلام میں عزت وعظمت کا مدار وانحصار خوف خداوندی پر ہے۔ ایک غلام بھی اپنے ذاتی اوصاف کی بنا پر اعلیٰ سے اعلیٰ منصب پر فائز ہوسکتا ہے۔ اِس کی مثالیں قرون اولیٰ میں بہت ہیں اور ہندوستان میں غلاموں کے ایک پورے خاندان نے حکومت کی ہے۔ جو تہذیب مساوات کی علم بردار نہ ہو وہ دیرپا ثابت نہیں ہوسکتی۔ اسلامی تہذیب کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ بقول اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز

8- امانت ودیانت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی تہذیب کو جو معیار دیا، اس کے صلہ میں امانت ودیانت اور اخلاص کے ایسے واقعات موجود ہیں کہ انسانی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی۔ تاریخ طبری میں ہے کہ مسلمان جب مدائن پہنچے تو مالِ غنیمت لایا گیا اور خازن کے سپرد کیا گیا تو لوگوں نے کہا ''ہم نے اس قدر قیمتی سامان کبھی نہیں دیکھا۔'' لوگوں نے اُس شخص سے دریافت کیا ''کسی نے اس میں سے کچھ لیا بھی ہے؟'' اُس نے جواب دیا ''خدا کی قسم! اگر خدا کا خوف نہ ہوتا تو تمھیں اس کی خبر بھی نہ ہوتی۔'' اُنھوں نے پوچھا ''تم کون ہو؟'' اُس نے کہا ''میں یہ نہیں بتا سکتا اس لیے کہ تم تعریف کرو گے۔'' تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ اُس کا نام عامر تھا اور وہ قبیلہ عبد قیس کا ایک فرد تھا۔ (تاریخ طبری:6/4)

9- عدل وانصاف

قرآن کریم اور احادیث طیبات میں بار ہا عدل وانصاف کا حکم ہوتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''عدل کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔'' (المائدہ:8)

ترجمہ: ''اور انصاف کرو بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (الحجرات:9)

اور پھر خود تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی پیشِ نظر رہنا چاہیے:

''خدا کی قسم! اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے ہاتھ کاٹ دیتے۔''

قرآن وحدیث کے اِن ارشادات اور اسلام کی روشن تاریخ کے ہزاروں انصاف کے فیصلوں پر مبنی اسلامی تہذیب کی پُرشکوہ عمارت کے باوجود آج عدل و انصاف کی عمارت مسلمانوں کے ہاں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے۔ سماجی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی سطح پر انصاف سربازار ماتم کر رہا ہے اور وہ ماتم کیوں نہ کرے کیونکہ ہم نے بے انصافی کے آہنی پنجوں سے اِس کے چہرے کو لہولہان کر دیا ہے جب کہ اِس کے مقابلے میں مغربی ممالک میں بھی بے انصافیاں اور بے اعتدالیاں ہوتی ہیں مگر ایک تو اِن کا تناسب (Ratio) بہت کم ہے اور دوسرا عدل وانصاف کے حوالے سے ایسا سسٹم معرضِ وجود میں آچکا ہے جس سے ہر شخص قانون کا احترام کرتا ہے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

10- انسانی عظمت اور وقار

اسلامی تہذیب کا ایک اہم وصف انسان کو محترم اور معزز ہستی قرار دینا ہے۔ جب کہ دیگر تہذیبوں میں کہیں انسان سے بتوں کو سجدہ کروایا جاتا ہے اور کہیں اُسے پیدائشی گناہ گار قرار دیا جاتا ہے۔ اِس کے برعکس اسلامی تہذیب میں انسان کو تمام مخلوقات پر فضیلت بخشی گئی ہے اور اِس کائنات کو انسان کے فائدے کے لیے مسخر کیا گیا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی فضیلت اور عظمت کا اعلان ان الفاظ میں کیا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ..... (القرآن)

ترجمہ: ''اور یقیناً ہم نے بنی آدم کو بزرگی دی اور انھیں خشکی و تری میں سواریاں عطا کیں اور اُن پاکیزہ چیزوں سے رزق دیا اور اپنی بہت سی مخلوقات پر انھیں فضیلت بخشی۔''

11- انسانی حقوق کی اہمیت

اسلامی تہذیب کا ایک نمایاں وصف انسانی حقوق کی ادائیگی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ تمام انسانوں کے حقوق بغیر کسی رُکاوٹ کے ادا کیے جائیں اور کوئی بھی فرد یا ادارہ اِن حقوق کو سلب نہ کرے۔ حضور اکرم ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں تمام انسانوں کے حقوق مقرر فرما کر انسانی حقوق کو تحفظ فراہم کیا۔ اسلامی تہذیب کی اِس خصوصیت کی بنا پر اسلامی ریاست میں تمام شہریوں کو تمام حقوق مساوی اور یکساں بنیادوں پر حاصل ہوتے ہیں۔

12- آفاقیت و عالمگیریت

اسلامی تہذیب کی ایک نمایاں خصوصیت آفاقیت و عالمگیریت ہے۔ اسلام کسی خاص قوم، خاص علاقے یا کسی خاص زمانے کا مذہب نہیں بلکہ اِس کی تعلیمات قیامت تک کے لیے پوری دُنیا کے تمام انسانوں کے لیے ہیں۔ اِس طرح یہ ایک عالمگیر اور ابدی مذہب ہے اور اِس کی تہذیب جو ابدی اور آفاقی نوعیت کے عوامل و عناصر رکھتی ہے، چودہ سو سال سے قائم ہے اور انشاء اللہ قیامت تک قائم و دائم رہے گی۔ مختصر یہ ہے کہ اسلامی تہذیب ہر لحاظ سے فیض رساں، منفرد، پُرامن اور فلاح و بہبود کی حامل ہے۔

13- خلاصۂ بحث

اسلامی تہذیب و تمدن کی درج بالا خصوصیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی تہذیب فکری اِعتبار سے اپنے اندر بہت مواد رکھتی ہے۔ جہاں تک عملی میدان کا تعلق ہے تو اِسے اب بھی بہت سارے چیلنجز کا سامنا ہے۔ اسلامی تہذیب کو اندرونی اور بیرونی دونوں طرح کے چیلنجز کا سامنا ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ مسلمان اپنے عمل سے دونوں طرح کے چیلنجز کا مقابلہ کریں۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(ب) اسلامی تہذیب وتمدن کے علمی، دینی، فکری اور معاشرتی اثرات

1- تعارف

اسلامی تہذیب وتمدن نے علمی، مذہبی، فکری، معاشرتی اور اخلاقی ہر اعتبار سے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو متاثر کیا ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدن نے حصول علم کی رغبت، مفت تعلیم، مفید علوم کی اشاعت، اخلاقی تربیت، خدائے واحد کی بندگی، غلامی سے نجات، آزادیٔ فکر، عظمت انسانی، معاشرتی فلاح و بہبود، کائنات میں غور وفکر کے ساتھ ساتھ کئی اصلاحی تحاریکوں پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ ذیل میں اسلامی تہذیب وتمدن کے اثرات کو بیان کیا جاتا ہے:

2- اسلامی تہذیب وتمدن کے علمی اثرات

اسلامی تہذیب وتمدن کے عالمی سطح پر جو علمی اثرات مرتب ہوئے، اُن کے اہم نکات کا جائزہ درج ذیل ہے:

(۱) حصول علم کی ترغیب

اسلام سے پہلے دُنیا جہالت اور گمراہی میں مبتلا تھی۔ لوگ ایک خدا کو چھوڑ کر سورج، چاند، ستاروں، بتوں اور آگ کو پوجتے تھے۔ کسی فلاسفر کے نظریات پر غور وخوض کرنا جرم تھا۔ اِن حالات میں اسلامی تہذیب کا ظہور ہوا جس نے لوگوں کو علم کی ترغیب دی۔ قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے: ''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔'' اِسی طرح حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ''علم حاصل کرنا ہر مرد وعورت پر فرض ہے۔'' (صحیح مسلم)

(۲) اہل علم کی قدردانی

اسلام سے قبل اہل علم لوگوں کو کوئی خاص قدر ومنزلت حاصل نہ تھی۔ اسلام نے اہل علم لوگوں کی قدردانی کرتے ہوئے اُنھیں عزت ووقار عطا کیا، کثیر انعامات سے نوازا اور اُن کی آسائشوں اور ضروریات زندگی کا خیال رکھا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اُن ارباب علم ودانش نے زندگی کے مختلف شعبوں میں تاریخی کارنامے انجام دیے جن سے آج بھی دُنیا مستفید ہو رہی ہے۔

(۳) فروغِ علم

مسلمانوں کے عہد حکومت میں زبان وادب اور فنون لطیفہ کے بڑے بڑے مراکز قائم کیے گئے اور جگہ جگہ تعلیمی اِدارے وجود میں آئے جہاں مروجہ علوم کے علاوہ ریاضی، طب، منطق، فلسفہ، تاریخ، قرآن وحدیث، علم فلکیات، کیمیا اور حیاتیات کی تعلیم دی جاتی تھی۔ اِس طرح اسلامی تہذیب نے فروغ علم میں بنیادی کردار ادا کیا۔

(۴) تعلیمی اجارہ داری کا خاتمہ

اسلام سے قبل تعلیم پر مخصوص لوگوں کی اجارہ داری تھی۔ مثلاً ہندومت میں برہمن اور عیسائیت میں پوپ وکلیسا کو مذہبی وتعلیمی اجارہ داری حاصل تھی۔ اسلام نے مسلم وغیر مسلم، امیر وغریب اور ادنیٰ واعلیٰ کے لیے تعلیم کو عام کر کے اِن مخصوص لوگوں کی تعلیمی اجارہ داری ختم کر دی۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم عہد حکومت میں غیر مسلموں میں بھی علم کے اِحیا کی رفتار مسلمانوں سے کم نہ تھی۔

(۵) مفت تعلیم کا اہتمام

مسلمانوں کے عہد حکومت میں تعلیم کو مفت کر دیا گیا تا کہ ہر خاص وعام زیور تعلیم سے آراستہ ہو۔ حکومت کے علاوہ علما کی سرپرستی میں چلنے والے مدارس میں بھی طلبا کو مفت تعلیم دی جاتی تھی بلکہ مستحق طلبا کے دیگر تمام اخراجات بھی مدارس برداشت کرتے تھے۔ اِس کا اثر یہ ہوا کہ عوام میں شرح خواندگی بڑھ گئی اور وہ سیاسی، سماجی اور معاشی شعور سے بہرہ ور ہوئے۔ اسلامی تہذیب کے اِس اقدام نے یورپ اور ایشیا کی اقوام کو بھی متاثر کیا اور وہاں بھی مفت تعلیم کا اہتمام کیا جانے لگا۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(۶) تعلیمی اداروں کا قیام

ہر خاص و عام کو علم کی روشنی سے منور کرنے کے لیے مسلم عہد حکومت میں باقاعدہ تعلیمی اداروں کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اِس کی ابتدا حضور اکرم ﷺ نے مدینہ میں "صفہ" کا مدرسہ قائم کر کے کی۔ اس کے بعد مدارس کا لامتناہی سلسلہ معرض وجود میں آیا۔ اِس طرح اسلامی تہذیب نے تعلیم کو ایک باقاعدہ نظام کی شکل میں ڈھالا اور اِسے باقی دُنیا کے لیے مشعل راہ بنایا۔

(۷) مفید علوم کی اشاعت

مسلم عہد حکومت میں دینی علوم، عمرانی علوم اور سائنسی علوم کی اشاعت پر زور دیا گیا اور غیر نافع علم مثلاً جادو، نجوم اور موسیقی سے منع کیا گیا تا کہ انسانیت کی فلاح و بہبود عمل میں آئے اور غیر نافع علوم کے مضر اثرات سے انسان محفوظ رہ سکیں۔

(۸) قدیم علوم کا اِحیا

اسلام سے قبل فلسفہ، منطق اور تاریخ جیسے مفید علوم گوشہ گمنامی میں جا چکے تھے۔ اسلام نے اِن کا احیا کیا۔ نیز قدیم علوم مثلاً طب، فلکیات اور ریاضی سے استفادہ کیا اور اِن کی اشاعت کے لیے بھرپور اقدامات کیے۔ اِس طرح سابقہ علوم ضائع ہونے سے بچ گئے اور مستقبل میں انسانی ترقی کے ضامن ثابت ہوئے۔

(۹) علم کی تجرباتی بنیاد

مسلم عہد حکومت سے قبل سائنس صرف ایک نظریاتی علم تھا۔ اِس کا تجربات اور تحقیق سے کوئی سروکار نہ تھا۔ مسلمانوں نے سائنس کو نظریہ کے ساتھ ساتھ تجربات کا علم بنانے کے لیے تجربہ گاہیں، رصد گاہیں اور ہسپتال قائم کیے۔ اِس طرح مسلمانوں نے علم کی تجرباتی بنیاد ڈالی جس نے آگے چل کر انسانیت کی ترقی کے لیے مفید سائنسی آلات اور ایجادات میں معاون کردار ادا کیا۔

(۱۰) اخلاقی تربیت کا اہتمام

اسلامی تہذیب نے علم کے ساتھ ساتھ اعلیٰ اخلاقی اقدار کی انسانی تربیت کا بھی اہتمام کیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اسلامی ریاست کے شہری سچائی، امانت داری، رواداری، ایفائے عہد، اُخوت، مساوات، عدل و انصاف اور اعلیٰ اخلاق جیسے اوصاف کے مالک بن گئے۔ مسلمانوں کی اِس اخلاقی تربیت نے یورپ اور دیگر مغربی دُنیا کو بھی متاثر کیا۔

3- اسلامی تہذیب وتمدن کے مذہبی وفکری اثرات

اسلامی تہذیب وتمدن نے دُنیا میں جو مذہبی وفکری اثرات مرتب کیے، اِس کے اہم نکات درج ذیل ہیں:

(۱) خدائے واحد کی بندگی

اسلام سے قبل لوگ آگ، دریا، سورج، چاند، ستاروں اور بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ اسلام نے لوگوں کو اِن چیزوں کو اصل حقیقت سے آگاہ کیا اور خدائے واحد کی بندگی کا درس دیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ لوگ ایک اللہ کی عبادت کرنے لگے اور اِن چیزوں کو انسان کی خدمت کے لیے پیدا ہوئی چیزیں تصور کرنے لگے۔

(۲) آزادیِ فکر

اسلام سے قبل لوگوں کو تحریر و تقریر اور فکر و نظر کی آزادی حاصل نہ تھی۔ اسلام نے لوگوں میں حریت فکر کا جذبہ پیدا کرتے ہوئے اُنھیں تحریر و تقریر اور فکر و نظر کی آزادی عطا کی، جس کی بدولت لوگوں میں شعور پیدا ہوا اور اُنھوں نے ہندوستان میں برہمن اور یورپ میں پوپ کی باطل قوتوں کو پارہ پارہ کر دیا۔

(۳) مذہبی و اصطلاحی تحریکیں

اسلام کی سنہری تعلیمات کی بدولت لوگ اسلام میں جوق در جوق داخل ہو رہے تھے تو ہندومت اور عیسائیت کے کچھ صاحب بصیرت لوگوں کو اپنے مذاہب کا وجود خطرے میں نظر آنے لگا تو اُنھوں نے اصلاحی تحریکیں شروع کیں۔ اِن میں یورپ میں عیسائی پروٹسٹنٹ تحریک اور ہندوستان میں بھگتی تحریک قابل ذکر ہیں۔ عیسائی پروٹسٹنٹ کے پیروکاروں کا عقیدہ تھا کہ توبہ اور اِلتجا صرف خدا کے سامنے کرنی چاہیے، پادریوں کے سامنے ایسا کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ اِسی

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

طرح بھگتی تحریک کو ماننے والے بت پرستی، شراب نوشی، جوابازی اور ذات پات کے سخت مخالف تھے اور توحید اور مساوات کے قائل تھے۔ اِس طرح اسلامی تہذیب نے دُنیا کے دیگر مذاہب میں بھی اِصلاحات کی داغ بیل ڈالی۔

4- اسلامی تہذیب وتمدن کے معاشرتی اور سماجی اثرات

اسلامی تہذیب وتمدن نے دُنیا پر جو معاشرتی اور سماجی اثرات مرتب کیے، اُس کے اہم نکات کا جائزہ درج ذیل ہے:

(۱) عظمت انسانی کا تصور

اسلام سے قبل انسان کو کوئی عزت و وقار حاصل نہ تھا۔ عیسائیت میں انسان کو پیدائشی گناہ گار قرار دیا جاتا تھا اور مریم کی مورتی کی پوجا کی جاتی تھی۔ اِسی طرح ہندومت میں انسان کو پیدائشی طور پر غلیظ قرار دے کر گائے کے گوبر اور پیشاب سے اُس کو پاک کیا جاتا تھا اور بتوں کے آگے جھکایا جاتا تھا۔ اِس کے برعکس اسلامی تہذیب میں انسان کو اشرف المخلوقات قرار دیا گیا۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **ولقد کرمنا بنی آدم** ''بے شک ہم نے انسان کو بزرگی بخشی ہے۔'' عظمت انسانی کے اِس اسلامی تصور نے واضح کیا کہ انسان کوئی گھٹیا مخلوق نہیں جو مظاہر فطرت اور دیگر مخلوقات کی اِطاعت کرے بلکہ یہ تمام چیزیں انسان کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہیں۔

(۲) عورت کی حیثیت میں اضافہ

اسلام سے پہلے عورت کی معاشرہ میں کوئی حیثیت نہ تھی۔ اُسے ذلیل، کم تر اور منحوس تصور کیا جاتا تھا۔ نیز بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جاتا تھا۔ اِس کے برعکس اسلام نے عورت کے حقوق کا تحفظ کر کے اُس کی معاشرتی حیثیت میں اضافہ کرتے ہوئے اُسے بلند مقام عطا کیا۔ مثلاً عورت کو وراثت میں حصہ دار بنایا، خاوند سے گزارہ نہ ہونے کی صورت میں خلع کا حق دیا، حقوق زوجیت کے عوض حق مہر کا حق دار ٹھہرایا اور عورت کی مرضی کے بغیر نکاح کو حرام قرار دیا۔

(۳) طہارت و پاکیزگی

اسلام سے قبل لوگوں میں طہارت و پاکیزگی کا کوئی خاص تصور نہ تھا۔ اسلام نے لوگوں کو وضو، غسل اور تیمم کے ذریعے پاک صاف رہنے کی ترغیب دی اور کپڑوں کو پاک صاف رکھنے پر زور دیا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھ اور گندگی سے دُور رہو۔''

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ''پاکیزگی نصف ایمان ہے''۔ یوں اسلام نے طہارت و پاکیزگی کے ذریعے صحت وصفائی، ذوق جمالیت اور حسن معاشرت کو پروان چڑھایا۔

5- خلاصۂ بحث

اسلامی تہذیب نے مغربی تہذیب پر کئی حوالوں سے اثرات مرتب کیے ہیں۔ اِس کی واضح وجہ اخلاقی اُصول ہیں۔ جس وقت تک ہم اخلاقی اُصولوں کی پاس داری کرتے تھے ہم بحیثیت مسلمان دُنیا پر حکمران بھی تھے اور دُنیا علمی، فکری اور معاشرتی سطح پر ہمارے اثرات کو قبول بھی کر رہی تھی۔ لیکن آج ہم جس عہد میں زندہ ہیں وہاں پر مسلمانوں کی اخلاقی صورت حال کافی دگرگوں ہے۔ مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب کی اصل جنگ اخلاقی اُصول ہیں۔ تہذیبوں کے تصادم کا نظریہ بھی اصل میں اخلاقی اُصولوں کی فتح وشکست کا نظریہ ہے۔ اخلاقی اعتبار سے جو تہذیب جتنی زیادہ مضبوط ہوگی وہی پوری دُنیا پر حکمرانی کرے گی۔ وہی تہذیب دُنیا کو نیو ورلڈ آرڈر دے گی۔ وہی تہذیب دُنیا کی امامت کی مستحق ہوگی کیونکہ ریاستیں چند اخلاقی اُصولوں پر قائم ہوتی ہیں، نشوونما پاتی ہیں اور اپنا نظام تشکیل دیتی ہیں۔ مغرب اپنی مادی ترقی کی وجہ سے آج دُنیا پر حکمرانی نہیں کر رہا بلکہ حکمرانی کے باب میں چند اخلاقی اُصول ہیں جن کی وہ پاس داری کرتا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ اس نے بہت سارے اخلاقی اُصولوں کی دھجیاں بھی بکھیری ہیں لیکن مغربی ممالک نے اِن اخلاقی اُصولوں کی خلاف ورزیاں اپنے ملکوں میں نہیں بلکہ باہر کی دُنیا کے حوالے سے کی ہیں۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

9- تزکیہ نفس کی کردار سازی میں اہمیت

1- تعارف

عربی زبان میں تزکیہ کا مفہوم کسی چیز کو صاف ستھرا بنانا، اس کو نشوونما دینا اور اس کو پروان چڑھانا ہے۔ اس بات کو مثال سے یوں سمجھ سکتے ہیں کہ تزکیہ کا عمل زمین کے ایک ٹکڑے پر بھی کیا جا سکتا ہے اور ایک انسان کے نفس پر بھی کیا جا سکتا ہے۔ اگرچہ ان دونوں چیزوں پر اس عمل کی صورت ظاہر میں مختلف ہوگی، اس لیے کہ میدان عمل الگ الگ ہیں، لیکن حقیقت اور مقصد کے لحاظ سے دونوں عملوں میں کوئی خاص فرق نہیں ہوگا۔

2- تزکیہ کا اصطلاحی مفہوم

تزکیہ کا اصطلاحی مفہوم "نفس کو غلط رجحانات و میلانات سے موڑ کر نیکی اور خدا ترسی کے راستہ پر ڈال دینا اور اس کو درجۂ کمال پر پہنچنے کے لائق بنانا ہے۔"

تزکیہ کا یہ اصطلاحی مفہوم خود قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہوتا ہے:

ترجمہ: "بیشک وہ شخص فلاح پا گیا جس نے اس (نفس) کو (رذائل سے) پاک کر لیا (اور اس میں نیکی کی نشوونما کی) اور بے شک وہ شخص نامراد ہو گیا جس نے اسے (گناہوں میں) ملوث کیا (اور نیکی کو دبا دیا)۔" (الشمس: 10-9)

3- علم تزکیہ کی وسعت

تزکیہ کے اس مقصد و مفہوم کو سامنے رکھ کر غور کیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جو علوم ہمارے نفس سے براہ راست بحث کرنے والے ہیں ان میں علم طب ہی ایک ایسا علم ہے جو تزکیہ کے علم سے کسی حد تک مشابہت رکھتا ہے۔ علم طب ہمارے جسم کی بیماریوں اور ان کے علاج سے بحث کرتا ہے اور علم تزکیہ ہماری روح کے امراض اور ان کے علاج سے بحث کرتا ہے۔ لیکن اس مشابہت کے باوجود دونوں میں بہت بڑا فرق بھی ہے۔ علم طب کا دائرۂ بحث نہایت محدود ہے۔ وہ صرف ہمارے نفس کے ایک پہلو یعنی جسم اور اس کے امراض سے بحث کرتا ہے۔ اس کے برعکس علم تزکیہ ہمارے نفس کے تمام ظاہری و باطنی گوشوں سے بحث کرتا ہے۔ ہمارا نفس جن جن قوتوں اور قابلیتوں سے بھی مرکب ہے، یہ ان سب پر تنقیدی نگاہ ڈالتا ہے اور ان سب کی تربیت کرتا ہے۔ ہمارے اندر جتنے احساسات و جذبات پائے جاتے ہیں، یہ سب کو زیر بحث لاتا ہے اور ان سب کی اصلاح کرتا ہے۔

4- انبیا کی بعثت کا مقصد اور تزکیہ نفس

اگر یہ سوال کیا جائے کہ انبیا علیہم السلام کی بعثت سے اللہ تعالیٰ کا حقیقی مقصود کیا ہے، وہ کیا غرض ہے جس کے لیے اس نے نبوت و رسالت کا سلسلہ جاری کیا اور شریعت اور کتابیں نازل فرمائیں؟ تو اس کا صحیح جواب صرف ایک ہی ہو سکتا ہے اور وہ یہ کہ نفوس انسانی کا تزکیہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبی کریم ﷺ کی بعثت کے لیے جو دعا فرمائی، اس میں آپ ﷺ کی بعثت کی اصلی غایت یہی بیان فرمائی ہے کہ آپ ﷺ لوگوں کا تزکیہ کریں:

ترجمہ: "اے ہمارے رب! تو ان میں سے ایک رسول مبعوث فرما، جو ان کو تیری آیتیں سنائے اور ان کو کتاب اور حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔ بے شک تو غالب اور حکمت والا ہے۔" (البقرہ: 129)

5- تلاوت آیات اور تعلیم کتاب کے ذریعے تزکیہ کا عمل

انبیا کی بعثت کا اصلی مقصد تو لوگوں کے نفوس کا تزکیہ ہی ہوتا ہے اور اسی نقطۂ نظر سے وہ اپنی تمام دعوتی اور اصلاحی سرگرمیوں کا آغاز کرتے ہیں، لیکن اس مقصد کی خاطر انھیں بہت سے ایسے کام بھی کرنے پڑتے ہیں جو اس مقصد کے حصول کا وسیلہ و ذریعہ ہوتے ہیں۔ اس کے لیے وہ اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔ اس کے لیے وہ کتاب اللہ کی تعلیم دیتے ہیں۔ اس کے لیے وہ حکمت کا درس دیتے ہیں۔ مگر مقصود ان سارے کاموں سے صرف تزکیہ ہوتا ہے جو شروع میں بھی ان کے پیش

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

نظر ہوتا ہے اور آخر میں بھی وہی ان کی تمام جدوجہد کی غایت بنتا ہے۔ چنانچہ اسی حقیقت کو واضح کرنے کے لیے مذکورہ بالا آیات میں سے ایک آیت میں اس کو نبی ﷺ کی تمام سرگرمیوں کے نقطۂ آغاز کی حیثیت سے نمایاں کیا ہے اور دوسری آیت میں اس کی غایت اور منتہیٰ کی حیثیت سے۔

6- اصلاحِ نفس کا طریقہ کار

غور کیجیے کہ نفس..... جس کو ہم عربی میں "انا" اور اردو میں "میں" سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیا کیا پہلو ہیں جن پر تزکیہ کا عمل واقع ہو سکتا ہے اور جن کے تزکیہ کے بغیر اس کا اپنی فطری صلاحیتوں کے مطابق پروان چڑھنا ناممکن ہے۔ ہم اپنے نفس پر جب غور کرتے ہیں تو سب سے پہلے اس کے جو پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں وہ دو ہیں:

(i) ایک یہ کہ ہمارا نفس ادراک کرتا ہے۔ (ii) دوسرا یہ کہ ہمارا نفس عمل کرتا ہے۔

ادراک ہمارے نفس کا اصلی جوہر ہے۔ یہ نہ ہو تو انسان اینٹ پتھر سے زیادہ وقعت دیے جانے کے لائق نہیں ہے۔ پھر یہ ادراک، جیسا کہ ظاہر ہے، صرف جزئیات ہی کا ادراک نہیں ہے بلکہ کلیات اور حقائق کا ادراک بھی ہے اور ہمارے نفس کی یہی وہ صفت ہے جو درحقیقت اس کو حیوانات سے ممتاز کرتی ہے ورنہ وہ ایک جانور سے زیادہ اہمیت دیے جانے کا مستحق نہ قرار پاتا۔ یہ کلیات کا ادراک اس کے لیے تفکر کی وسیع راہیں کھولتا ہے، اس سے اس کے تمام علوم وافکار اور تمام عقائد ونظریات وجود میں آتے ہیں، اسی کی مدد سے وہ ظاہر سے باطن اور مجاز سے حقیقت تک پہنچتا ہے۔ اسی کی رہنمائی میں وہ مخلوق سے خالق اور مصنوع سے صانع تک رسائی حاصل کرتا ہے، اسی کی روشنی میں وہ مصنوع (جس کو بنایا گیا) کو دیکھ کر صانع (اللہ تعالیٰ جو بنانے والا) کی صفات اور اس کی پسند اور ناپسند کا اندازہ کرتا ہے اور پھر اسی کی مدد سے وہ یہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس کے لیے زندگی کی صحیح روش کیا ہے اور اس پر بحیثیت ایک انسان کے کیا فرائض اور کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں؟ ان ذمہ داریوں کو اسے کس احساسِ مسئولیت اور کس مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ ادا کرنی چاہییں؟

7- خلاصۂ بحث

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ تزکیہ کوئی مفرد عمل نہیں ہے بلکہ اس کے اطراف دور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔ ہمارے نفس کا ہر گوشہ اور ہماری زندگی کا ہر پہلو..... خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی، عقلی ہو یا عملی، اخلاقی ہو یا اجتماعی وسیاسی..... اس کے تحت آتا ہے۔ ہمارے نفس کے تزکیہ کے معنی صرف یہ نہیں ہیں کہ اس کے کسی ایک گوشہ میں اجالا ہو گیا بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے ہر گوشہ میں روشنی پھیل گئی، ہمارا علم بھی جگمگا اٹھا، ہمارا عمل بھی پاکیزہ ہو گیا اور ہمارے تعلقات ومعاملات بھی درست ہو گئے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

10- اسلامی سیاسی نظام، خصوصیات اور دیگر نظاموں سے اتفاقات واختلافات

1- تعارف

اسلام کا سیاسی نظام شورائیت پر مبنی ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''اے حبیب (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم)! معاملات میں مسلمانوں سے مشورہ کیجیے۔'' اسلامی سیاسی نظام میں حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اِنسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ اسلام کا سیاسی نظام اپنے ڈھانچے (سٹرکچر) میں خلافت پر مبنی ہے۔ اُصولوں کے اعتبار سے چار اہم اُصول ہیں جو چاروں خلفا کی خوبیوں کو جمع کیا جائے تو حاصل ہوتے ہیں۔ جن کی طرف علامہ اقبال نے اپنے اِس شعر میں اشارہ کیا ہے:

سبق پھر پڑھ، صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دُنیا کی امامت کا

جہاں تک مغربی جمہوریت کا تعلق ہے تو یہ اسلام کے نظام خلافت کے اُصولوں میں کہیں اسلامی نظام سے مطابقت کی حامل ہے اور کہیں یہ دونوں نظاموں میں تضاد ہے۔ مغربی جمہوریت میں اقتدار کا سرچشمہ عوام ہے جب کہ اسلامی خلافت میں اقتدار کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ مغربی جمہوری نظام میں پارلیمنٹ کوئی بھی قانون سازی کرسکتی ہے جب کہ اسلامی کے سیاسی نظام میں پارلیمنٹ قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں کرسکتی۔ پاکستان ایک جمہوری ریاست نہیں بلکہ اسلامی جمہوری ریاست ہے۔ جس میں حکمران جہاں پر اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہیں وہاں پر عوام کے سامنے بھی جواب دہ ہیں۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ پاکستان میں سیاسی نظام کو مزید ریاستِ مدینہ کے اُصولوں کے مطابق بنایا جائے۔

2- اقتدارِ اعلیٰ کا تصور

اسلام کے سیاسی نظام میں حقیقی اقتدار ''اللہ تعالیٰ'' کے پاس ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مالک وخالق ہے، وہی سجدے کے لائق ہے اور تمام اختیارات اسی کے پاس ہیں۔ اس کا کوئی شریک نہیں، وہ جیسے چاہے حکم دے سکتا ہے اور اُس سے بہتر کسی کا حکم کیسے ہوسکتا ہے؟ اس حوالے سے اِرشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا (المائدۃ: 50)

ترجمہ: ''اور کون ہے جو اللہ تعالیٰ سے بہتر فیصلہ کرے۔''

''اقتدارِ اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے'' یہ تصور مغربی جمہوریت کے اُس تصور کی نفی کرتا ہے کہ جس میں اقتدارِ اعلیٰ عوام کے پاس ہے۔ مغربی جمہوریت میں حکمران عوام کے سامنے جوابدہ ہیں جب کہ اسلامی جمہوریت میں حکمران عوام کے سامنے بھی اور اِس سے بڑھ کے اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہ ہیں۔ مغربی جمہوریت میں عوام ریاست کے اداروں کے سامنے تو جوابدہ ہے اللہ تعالیٰ کے سامنے نہیں۔ جب کہ اسلام کے سیاسی نظام میں عوام اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی جواب دہ ہے اور ریاستی اداروں کے سامنے بھی۔ مغرب میں اقتدارِ اعلیٰ کے جدید تصور کو سولہویں صدی کے فرانسیسی مفکر ''ژین بودین'' (Jean Bodin) نے پروان چڑھایا، جب وہ فرانس کے بادشاہ کا اقتدار جاگیرداروں پر ثابت اور نافذ کرنا چاہتا تھا۔ اقتدارِ اعلیٰ کے فلسفہ کی مزید تشریح، امریکہ کے اعلان آزادی (1776ء) اور پھر انقلاب فرانس (1789ء) کے بعد فرانسیسی آئین (1791ء) کے ذریعے حاصل ہوئی۔ اس کے خواص مستقل طور پر یہ طے کردیے گئے، جو آج تک ہر صورت میں مانے اور منوائے جاتے ہیں۔ اِس حوالے سے درج ذیل حوالہ اہم ہے:

Sovereignty is one, indivisible, unalienable and imprescriptible it belongs to the nation no group can attribute sovereignty to itself nor can an individual arrogate it to himself.

''اقتدارِ اعلیٰ یکتا ہوتا ہے، ناقابل تقسیم، ناقابل انتقال اور اٹل۔ یہ قوم کی ملکیت ہے، کوئی فرد، اس کو اپنے نام کرسکتا ہے نہ کوئی گروہ اِسے اپنے ساتھ منسوب کرسکتا ہے۔''

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

جمہوری طرزِ عمل کے اس پہلو کا فکری پس منظر یہ تصور ہے کہ انسان خود ہی معیارِ خیر و شر ہے۔ یعنی یہ کہ وہ خود یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ صحیح کیا ہے اور غلط کیا ہے؟ جائز اور ناجائز کیا ہے؟ یہ تصور دراصل، قدیم یونان کے سوفسطائی فلاسفہ نے پیش کیا تھا کہ 'آدمی ہر چیز کا پیمانہ ہے، چیزوں کی اصل وہی ہوتی ہے جیسی کہ وہ کسی انسان کی نظر میں ہوتی ہیں۔'

Things are for each man what they seem to each man...Man is the measure of all things

[Greek Political Theory,(London,1967)]

سولہویں صدی عیسوی میں، جب یونانی افکار کا مغرب میں احیا ہوا تو یہی فلسفہ، یورپی نشاۃ ثانیہ (Renaissance) کا روحِ رواں بنا۔ نشاۃ ثانیہ کا مرکزی نقطہ 'انسانیت پسندی' یا 'انسانیت پرستی' Humanism تھا۔ جس سے اس سوچ نے فروغ پایا کہ انسان کو اپنے بنیادی فیصلے خود کرنے کا اختیار حاصل ہونا چاہیے اس سلسلہ میں پوپ یا بادشاہ کا کوئی کردار تسلیم نہیں۔ اس فلسفے نے کائنات میں انسان کے وجود اور اس کے مقام کا نئے سرے سے تعین کیا اور کائنات کی حقیقتوں سے، اس کے رشتوں کی تشریح از سرِ نو کی گئی۔ اس کہانی کا خلاصہ "ایڈورڈ میکسینی" (Edward Mchesney) نے یوں بیان کیا ہے:

"For the renaissance, on the other hand, man is more important than God, and man's relations to his fellows more important than his soul's relation to the deity." [Edward McCheseny, Masters of Political Thought, London,1947]

"نشاۃ ثانیہ کے سائے میں، انسان خدا کے مقابلے میں زیادہ اہم قرار پایا اور آدمی کے اپنے ہم جنسوں سے تعلقات زیادہ اہم ہو گئے بہ نسبت اُس کے، خدا کے ساتھ روحانی تعلق کے۔"

3- انسان اللہ تعالیٰ کا نائب

انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ہے۔ اسلام کے سیاسی نظام میں اِس کے لیے جو اصطلاح استعمال ہوتی ہے وہ "خلیفہ" کی ہے۔ قرآن مجید میں تخلیقِ آدم کا بیان تفصیل سے آیا ہے۔ اس حوالے سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً (البقرۃ:30)

ترجمہ: "اور جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔"

درج بالا آیت کے سیاق و سباق سے واضح ہوتا ہے کہ جہاں پر پہلے انسان کی بعثت کا بیان ہے وہاں پر اُس کے مقام کا تعین بھی ہے۔ اِس آیت کی تفسیر میں سید مودودی رقم طراز ہیں:

"خلیفہ: وہ جو کسی کی ملک میں اس کے تفویض کردہ اختیارات اس کے نائب کی حیثیت سے استعمال کرے۔ خلیفہ مالک نہیں ہوتا، بلکہ اصل کا نائب ہوتا ہے۔ اس کے اختیارات ذاتی نہیں ہوتے، بلکہ مالک کے عطا کردہ ہوتے ہیں۔ وہ اپنے منشا کے مطابق کام کرنے کا حق نہیں رکھتا، بلکہ اس کا کام مالک کے منشا کو پورا کرنا ہوتا ہے۔ اگر وہ خود اپنے آپ کو مالک سمجھ بیٹھے اور تفویض کردہ اختیارات کو من مانے طریقے سے استعمال کرنے لگے، یا اصل مالک کے سوا کسی اور کو مالک تسلیم کر کے اس کے منشا کی پیروی اور اس کے احکام کی تعمیل کرنے لگے، تو یہ سب غداری اور بغاوت کے افعال ہوں گے۔" (مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، ج ۱، ص 62، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور)

خلیفہ اور خلافت کا مندرجہ بالا مفہوم اس حدیث سے بھی ماخوذ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا: "بنی اسرائیل کی سیادت انبیا کرتے تھے۔" یہ مفہوم ان قرآنی آیات سے بھی مطابقت رکھتا ہے جن میں بعض انبیا کی خلافت (زمین میں ریاستی حاکمیت) کا باقاعدہ ذکر ہے۔ اس سلسلہ میں خاص طور سے قابلِ ذکر داؤد علیہ السلام کی خلافت سے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: "اے داؤد! ہم نے تمھیں زمین میں خلیفہ مقرر کیا ہے پس آپ لوگوں کے درمیان سچائی کا فیصلہ کیجیے اور نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کیجیے"

خلافت بمعنی نیابتِ الٰہی کے اولین مصداق انبیائے کرام ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت، امامت اور اپنی نیابت کے لیے منتخب کیا۔ قرآن مجید کے اعلان کے مطابق سلسلۂ نبوت نبی کریم ﷺ پر ختم ہو چکا ہے۔ جہاں تک اہلِ ایمان کا تعلق ہے اللہ تعالیٰ انھیں اقتدار عطا کرتا رہے گا۔ جب کہ مغربی جمہوریت میں ریاست کا سربراہ اللہ تعالیٰ کی نیابت کا دعویٰ نہیں کرتا بلکہ وہ عوام کا نمائندہ کہلاتا ہے۔ جدید جمہوری نظام میں اِس حیثیت کے لیے صدر یا وزیرِ اعظم کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

4- قرآن وسنت کے خلاف قانون سازی کی ممانعت

اسلامی سیاسی نظام میں کوئی بھی قانون قرآن وسنت کے خلاف منظور نہیں کیا جاسکتا۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو ایسے نظام کے پاس اسلامی سیاسی نظام کہلانے کا کوئی جواز نہیں رہتا۔ جدید جمہوری نظام نے دستور سازی کا اختیار عوامی نمائندگان پر مشتمل پارلیمنٹ کو دیا ہے جس کے لیے ضروری ہے کہ وہ عوام کی خواہشات اور مفادات کی مطابقت میں ہو..... دستور، عوامی فلاح و بہبود، معاشی وسماجی انصاف اور امن وامان، بنیادی حقوق اور شہری آزادیوں کے تحفظ کی ضمانت فراہم کرتا ہو، تاکہ عوام کے اقتدار اعلیٰ کا عملی اظہار ہو سکے اور وہ مقصد پورا ہو، جس کے لیے عوام اپنی حکومت منتخب کرتے ہیں۔ جدید مغربی جمہوریت دیگر سیاسی روایات کی طرح، آئین و دستور کے لحاظ سے بھی اپنی تاریخ کو یونان وروما سے ماخوذ مانتی ہے۔ ارسطو نے چوتھی صدی قبل مسیح میں غالباً پہلی دفعہ، عام قوانین اور ریاست کے آئین ودستور کا فرق واضح کیا۔ اس کے مطابق آئین، ریاست کے مختلف اداروں کی تنظیم اور ان کے باہمی ربط کے قواعد اور دائرہ کردار کے اُصول کا مجموعہ ہوتا ہے۔

5- مجلس مشاورت

اسلام کے سیاسی نظام کی ایک خصوصیت مجلس مشاورت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران:159)

ترجمہ: ''اور اپنے کاموں میں ان سے مشاورت کرلیا کریں۔''

ڈاکٹر مستفیض احمد علوی اس حوالے سے رقم طراز ہیں:

''قرآنِ کریم نے قدیم بادشاہوں کے ذکر میں ایسے ادارے یا مجلس کو 'ملاء قوم' کے نام سے یاد کیا ہے۔ ایران کی قدیم سلطنت میں اس کا نام مجلس بزرگان (Elder Council) اور یونان میں ''مجلس پنج صد'' کے نام سے اس کے وجود کا ثبوت ملتا ہے اور آج کل کے دور میں یہی ادارہ پارلیمنٹ (Parliament) کہلاتا ہے۔ (یہ لفظ لاطینی کے لفظ parliamentum سے ماخوذ ہے)۔ پارلیمنٹ دراصل عوامی ایوان نمائندگان ہوتا ہے، جس کا ارتقا بارہویں صدی عیسوی سے شروع ہوا۔ آج کل اس ادارے کے ممبران، بذریعہ انتخابات Election عوامی اکثریتی رائے Vote کی بنیاد پر منتخب ہوتے ہیں۔'' (جدید سیاسی افکار کا تجزیہ، ص37)

ڈاکٹر حمید اللہ اسلام کے نظام میں مشاورت کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''مشاورت کی اہمیت اور افادیت پر جتنی بھی بات کی جائے کم ہے۔ قرآن مجید میں (3:159,27:32,42:38,47:21) مسلمانوں کو بار بار حکم دیا گیا ہے کہ فیصلہ کرنے سے پہلے مشاورت کرو چاہے سرکاری معاملہ ہو یا نجی۔ رسول اکرم ﷺ کا معمول بھی اس قرآنی حکم کی تائید کرتا ہے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہونے والی وحی کی شکل میں ملنے والی رہنمائی کے باوجود کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قبل صحابہ کرامؓ اور حلیف قبائل کے نمائندوں سے مشاورت کرتے تھے اور خلفائے راشدین بھی مشاورتی اداروں کے پرجوش حامی تھے۔ اس حوالے سے بھی قرآن کوئی حتمی یا فوری طریقہ تجویز نہیں کرتا۔ یعنی منتخب ادارے کے ارکان کی تعداد، دورانیہ اور طریق انتخاب وغیرہ کے معاملات ہر دور اور ملک کے قائدین کی صوابدید پر چھوڑ دیے گئے جو چیز اہمیت کی حامل ہے وہ یہ ہے کہ حکمران کے معاونین نمائندہ شخصیات ہوں جنھیں ان لوگوں کا اعتماد حاصل ہو، جن کی وہ نمائندگی کرتے ہیں اور اعلیٰ کردار کے مالک ہوں۔'' (اسلام کیا ہے؟، ص167)

اسلامی سیاسی نظام میں بھی مغربی جمہوریت کی طرح ریاست کے معاملات میں لوگوں کی شراکت کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، لیکن ان میں دو بڑے فرق ہیں۔ اوّل یہ کہ اسلامی نظام حکومت میں پارلیمان کی مکمل خودمختاری کا کوئی تصور نہیں، کیونکہ یہاں پارلیمان یا شوریٰ اللہ تعالیٰ کی حکومت یا فرمانِ الٰہی کے تابع ہے۔ مغربی پارلیمانی جمہوریت میں منتخب نمائندوں کو معاشرے سے متعلق جملہ امور ومسائل پر بحث کرنے اور فیصلہ کرنے کا مکمل حق اور اختیار حاصل ہے، حتیٰ کہ ان اساسی اقدار کے بارے میں بھی جو صدیوں سے منظور شدہ ہیں، انھیں بھی تبدیل کیا جاسکتا ہے۔ اِسی اُصول کے تحت بعض مغربی پارلیمانوں نے ہم جنسی کے غیر فطری عمل کو جسے معاشرے میں ناقابل قبول تصور کیا جاتا تھا' اب منتخب پارلیمان کے منظور شدہ قانون کے تحت اسے قانونی تحفظ فراہم کر دیا گیا ہے اور اسے ایک عام معاشرتی قدر قرار دیا گیا ہے۔ اسلامی معاشرے میں فرمان الٰہی کے ذریعے پہلے سے اقدار قائم، مروّج اور طے شدہ ہیں اور کسی منتخب نمائندے یا حکومت کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ رائے شماری یا اکثریتی ووٹ کے ذریعے ان میں ترمیم وتنسیخ کرسکیں۔ اقبال کے ذیل کے اشعار اسلامی نظریے کی اِس روح کو ظاہر کرتے ہیں:

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری

''بادشاہی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، حقیقی حکمران وہی ہے باقی دُنیاوی بادشاہ آزر (ابراہیم علیہ السلام کا چچا جو کہ بت پرست تھا) کے خودساختہ بنائے ہوئے بت ہیں۔''

6- خلیفہ کے انتخاب میں ووٹ کی اہلیت

ایک اور بڑا فرق انتخابی اداروں اور منتخب نمائندگان، دونوں کی شرائط کار کے بارے میں ہے۔ اسلامی سیاسی نظام میں ووٹ دینے کا اہل کون ہوگا؟ مغربی جمہوری نظام میں ووٹ دینے کا اہل وہ ہے جو بالغ ہے جب کہ اسلامی سیاسی نظام میں ووٹر کا صائب الرائے (صحیح رائے رکھنے والا) ہونا ضروری ہے۔ اُس کے لیے معلومات عامہ اور تعلیم ازبس ضروری ہے۔ لہٰذا رائے دہندہ جو انتخابی عمل میں حصہ لے گا اُس کی ذہنی استعداد لازمی اور بنیادی بات ہے اور یہ اسلامی جمہوریت کا اہم جزو ہے۔ جمہوری افراد کا طرزِ عمل جو بغیر کسی تعلیمی پس منظر، ذہنی و عقلی معیار کے بجائے محض عمر پر مبنی ہو (یعنی بالغ رائے دہی پر) اقبال کے نزدیک بھی قابل قبول نہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار میں صاف لفظوں میں اُنھوں نے اِس کی صراحت کردی ہے:

جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

(جمہوریت۔ ''ضرب کلیم)

مغربی جمہوریت کے بارے میں اقبال کا یہ واضح اختلاف جو اوپر کے اشعار میں بیان ہوا ہے زیادہ تر انھیں دو اعتراضات پر مبنی ہے۔ حقیقت، میں اقبال ایک خلیفہ یا ملوک (بادشاہ) کے بجائے ''مجلس کبیر'' (پارلیمنٹ جو اسلام کے اُصولوں کے مطابق ہو) کے جامع فیصلوں سے متفق نظر آتے ہیں۔ اُنھوں نے واضح طور پر اس کا اظہار اپنے خطبات ''تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ'' میں کیا ہے:

''اس سلسلے میں سب سے پہلے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ منصب خلافت کیا کسی فرد واحد کا حق ہے؟ ترکوں کا اجتہاد یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کی رُو سے تو اس منصب کو افراد کی جماعت یا کسی منتخب شدہ مجلس کے سپرد ہی کیا جاسکتا ہے۔ اب جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے ہندوستان اور مصر کے علما نے اس سلسلے میں ابھی تک کوئی رائے ظاہر نہیں کی۔ اپنی ذاتی حیثیت سے البتہ میرا خیال ہے کہ ترکوں کا یہ نقطۂ نظر سرتاسر درست ہے، اتنا درست کہ اس کی تائید میں کسی دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ اس لیے کہ ایک تو جمہوری طرز حکومت اسلام کی روح کے عین مطابق ہے۔ ثانیاً اگر ان قوتوں کا بھی لحاظ رکھ لیا جائے جو اس وقت عالم اسلام میں کام کر رہی ہیں تو یہ طرز حکومت اور بھی ناگزیر ہو جاتا ہے۔''

7- اسلام کا تصور امر بالمعروف ونہی عن المنکر

اسلامی سیاسی نظام میں حکمرانوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ چار چیزوں کو نافذ کریں۔ ۱۔ نماز کا قیام، ۲۔ زکوٰۃ کا قیام، ۳۔ نیکی کا حکم، ۴۔ برائی کی ممانعت۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ○ (الحج: ۴۱)

ترجمہ: ''اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، معروف کا حکم دیں گے اور منکر سے منع کریں گے۔ اور تمام معاملات کا انجام کار اللہ کے ہاتھ میں ہے۔''

اس حوالے سے سید مودودیؒ رقم طراز ہیں:

''یعنی اللہ کے مددگار اور اس کی تائید و نصرت کے مستحق لوگوں کی صفات یہ ہیں کہ اگر دُنیا میں انھیں حکومت و فرماں روائی بخشی جائے تو ان کا ذاتی کردار فسق و فجور اور کبر و غرور کے بجائے اقامت صلوٰۃ ہو، اُن کی دولت عیاشیوں اور نفس پرستیوں کے بجائے ایتائے زکوٰۃ میں صَرف ہو ان کی حکومت نیکی کو دبانے کے بجائے اُسے فروغ دینے کی خدمت انجام دے، اور ان کی طاقت بدیوں کو پھیلانے کے بجائے ان کے دبانے میں استعمال ہو۔ اس ایک فقرے میں اسلامی حکومت کے نصب العین اور اس کے کارکنوں اور کارفرماؤں کی خصوصیات کا جوہر نکال کر رکھ دیا گیا ہے۔ کوئی سمجھنا چاہے تو اسی ایک فقرے سے سمجھ سکتا ہے کہ اسلامی حکومت فی الواقع کس چیز کا نام ہے۔''

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

جہاں تک مغربی جمہوری نظام کا تعلق ہے تو انھیں ان میں سے کسی چیز سے سروکار نہیں۔

8- خلاصۂ بحث

اسلام کے سیاسی نظام کی درج بالا خصوصیات کو جب پاکستانی ریاست میں نافذ کرنے کے حوالے سے کوشش کی جاتی ہے تو تین طرح کے نقطۂ نظر سامنے آتے ہیں۔ ایک نقطۂ نظر سیکولر طبقات کا ہے، جو قرارداد مقاصد سے لے کر اب تک نفاذ اسلام کے لیے ہونے والے تمام اقدامات کو رد کرتا ہے اور ریاست میں مذہب کے اختیار کی کلی نفی کرتا ہے۔ دوسرا نقطۂ نظر متشدد گروہوں کا ہے کہ پاکستان میں نفاذ اسلام کے لیے پرامن دستوری اور آئینی جدوجہد ناکام ہو چکی ہے اور اب ہتھیار اٹھائے بغیر اس ملک میں نفاذ شریعت کی کوئی عملی صورت باقی نہیں رہی۔ جب کہ تیسرا نقطہ غالب دینی جماعتوں کا ہے جو اس نظام میں رہتے ہوئے ملک میں نفاذ اسلام کی جدوجہد کو لازم قرار دیتے ہیں اور ملک کے جمہوری نظام کو تسلیم کرتے ہیں۔ کسی بھی معاشرے میں آراء کا اختلاف ایک حسن ہوتا ہے مگر اپنی رائے کو بزور قوت مسلط کرنا معاشرے میں تصادم کو پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں مخالف کے نقطۂ نظر کو برداشت کرنے اور تحمل کے ساتھ مکالمہ کرنے کی قوت ناپید ہوتی جا رہی ہے۔ باہمی روابط، مکالمہ کا فروغ اور ایک دوسرے کی رائے کا احترام اس ریاست میں پائے جانے والے ابہامات اور امتیازات کو ختم کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

11- معاشی نظام کی خصوصیات اور سود کی حرمت

1- تعارف

دینِ اسلام نے زندگی کے ہر پہلو میں کامل راہنمائی فراہم کی ہے۔ تجارت اور خرید و فروخت کے تمام اُصولوں کو بھی شریعت میں بیان کیا گیا ہے۔ اسلام کے معاشی نظام کے راہنما اُصولوں میں چند اُصول نمایاں ہیں۔ جن میں حقیقی ملکیت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے، دولت کمانے کا یکساں حق، حلال ذرائع کا استعمال، حرام ذرائع کی ممانعت، سود، ذخیرہ اندوزی، رشوت، پبلک پراپرٹی پر قبضہ، چوری کا مال اور اسراف و تبذیر کی ممانعت کی گئی۔ اسلام کا معاشی نظام زکوٰۃ، عشر اور انفاق فی سبیل اللہ پر قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ نیک بندوں کی خصوصیت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ''اور جو ہم نے اُن کو رزق دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' اسلام کا معاشی نظام منصفانہ تقسیم دولت، جامع معاشی تصورات، افراط و تفریط سے پاک اور انسانیت کی حقیقی فلاح کا ضامن ہے۔ اسلام کا معاشی نظام نہ صرف انسان کے معاشی مسئلے کو حل کرتا ہے بلکہ اِس کے ساتھ انسان کی فکری آزادی کو بھی فروغ دیتا ہے۔ اسلام کا معاشی نظام سرمایہ دارانہ اور اشتراکیت پر مبنی نظام کے خلاف ایک معتدل اور متوازن نظام ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ اسلامی معاشی نظام کو عملاً کسی ایک سرزمین پر نافذ کیا جائے تاکہ دُنیا اُس کے صحیح نتائج سے بہرہ مند ہو سکے۔

2- اسلام کے اقتصادی نظام کے رہنما اُصول

انسان کی معاشی ضروریات پورا کرنے کے لیے اسلام کا تجویز کردہ نظام اِنتہائی مستحکم بنیادوں پر قائم ہے جو درج ذیل ہیں:

(۱) حقیقی ملکیت اللہ تعالیٰ کے لیے

اِس کائنات میں جو کچھ ہے اُس کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ جیسا کہ اُس کا ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔'' (البقرہ:284)

(۲) انسان اِس زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب

ترجمہ: ''اور وہی ہے جس نے تمھیں زمین میں نائب بنایا ہے۔'' (الانعام:165)

(۳) دولت کمانے کا یکساں حق

اسلام کے اقتصادی نظام میں یہ بھی بنیادی اُصول ہے کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کی زمین میں روزی کمانے کا یکساں حق ہے۔ کوئی کسی پر اِس حوالے سے جبر نہیں کر سکتا۔ قرآن مجید کی سورۃ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے تمھارے فائدے کے لیے پیدا کیا جو کچھ زمین میں ہے سارے کا سارا۔'' (البقرۃ:29)

(۴) رزق میں بعض کو بعض پر فضیلت

اسلام انسانوں کے اندر درجاتِ رزق میں تفاوت (برتری) کو تسلیم کرتا ہے اِس لیے کہ ہر انسان اپنی کوشش سے دوسرے پر سبقت حاصل کر سکتا ہے۔ اِس حوالے سے واضح ارشاد ہے:

وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى ○ (النجم:39)

ترجمہ: ''انسان کے لیے صرف وہی ہے جو اُس نے کوشش کی۔''

(۵) حلال ذرائع کا استعمال

اسلام کے اقتصادی نظام کا یہ بہت اہم اُصول ہے کہ دولت کمانے میں کوئی حرام ذریعہ استعمال نہ ہو کیونکہ شریعت میں حرام کمائی کی قطعی ممانعت ہے۔ اِس

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

لیے چوری، رشوت، بت تراشی، ذخیرہ اندوزی، عصمت فروشی، جوا، سود اور نشہ آور اشیا کا بیچنا اور اِس جیسے دولت کمانے کے غلط ذرائع کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا (البقرہ:168)

ترجمہ: ''اے لوگو! زمین میں حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔''

(۶) انفاق فی سبیل اللہ کا حکم

ایک اہم اُصول اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور جو ہم نے اُن کو رزق دیا ہے اُس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' (البقرہ:3)

(۷) حرام ذرائع کی ممانعت

اِس سے زیادہ سخت بات اور کیا ہوگی کہ حرام ذرائع سے کمائی ہوئی دولت سے صدقہ بھی نہیں دیا جاسکتا۔ حرام ذرائع میں سے چند بڑے ذرائع کے حوالے سے ارشاداتِ الٰہیہ درج ذیل ہیں:

(i) سود کی ممانعت

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً (آل عمران:130)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! سود دوگنا چوگنا کر کے نہ کھاؤ۔''

(ii) ذخیرہ اندوزی کی ممانعت

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (التوبہ:34)

ترجمہ: ''اور وہ لوگ جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اُسے اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے، اُنھیں دردناک عذاب کی وعید سناؤ۔''

(iii) باطل طریقے سے مال کھانا (رشوت)

سورۃ البقرہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ الخ (البقرہ:188)

ترجمہ: ''اور آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ۔''

(iv) پبلک پراپرٹی پر قبضہ

سورۃ آلِ عمران میں ارشاد ہے:

ترجمہ: ''اور جو کوئی خیانت (پبلک کے مال پر قبضہ) کرے وہ اپنے خیانت کیے ہوئے مال سمیت قیامت کے روز حاضر ہوگا۔'' (آلِ عمران:161)

(v) چوری کا مال

سورۃ المائدہ میں ارشاد ہے:

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا (المائدہ:38)

ترجمہ: ''چوری کرنے والے مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔''

(vi) فحش تصاویر شائع کر کے مال کمانا

اِس حوالے سے سورۃ نور میں ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (النور:19)

ترجمہ: ''بلاشبہ جو لوگ چاہتے ہیں کہ ایمان والوں میں فحاشی کی اشاعت ہو اُن کے لیے دُنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔''

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(vii) اسراف وتبذیر کی ممانعت

بے جا خرچ کرنا یا بہت زیادہ کنجوسی کرنا دو انتہائیں ہیں۔ اسلام اِن دونوں کی نفی کرتا اور میانہ روی کا درس دیتا ہے۔ سورۃ الاعراف میں ارشاد ہے:

ترجمہ: ''کھاؤ، پیو اور حد سے نہ بڑھو۔'' (الاعراف: 30)

ترجمہ: ''اور بے جا خرچ نہ کرو۔'' (بنی اسرائیل: 26)

(viii) گردشِ دولت کا فروغ

اسلام کے اقتصادی نظام کا ایک اہم اُصول یہ بھی ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز نہ رہے بلکہ گردش کرتی رہے۔ جیسا سورۃ الحشر میں ارشاد ہے:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةً بَيْنَ الْاَغْنِيَآءِ مِنْكُمْ (الحشر: 7)

ترجمہ: ''ایسا نہ ہو کہ دولت تمھارے مال داروں کے درمیان گردش کرتی رہے۔''

3- دورِ جدید میں اِقتصادی اُصولوں کے نفاذ کی صورت

جہاں تک اِن اُصولوں کے نفاذ کا تعلق ہے تو یہ واضح ہے کہ اگر ارادہ پختہ ہو تو راستہ ضرور نکل آتا ہے۔ پاکستان میں اسلامی نظریاتی کونسل نے اِس حوالے سے کافی کام کیا ہے۔ علما نے اپنے طور پر بھی اِن اُصولوں کے عملی نفاذ کے لیے روشن راستوں کی طرف رہنمائی کی ہے۔ جہاں تک پہلے اُصول کا تعلق ہے کہ ملکیتِ حقیقی اللہ رب العزت کے لیے ہے اور انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا نائب ہے تو اِس اُصول کا تعلق معاشرتی نفاذ سے زیادہ انفرادی و شخصی ہے یعنی ایک شخص کو اسلامی طرزِ معیشت میں دین کے اخلاقی نظام کی پابندی کرنا ہے کیونکہ انسان مالک ارض و سما کا نمائندہ ہے اور یہ اُس پر لازم ہے کہ وہ مالک کی رضا اور خواہش پر عمل کرے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا یہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز ہو کر نہ رہ جائے۔ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ من پسند لوگوں کو ہی کاروبار کے لیے Level-playing Field مہیا نہ کرے بلکہ تمام افرادِ معاشرہ کے لیے یکساں سہولیات فراہم کرے۔ اِس کے علاوہ ایک فرد کی بھی ذمہ داری ہے کہ وہ دولت پر سانپ بن کر نہ بیٹھ جائے بلکہ اُس میں دیگر افرادِ معاشرہ کی ضروریات پوری کرنے کی کوشش کرے۔ حلال ذرائع کے فروغ اور حرام ذرائع کو روکنے کے لیے کسی فلسفے اور منطق کی ضرورت نہیں بلکہ قانون میں یہ چیزیں موجود ہیں۔ اگر اخلاص کے ساتھ تمام ذخیرہ اندوزوں، شراب بیچنے والوں، چوری کرنے والوں اور ڈکیتوں کے خلاف کارروائی کی جائے اور یہ سب کے خلاف یکساں (Across the board) ہو تو یقیناً معاشی انقلاب آسکتا ہے۔

4- معاشی نظام کے نفاذ کا دیگر نظاموں سے تعلق

نفاذِ اسلام کی کوشش میں یہ غلطی عموماً ہوتی ہے کہ اسلامی نظام کے ہر پہلو کو ایک الگ نظام کے طور پر نافذ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو ناکام ہو جاتی ہے جب کہ اسلام کا معاشی نظام، عظیم اسلامی نظام کا ایک پہلو ہے جسے دیگر سیاسی، معاشرتی، قانونی اور اخلاقی نظاموں کے ساتھ بیک وقت نافذ کرنا ہوگا ورنہ یہ اپنا اثر نہ دے گا۔ اِس حوالے سے سید ابوالاعلیٰ مودودی رقم طراز ہیں:

> ''سوال یہ ہے کہ اسلام کے نزدیک معاشی، سیاسی، معاشرتی اور مذہبی نظام کا آپس میں کیا تعلق ہے؟ جواب یہ ہے کہ بالکل ویسا ہی تعلق ہے جیسا جڑ سے تنے کا اور تنے سے شاخوں کا اور شاخوں سے پتوں کا ہوتا ہے۔ ایک ہی نظام ہے جو خدا کی توحید اور رسولوں کی رسالت پر ایمان سے پیدا ہوتا ہے۔ اِسی سے اخلاقی نظام بنتا ہے۔ اِسی سے عبادات کا نظام بنتا ہے جس کو آپ مذہبی نظام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اِسی سے معاشرتی نظام نکلتا ہے۔ اِسی سے سیاسی نظام نکلتا ہے۔ یہ ساری چیزیں ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ اگر آپ خدا اور اُس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں اور قرآن کو خدا کی کتاب مانتے ہیں تو آپ کو لامحالہ وہی اخلاقی اُصول اختیار کرنے پڑیں گے جو اسلام نے سکھائے ہیں اور وہی سیاسی اُصول اختیار کرنے پڑیں گے جو اسلام نے آپ کو دیے ہیں۔ اِسی کے اُصولوں پر آپ کو اپنی معاشرت کی تشکیل کرنی ہوگی اور اِسی کے اُصولوں پر اپنی معیشت کا سارا کاروبار چلانا ہوگا۔ جس عقیدے کی بنا پر آپ نماز پڑھتے ہیں اُسی عقیدے کی بنا پر آپ کو تجارت کرنی پڑے گی۔ جس دین کا ضابطہ آپ کے روزے اور حج کو منضبط کرتا ہے اُسی دین کے ضابطے کی پابندی آپ کو اپنی عدالت میں بھی کرنی ہوگی اور اپنی منڈی میں بھی۔ اسلام میں مذہبی نظام، سیاسی نظام، معاشی نظام اور معاشرتی نظام الگ الگ نہیں ہیں بلکہ ایک ہی نظام کے مختلف شعبے اور اجزا ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ پیوستہ بھی ہیں اور ایک دوسرے سے طاقت بھی حاصل کرتے ہیں۔ اگر توحید و رسالت اور آخرت کا عقیدہ موجود نہ ہو اور اِس سے پیدا ہونے والے اخلاق موجود نہ ہوں تو اسلام کا معاشی نظام بھی قائم نہیں ہو سکتا اور قائم کیا بھی جائے تو چل نہیں سکتا۔ اِسی طرح اسلام کا سیاسی نظام بھی نہ قائم ہو سکتا ہے نہ چل سکتا ہے کیونکہ اسلام جو سیاسی نظام دیتا ہے اُس کی بنا ہی

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اِس عقیدے پر رکھی گئی ہے کہ خدا حاکم اعلیٰ ہے، رسول ﷺ اُس کا نمائندہ ہے، قرآن اُس کا واجب الاطاعت فرمان ہے اور ہم کو آخر کار اپنے اعمال کی جواب دہی خدا کے سامنے کرنی ہے۔ پس یہ خیال کرنا ہی سرے سے غلط ہے کہ اسلام میں کوئی سیاسی یا معاشی نظام مذہبی اور اخلاقی نظام سے الگ اور بے تعلق بھی ہو سکتا ہے۔ جو شخص اسلام کو جانتا ہو اور جان کر اُسے مانتا ہو وہ کبھی اِس بات کا تصور تک نہیں کر سکتا کہ مسلمان ہوتے ہوئے اُس کی سیاست اور معیشت یا اُس کی زندگی کا کوئی شعبہ اُس کے مذہب سے جُدا ہو سکتا ہے یا سیاست و معیشت اور عدالت و قانون میں اسلام سے آزاد ہو کر یا اسلام کے سوا کوئی دوسرا نظام اختیار کر کے، صرف ''مذہبی'' اُمور میں اِس کی پیروی کرنے کا نام بھی اسلامی زندگی ہے۔'' (معاشیات اسلام، ص 162-163)

5۔ اسلام کے اقتصادی نظام کی خوبیاں

جیسا کہ درج بالا اقتباس سے واضح ہے کہ اسلام کا اقتصادی نظام تنہا کوئی بڑے نتائج پیدا نہیں کر سکتا جب تک دیگر نظاموں کے ساتھ اِسے مربوط نہ کیا جائے۔ اگر اسلام کے اقتصادی نظام کو دیگر نظاموں کے ساتھ ملا کر نافذ کیا جائے تو اِس میں جو نمایاں خوبیاں نظر آتی ہیں وہ درج ذیل ہیں:

(۱) انسانیت کی حقیقی فلاح کا ضامن نظام

اسلام کے علاوہ دُنیا کے دیگر نظام ہائے معیشت صرف مادی جب کہ اسلامی نظامِ معیشت دین و دُنیا دونوں کے مفاد کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔ دیگر نظاموں میں مادی ضروریات جب کہ اسلامی نظام میں اللہ تعالیٰ کے احکامات کی روشنی میں مادی کے ساتھ ساتھ رُوحانی ضروریات بھی پوری کرنا مقصود ہے۔ اِس طرح اِن سے نہ صرف جسمانی بلکہ رُوحانی تسکین بھی حاصل ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک شخص جو کچھ اپنے بیوی بچوں پر خرچ کرتا ہے وہ اُس کی جبلی فطرت کا حصہ ہے مگر ایک مسلمان کے لیے یہی عمومی عمل ثواب کا باعث بھی ہے۔

(۲) جامع معاشی تصورات کا حامل نظام

اسلامی نظامِ معیشت میں سرمایہ دارانہ نظام کی طرح دولت نہ تو چند ہاتھوں میں جمع ہو جاتی ہے اور نہ ہی کمیونزم کی طرح پھیل جاتی ہے جس میں انسان کسی چیز کا مالک نہیں رہتا اور اُس کی فطری خواہشات کا قلع قمع ہو جاتا ہے بلکہ اسلام ایک ایسا جامع نظام ہے جس میں نہ تو دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر رہ جاتی ہے اور نہ ہی وہ اشتراکیت کی طرح خالی ہاتھ ہو جاتا ہے۔

(۳) فقر و فاقہ سے نجات کا نظام

فقر و فاقہ سے حقیقی معنوں میں نجات، اسلام جیسے نظام سے ہی ہو سکتی ہے جس میں اِستحصال کی کوئی گنجائش نہیں۔ اِس حوالے سے بہت خوب صورت ارشادِ رسول ﷺ موجود ہے:

كَادَ الْفَقْرُ أَنْ يَّكُونَ كُفْرًا (الحدیث)

ترجمہ: ''قریب ہے کہ غربت کفر تک پہنچا دے۔''

(۴) افراط و تفریط سے پاک نظام

اسلام نہ تو بخل کی اجازت دیتا ہے اور نہ ہی فضول خرچی کی بلکہ اِن دونوں کے درمیان رہنے کی تاکید کرتا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ایک اہم اُصول بیان ہوا:

خَيْرُ الْأُمُورِ أَوْسَطُهَا (الحدیث)

ترجمہ: ''اُمور میں درمیانہ راستہ اختیار کرنے میں بھلائی ہے۔''

(۵) منصفانہ تقسیم دولت کا نظام

دیگر نظاموں میں منصفانہ تقسیم دولت کا نظام اسلام کی طرح ادارہ جاتی شکل میں موجود نہیں۔ جیسے ہمارے ہاں وراثت کا نظام، بیت المال اور اوقاف کا نظام، زکوٰۃ و انفاق کا نظام۔ اِن سب سے بڑھ کر حلال و حرام کے ضوابط ہمارے ہاں قانونی شکل میں موجود ہیں۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(۶) کاروبار کرنے میں آزادی فراہم کرنے والا نظام

اشتراکی نظام میں کاروبار کرنے پر بہت سی پابندیاں عائد کی جاتی ہیں جب کہ اسلام کے اقتصادی نظام میں کاروبار کرنے کی مکمل آزادی ہے۔ ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق حرام ذرائع کے سوا کوئی بھی ذریعہ اختیار کر سکتا ہے۔

(۷) عدل ومساوات کا حامل نظام

اسلامی نظامِ معیشت میں امیر وغریب کے درمیان ایک خوب صورت توازن قائم کیا گیا ہے جس کے تحت دولت کمانے میں سب برابر ہیں اور اُمرا پر یہ لازم کیا گیا ہے کہ وہ زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ دیگر صدقات واجبہ بھی ادا کریں۔ یہاں عدل سے مراد توازن ہے۔

(۸) گردشِ دولت کا حامل نظام

اسلام کی خوبی یہ ہے کہ یہ گردشِ دولت کی نہ صرف حوصلہ افزائی کرتا ہے بلکہ اِس کا حکم بھی دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (البقرۃ:195)

ترجمہ: ''اللہ کے راستے میں خرچ کرو۔''

(۹) صدقاتِ واجبہ کا حامل نظام

اسلام کے اندر درج ذیل صدقات فرض ہیں:

(i) زکوٰۃ

زکوٰۃ اسلام کا اہم رُکن ہے جو ہر صاحب استطاعت پر فرض ہے۔ ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی یا اِن کے برابر مالیت ہو تو ایک سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ فرض ہو جاتی ہے۔ (دیگر تفصیل زکوٰۃ کے جواب میں دیکھ لی جائے)

(ii) عشر

زمین سے جو پیداوار حاصل ہوتی ہے، اُس پر عشر فرض ہے۔ وہ کھیتی جس کو پانی قیمتاً دیا گیا ہے اُس میں بیسواں حصہ یعنی 5 فیصد جب کہ وہ کھیتی جو بارش سے سیراب ہوئی اُس میں دسواں حصہ یعنی 10 فیصد لاگو ہوگا۔

(iii) وراثت

کسی بھی شخص کے فوت ہو جانے کے بعد اُس کے ترکے میں سے اُس کے تمام ورثا کو شرعی قوانین کے مطابق حصہ دیا جائے گا۔

زکوٰۃ، عشر اور وراثت کے حوالے سے جتنی تفصیلات اور خصوصیات اسلامی نظامِ معیشت میں ہیں وہ کسی اور نظام میں نظر نہیں آتیں۔

6- اسلامی نظامِ معیشت کا معاصر نظاموں سے تقابلی جائزہ

اِس حوالے سے پروفیسر عبدالحمید ڈار رقم طراز ہیں:

''اسلام کے تجویز کردہ معاشی نظام اور عہدِ حاضر کے دیگر معاشی نظاموں مثلاً سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) اور اشتراکی نظامِ معیشت (Communism) میں اُصولی اور بنیادی فرق یہ ہے کہ درج بالا نظاموں میں انسان کے معاشی مسئلہ کو انسانی زندگی کے مجموعی چوکھٹے (فریم ورک) سے الگ کر کے اُس کا مطالعہ وتجزیہ کیا جاتا ہے اور اُسے حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اِس کے برعکس اسلام انسان کے معاشی مسائل کا انفرادی اور اجتماعی زندگی کے مجموعی تناظر میں مطالعہ کرتا ہے اور اِس کے حل کی ایسی تدابیر اختیار کرتا ہے جو نہ صرف درپیش معاشی مسئلہ کو حسن وخوبی سے حل کرنے والی ہوں بلکہ اِن سے اجتماعی زندگی کے کسی بھی پہلو پر بُرے اثرات مرتب نہ ہوتے ہوں۔ اِس بات کو ایک مثال سے یوں واضح کیا جاتا ہے کہ مروجہ معاشی نظاموں میں آبادی میں اضافے سے پیدا ہونے والے مسائل حل کرنے کے لیے بالعموم خاندانی منصوبہ بندی کے طریقوں کو اپنانے پر زور دیا جاتا ہے اور اِس بات کو بالکل نظر انداز کر دیا جاتا ہے کہ اِن طریقوں کے اختیار کرنے سے بے حیائی وبدکاری کو فروغ ملتا ہے، اِس کے ساتھ ساتھ کیموزم میں تاجروں کے وجود کو ختم

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

کر کے تمام پیداواری وسائل کو حکومت کی تحویل میں لے لیا جاتا ہے۔ اِس طرح کثیر تعداد میں سرمایہ داروں کی جگہ ملک میں ایک ہی بڑا سرمایہ دار رہ جاتا ہے اور چونکہ سیاسی اقتدار و اختیار بھی اُسی کے پاس ہوتا ہے اِس لیے سیاسی اور معاشی قوت کے ایک جگہ مرکوز ہو جانے سے فرد کی حریتِ فکر اور آزادیٔ عمل بالکل ختم ہو کر رہ جاتی ہے۔ سرمادارانہ نظام میں بھی یہی ہوتا ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ جاتی ہے دُنیا کے چند امیروں کے پاس دُنیا کی آدھی دولت موجود ہے۔'' (اسلامی معاشیات: ص 111-112)

7- خلاصۂ بحث

اسلامی نظریۂ حیات میں انسان کی حریتِ فکر اور آزادیٔ ضمیر کو بنیادی اہمیت دی گئی ہے کیونکہ اِس کی موجودگی میں ہی انسان خلافت الٰہی کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے معاشی نظام میں انسان کے معاشی مسئلہ کو حل کرنے کے لیے ایسی تدابیر اختیار کی گئی ہیں جو معاشی ضروریات کی تسکین کرنے کے ساتھ ساتھ انسان کی حریتِ فکر اور فطری آزادی کو بھی فروغ دینے والی ہیں۔ اشتراکی نظامِ معیشت کے برعکس اسلام نجی ملکیت کی اجازت دیتا ہے البتہ اِس کے مضر پہلوؤں سے معاشرہ کو محفوظ رکھنے کے لیے اِس کے حصول اور استعمال پر ضروری پابندیاں عائد کر دیتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کے برعکس زکوٰۃ اور عشر کا ایسا جامع نظام دیتا ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہیں رہ جاتی بلکہ امیر اور غریب میں فرق کم سے کم رہ جاتا ہے۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ اسلامی نظام کو نافذ کیا جائے جس میں دولت حلال طریقے سے کمائی جا سکتی ہے اور حلال جگہ پر ہی خرچ کی جا سکتی ہے۔ جب دولت سے حرام کے نقصانات ختم ہو جاتے ہیں تو معاشرہ اور ملک ویسے ہی توازن پر آ جاتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

12- رحمت عالم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) امن قائم کرنے والے کے لیے نمونہ عمل

1- تعارف

ریاست مدینہ سے بڑھ کر مثالی امن دُنیا کی تاریخ میں کہیں اور نہیں ملتا۔ داعی امن (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کا تعارف ہی اللہ تعالیٰ نے ''رحمۃ للعالمین'' کی صفت سے کروایا ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اس پر گواہ ہے: ''ہم نے آپ کو عالمین کے لیے سراسر رحمت بنا کر بھیجا ہے۔'' (الانبیا) آپ ﷺ سے پہلے کا عرب جس بدامنی کا شکار تھا اُس کی وجوہات واضح تھیں، دولت کا ارتکاز، قوم پرستی، مذہبی جبر، تعصب اور عدم رواداری نے ہر سطح پر انسانوں کو تباہ کر دیا تھا۔ ہادی عالم ﷺ کی بعثت اور آپ ﷺ کے حسن تدبر، مساوات، معاشی عدل، انسانی حقوق کے تحفظ، خواتین کے احترام اور قانون کی حکمرانی نے دُنیا کو امن کا تحفہ دیا۔ آپ ﷺ کے بعد آج تک کی تاریخ میں ہزاروں جنگیں ہوئیں اور کئی مرتبہ دُنیا کا امن غارت ہوا، آج ضرورت اس امر کی ہے کہ انسانیت بحیثیت مجموعی داعی امن ﷺ کے پیغام کو قبول مسلم معاشروں اور حکومتوں کی ذمہ داری اور زیادہ ہو جاتی ہے کہ وہ اسوہ رسول ﷺ کی روشنی میں امن کے قیام کے لیے اپنی پالیسیاں مرتب کریں۔

2- زمانہ جاہلیت میں امن کی صورت حال

زمانہ جاہلیت میں بدامنی کی وجوہات درج ذیل تھیں:

(۱) دولت کا ارتکاز

جس معاشرے میں دولت کی گردش رک جائے اور وہ چند ہاتھوں میں جمع ہو جائے تو اس معاشرے میں امیر و غریب کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے۔ دولت کے چند ہاتھوں میں ارتکاز کے سبب ایک محدود طبقہ تو عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا ہے لیکن دیگر عوام غربت و افلاس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ایک مؤرخ نے روم و فارس کی اقتصادی حالت کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ صحیح اور حقیقت پسندانہ ہے۔ اس کے مطابق:

> ''جب ایرانیوں اور رومیوں کو مختلف اقوام پر حکومت کرتے صدیاں گزر گئیں اور اُنھوں نے دنیوی زندگی ہی کو اپنا مقصد بنا لیا اور آخرت کو فراموش کر بیٹھے اور شیطانیت ان پر غالب آ گئی تو ان کی زندگی کا حاصل یہ بن گیا کہ عیش کے دن گزاریں۔ ان کے اس طرز زندگی کو دیکھ کر دُنیا کے ہر گوشہ سے علما اور سائنس دان ان کے گرد جمع ہونے لگے جو ان کے لئے سامان عیش مہیا کرنے لگے۔''

جان بی۔ فرتھ اسکوائر نے اپنی کتاب ''قسطنطین اعظم'' میں رومی بازنطینی (Byzantine) سلطنت کے نظام محصول بندی (Taxation System) کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

> ''خلاصہ یہ ہے کہ اس سخت محصول بندی (Tax collection) سے صوبہ جات کے زمین دار اور چھوٹے کاشت کار بالکل ہی فنا ہو گئے۔ قسطنطین کے آخری دور حکومت میں اس بات کی شہادت بکثرت موجود ہے کہ صوبہ جات کے گورنر جس طرح چاہتے تھے رعایا پر جبر کرتے۔ ظاہر ہے کہ اس ٹیکس نے رعایا پر بڑی سختیاں پیدا کی تھیں۔ ہر ایک علاقے میں جس قدر سرمایہ لوگوں کے پاس تھا وہ سب ختم ہو گیا اور کاشت کار بالکل تباہ ہو گئے۔''

(۲) قوم پرستی

تورات کی گرمی، زبور کی شاعری اور انجیل کی نرمی بھی دُنیا میں آ چکی تھی۔ وید کی ذات پات کی تقسیم کا تجربہ بھی انسان کر چکا تھا۔ کنفیوشس کی تعلیم بھی رائج ہو چکی تھی۔ کاوٹیلیا کی ''ارتھ شاستر''، ارسطو کی ''پالیٹکس'' اور مہابھارت جیسی کتابیں بھی لکھی جا چکی تھیں لیکن دُنیا میں امن قائم نہ ہو سکا تھا۔ کیونکہ یہ تمام کوئی ایسا نظریہ

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہی نہ دے سکے جو انسان کی عظمت پر پورا اترتا۔ بلکہ مختلف قسم کے طبقات اور عصبیتیں پیدا کر کے رکھ دیں جن کی بنا پر ہمیشہ انسانوں کے درمیان نفرتیں ہی پیدا ہوئیں اور امن عالم تباہ ہوا۔ ایرانیوں کو اپنے گورے رنگ پر اتنا ناز تھا کہ حبشیوں اور ہندوؤں کو کوے کہا کرتے تھے۔ عربوں کو اپنی زبان کی ساخت اور مفہوم کی ادائیگی کی صلاحیت پر اتنا فخر تھا کہ اپنے سوا ساری دُنیا کو گونگا سمجھتے تھے اور اسی بنا پر عربی عجمی کا فرق پیدا ہوا۔

(۳) عدم مساوات

معاشرہ میں وہ طبقے ہمیشہ باغیانہ رویہ اختیار کر لیتے ہیں جن کے ساتھ غیر مساویانہ اور ظلم وستم کا سلوک روا رکھا جائے۔ نتیجتاً بدامنی، انتشار اور بغاوت جنم لیتی ہے۔ نبوت محمدی (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کے وقت پورے عالم میں کسی نہ کسی طرح سے ایک ہی آدم وحوا کی اولاد کو مختلف درجات میں تقسیم کر کے ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ ہندوستان میں جب آریہ حملہ آور پنجاب سے آگے بڑھے تو ان کے مذہبی طبقات نے مفتوحہ آبادی کو الگ تھلگ رکھنے کے لیے نہایت سخت قواعد وضع کیے۔ بقول اقبال:

تیری پیمبری کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے
تو نے گدائے راہ کو بخشا شکوہ قیصری

3- امن کے لیے رسالت مآب (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کے اقدامات

حضور ﷺ کے نزدیک سلامتی اور امن کے راستے ہی دراصل روشنی کے راستے اور صراط مستقیم ہیں۔ ان کے سوا تمام وہ راستے جو بدامنی، بے چینی، فتنہ وفساد، ظلم وجور، زبردستی وزیادتی، خونریزی وسفاکی اور استحصال کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں اندھیروں اور ظلمتوں کے راستے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

''اللہ امن وسلامتی کے قیام میں کچھ اس طرح تمھارا حامی ومددگار ہوگا کہ گھر کی چاردیواری میں زندگی گزارنے والی پردہ نشین خاتون تنہا کسی محافظ ومعاون کے بغیر مدینہ سے الحمرا کا یا اس سے بھی لمبا سفر بلا تامل کر سکے گی۔ اور کوئی چور اور رہزن اسے خوف زدہ نہ کر سکے گا۔''

(۱) عقیدہ توحید کے ذریعے امن

امن وسلامتی کے قیام کی اس منزل تک پہنچنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے انسانیت کو ایک اللہ کی طاقت کو تسلیم کرنے، اسی کی عبادت کرنے اور اسی کے قوانین وضوابط پر عمل پیرا ہونے کا نظریہ دیا۔ کیونکہ یہی ایک راستہ ہے جس پر چل کر انسان بے شمار مصنوعی آقاؤں کے ظلم وستم اور غلامی سے چھٹکارا پا سکتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ان تمام مشرک طاقتوں کو جو کہ دُنیا میں فتنہ وفساد کا باعث بنی ہوئی تھیں اللہ کا یہ پیغام دے کر باطل کر دیا' آپ ﷺ نے اعلان کیا:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ ۙ وَلَمْ يُوْلَدْ ۝ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (اخلاص)

ترجمہ: ''(اے نبی مکرم!) آپ فرما دیجیے: وہ اللہ ہے جو یکتا ہے۔ اللہ سب سے بے نیاز، سب کی پناہ اور سب پر فائق ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ وہ پیدا کیا گیا ہے۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے۔''

(۲) خاندان کی اصلاح کے ذریعے امن

داعی امن علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انسانوں کے اندر دائمی امن کے قیام کے لیے یہ طریقہ استعمال فرمایا کہ ابتدائی طور پر ہر فرد کے ضمیر میں امن وسلامتی برپا کرنے کی کوشش کی۔ پھر میاں بیوی، والدین، اولاد اور رشتہ داروں کے باہمی حقوق وفرائض کا تعین کر کے اس کا دائرہ کار ایک خاندان کے اندر تک پھیلا دیا۔ پھر ایک گروہ کے دوسرے گروہ، افراد کے حکومت اور ایک سلطنت کے دوسری سلطنتوں سے تعلقات کے ایسے اُصول وضع فرمائے کہ امن کا پھیلاؤ پورے عالم تک ہو جائے۔ عورتوں کے ساتھ ہونے والے ظلم وستم اور جنس کے بنیاد پر عدم مساوات کے خاتمے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے لڑکی کی پیدائش کو رحمت قرار دیا۔ لڑکیوں پر ظلم کے حوالے سے قرآن کریم نے کچھ یوں نقشہ کھینچا:

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ○ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (النحل:59-58)

ترجمہ: ''اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی (کی پیدائش) کی خبر سنائی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غصے سے بھر جاتا ہے۔ وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے (بزعم خویش) اس بُری خبر کی وجہ سے جو اسے سنائی گئی ہے، (اب یہ سوچنے لگتا ہے کہ) آیا اسے ذلت و رسوائی کے ساتھ (زندہ) رکھے یا اسے مٹی میں دبا دے (یعنی زندہ درگور کر دے) خبردار! کتنا برا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔''

اس کے مقابلے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''جس نے دو بیٹیوں کی پرورش کی، انھیں اچھا ادب سکھایا اور بیٹوں کو ان پر ترجیح نہیں دی تو وہ کل میرے ساتھ یوں ہوگا' آپ ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں کو ملا دیا۔''

(۳) معاشی عدل کے ذریعے امن

دولت، انسانی معاشرہ کے لیے خون کا درجہ رکھتی ہے۔ خون جسم کے کسی ایک حصہ میں رک جائے، گردش نہ کرے تو ہلاکت کا خطرہ ہے۔ اسی طرح دولت پورے معاشرہ میں گردش نہ کرے اور مخصوص لوگوں کے پاس جمع ہو جائے تو یہ بھی صحت مند زندگی کی علامت نہیں۔ اس سے طرح طرح کے نقصانات پیدا ہوتے ہیں۔ عرب جیسے کم پیداوار ملک میں دولت بہت تھوڑے لوگوں کے پاس تھی۔ اس سمٹی ہوئی دولت کو عوامی طبقوں میں پھیلانا ہی سب سے مشکل مسئلہ تھا۔ حضور ﷺ نے اسلام کے معاشی قوانین کے تحت ایسے اقدامات فرمائے جو دولت کو گردش میں رکھنے کے لیے کافی ثابت ہوئے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

كَيْ لَا يَكُوْنَ دُوْلَةًۢ بَيْنَ الْاَغْنِيَاۗءِ مِنْكُمْ ۭ (الحشر:7)

ترجمہ: ''ایسا نہ ہو کہ دولت تمھارے صاحب ثروت لوگوں ہی کے درمیان چکر کھاتی رہے۔''

(۴) انسانی حقوق کے ذریعے امن

دُنیا میں بدامنی اور انتشار کی ایک بڑی وجہ طاقت ور لوگوں کا کمزوروں کے حقوق غصب کرنا ہے۔ کمزور طبقات جب اپنے حقوق کے لیے اٹھتے ہیں تو تصادم اور جنگ کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر انسانی حقوق کو یقینی بنا دیا جائے، تو دُنیا امن کا گہوارا بن جائے۔ نبی امن (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحبہ وسلم) کی حیات و تعلیمات سے، ہمیں انسانی حقوق کی فراہمی سے متعلق مکمل رہنمائی میسر آئی ہے۔ آپ ﷺ کی آمد سے قبل کمزور طبقات مثلاً عورتوں اور بچوں وغیرہ پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے۔ آپ ﷺ نے سب طبقات پر ظلم کا خاتمہ کیا، اور انھیں باعزت مقام دلوایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۔۔۔۔ الخ (النساء:7)

ترجمہ: ''والدین اور قریبی رشتہ جو ترکہ چھوڑ کر جائیں مردوں کے لیے بھی حصہ ہے اور عورتوں کے لیے بھی حصہ ہے۔''

(۵) نظامِ انصاف کے ذریعے امن

قیامِ امن کے لیے عدل انصاف قائم کرنا ناگزیر ہے۔ آپ ﷺ نے عدل و انصاف کا خصوصی اہتمام فرمایا۔ آپ ﷺ کی عطا کردہ اخلاقیات میں عدل و انصاف سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص کو اس حق صحیح صحیح ملے اور کسی پر کسی طرح کا ظلم اور زیادتی نہ ہو۔ قانون کی نظر میں چھوٹے بڑے، غریب امیر اور حاکم و محکوم سب برابر ہوں۔ جس جرم کی جو سزا مقرر ہو اس کا نفاذ جس طرح ایک عام آدمی پر ہو اسی طرح سرمایہ داروں، افسروں اور وقت کے حکمرانوں پر بھی ہو۔ کسی رنگ و نسل، قوم و وطن اور مذہب و ملت کا فرق بھی کسی کے حق کی صحیح صحیح ادائیگی میں رکاوٹ نہ بنے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(۶) عفوودرگزر کے ذریعے امن

اگر لوگ باہم دشمنی اور انتقام کے جذبات سے لبریز رہیں تو امن وامان کبھی قائم نہیں ہوسکتا۔ اس کے برعکس عفوودرگزر اور معاف کردینے کا رویہ امن وآشتی کی ضمانت ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ نے دشمنی وانتقام کے بجائے عفوودرگزر پر زور دیا اور امن عالم کے لیے ایک بہترین لائحہ عمل اور نمونہ فراہم کیا۔ آیات قرآنی، احادیث نبوی اور سیرت طیبہ کی چند مثالیں دیکھیے:

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ (الاعراف:199)

ترجمہ: ''(اے نبی ﷺ) عفوودرگزر سے کام لیجیے، نیکی کا حکم دیجیے اور جاہلوں سے کنارہ کش رہیے۔''

حضور (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) دعوتِ اسلام کے لیے طائف تشریف لے گئے تو وہاں کے سرداروں نے نہایت تکبر سے آپ ﷺ کی دعوت مسترد کردی، اور اوباش لڑکوں اور غنڈوں کو آپ ﷺ کے پیچھے لگادیا۔ انھوں نے آپ ﷺ پر شدید سنگ باری کی۔ آپ ﷺ لہولہان ہوگئے، اور آپ ﷺ کے جوتے خون سے بھر گئے۔ جبریل امین علیہ السلام تشریف لائے اور عرض کیا: اگر آپ ﷺ کہیں تو اہل طائف کو دونوں پہاڑوں کے درمیان پیس کر رکھ دوں۔'' مگر انتقام کی اس قدرت کے باوجود حضور ﷺ نے نہ صرف اہل طائف کو معاف کردیا بلکہ ان کی ہدایت کی دعا کی۔

(۷) خدمت خلق کے ذریعے امن

ایثار وتعاون اور خدمتِ خلق بھی بدامنی کے خاتمے اور امن وآشتی کو یقینی بنانے کے ضامن ہیں۔ رسالت مآب ﷺ کی حیات وتعلیمات میں اس حوالے سے بھی بہترین رہنمائی ملتی ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى (المائدہ:2) ''اور نیکی وتقویٰ میں ایک دوسرے سے تعاون کرو۔'' آپ ﷺ کے فرامین ہیں: ''ساری مخلوق اللہ کا کنبہ ہے۔ اللہ کو مخلوقات میں سے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے، جو اس کے کنبے سے بھلائی کرتا ہے۔'' (بیہقی)

(۸) غزوات کے ذریعے امن

امن کے لیے جنگ ناگزیر ہے۔ رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی جنگیں اکثر دفاعی تھیں، ان کا مقصد دائمی طور پر امن وعافیت کو قائم رکھنا تھا۔ ان کا مقصد انسانیت کا احترام تھا، نہ کہ بے گناہوں کی جان کو نقصان پہنچانا، جنگوں میں اسیران جنگ کے ساتھ عمدہ سلوک روا رکھا جاتا گیا۔ جنگ ایک استثنائی (Excptional) حالت ہے۔ اسلام صلح وسلامتی کا علم بردار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہر اس قبیلہ سے صلح کی جس نے بھی صلح کے لیے رغبت کا اظہار کیا۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے ''بنوضمرہ'' کے ساتھ غزوہ ودان میں معاملہ کیا اور ''بنومدلج'' سے غزوہ عشیرہ میں اور ''قریش'' سے صلح حدیبیہ میں۔ رسول اللہ ﷺ نے حدیبیہ کے مقام پر جنگ سے بچنے کے لیے ہر ممکن کوشش کی۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے اس سفر میں عام راستہ چھوڑ کر ایک غیر معروف راستہ اختیار کیا تھا جو نہایت مشکل اور دشوار تھا تاکہ آپ ﷺ جنگ سے بچ سکیں۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ اپنا لشکر حدیبیہ لے آئے اور یہاں پہنچ کر بھی امن کو قائم رکھنے کے مقصد پر مصر رہے۔ آپ ﷺ نے گفتگو کا میدان بڑا فراخ کردیا۔ جب مشرکین کے کچھ آدمیوں نے مسلمانوں پر حملہ کردیا تو پھر بھی آپ ﷺ قریش سے جنگ نہ کرنے کے مقصد پر قائم رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ کا معاملہ پورا کرلیا۔ حالانکہ آپ ﷺ کے بعض صحابہ اس صلح کی بعض شرائط کو ناپسند کرتے تھے۔ حضور ﷺ کے تمام غزوات کے اسباب کا حقیقی اور غیر جانبدارانہ تجزیہ کرنے والا ہمیشہ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ آپ ﷺ کی تمام جنگیں دفاعی نوعیت کی تھیں۔ پیش بندی کے طور پر دشمن پر پہلے حملہ کرنے میں مقصد دشمن کو خود چھیڑنا نہ تھا بلکہ یہ داعیٔ امن ﷺ کی جنگی حکمت عملی کا ایک اہم اُصول تھا جس میں دشمن پر اس کے حملہ کرنے سے پہلے غلبہ حاصل کرلینے کی روح مضمر ہوتی ہے۔ بقول احمد ندیم قاسمی:

اب بھی ظلمات فروشوں کو گلہ ہے تجھ سے
رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اس سے پہلے کا جو ماضی تھا، ہزاروں کا سہی
اب جو تا حشر کا فردا ہے وہ تنہا تیرا

4- خلاصۂ بحث

نبی کریم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحبہ وسلم) نے مختصر اور مشکل حالات میں جس طرح ریاست مدینہ میں امن قائم کیا اور پھر خلفائے راشدین نے اُس طریقے کو جاری رکھا، یہ اپنی مثال آپ ہے۔ لیکن افسوس! کہ خلفائے راشدین کے بعد عرب ملوکیت نے اسلام کے سیاسی نظام کو تباہ کر دیا، شورائیت کی جگہ ملوکیت (Dictatorship) نے لے لیں۔ بدامنی کی زیادہ تر وجوہات کا تعلق اسلام کے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور اخلاقی نظام کی شکست کی وجہ سے ہے۔ اسلام کے جملہ نظاموں کو شکست یورپ میں نہیں بلکہ خود مسلم ممالک میں ہوئی ہے، مسلم حکمرانوں اور عوام کی ذمہ داری ہے کہ وہ اسلام کے جملہ نظاموں کو زمان و مکان کی تبدیلی کے ساتھ اپنے اپنے ممالک میں نافذ کریں۔ اِس سے دُنیا کے سامنے عہدِ رسالت اور خلفائے راشدین کے عہد کی یاد تازہ ہو جائے گی۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

13- اسلام کو درپیش چیلنجز (فرقہ واریت، انتہا پسندی)

(الف) اسلام کو درپیش چیلنجز

1- تعارف

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی رُوحانی اور مادی ضروریات پوری کرنے کے لیے اُنھیں بے پناہ انعامات اور وسائل سے نوازا۔ قرآن مجید اور اسوۂ رسول (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی شکل میں مسلمانوں کی رُوحانی ضرورت کو پورا کیا۔ خانہ کعبہ اور روضۂ رسول (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی صورت میں اُمت کو مرکز عطا فرمایا۔ رُوحانی تشنگی کی تسکین کے ساتھ ساتھ مادی ضروریات پورا کرنے کے لیے بے شمار وسائل عطا فرمائے۔ اِس وقت دُنیا کے نقشے پر 57 کے قریب مسلمان ممالک موجود ہیں جن میں مملکتِ خداداد پاکستان ایٹمی صلاحیت کی حامل ہے۔ مسلمان، دُنیا کی آبادی کا 21 فیصد ہیں، نو کروڑ مربع میل زمین پر اِن کی حکومتیں قائم ہیں، تیل کے مجموعی ذخائر میں سے 69 فیصد اِن کے پاس ہیں جب کہ گیس کے ذخائر کے حوالے سے بھی مسلمان ممالک مالا مال ہیں۔ گیس کے ذخائر ایران، بنگلہ دیش، پاکستان، سعودی عرب، عراق، کویت، متحدہ عرب امارات، افغانستان، وسط ایشیا کی ریاستوں، مراکش اور تیونس وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔ کوئلہ کے حوالے سے ترکی، افغانستان، پاکستان، البانیہ، الجزائر، ایران، بنگلہ دیش، مراکش، صومالیہ، نائجیریا اور یمن مالا مال ہیں۔ پاکستان کے صوبہ سندھ کے علاقہ تھرکول فیلڈ میں دُنیا کے پانچویں سب سے بڑے کوئلے کے ذخائر پائے جاتے ہیں۔ مندرجہ بالا معدنیات کے علاوہ خام لوہا، سرمہ، میگانیز، جپسم، پارہ، نکل، فاسفیٹ، قلعی، یورینیم، جست، سونا اور معدنی نمک کے وسیع وسائل مسلم ممالک میں موجود ہیں۔

2- عالم اسلام کے داخلی مسائل

عالم اسلام کو درج ذیل داخلی مسائل درپیش ہیں:

(۱) امن عامہ کا مسئلہ

اِس وقت پوری مسلم دُنیا بالعموم اور پاکستان بالخصوص امن عامہ کے مسئلہ سے دوچار ہے۔ قتل و غارت گری، راہ زنی، چوری، دہشت گردی، بم دھماکے اور عورتوں پر تشدد جیسے بے شمار مسائل میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ یہ گویا اللہ کا عذاب ہے، جیسے اللہ تعالیٰ سورۃ انعام میں بیان فرماتا ہے:

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَن يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّن فَوْقِكُمْ (الایۃ) (الانعام:65)

ترجمہ: ''فرما دیجیے کہ اللہ تعالیٰ اِس پر قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیجے (خواہ) تمھارے اُوپر سے یا تمھارے پاؤں کے نیچے سے یا تمھیں فرقہ فرقہ کر کے آپس میں لڑا دے اور تم میں سے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ چکھا دے، دیکھیے! ہم کس کس طرح آیتیں بیان کرتے ہیں تا کہ یہ لوگ سمجھ سکیں۔''

(۲) غربت و بے روزگاری کا مسئلہ

اِس وقت تیل کی دولت سے مالا مال چند مسلم ممالک کو چھوڑ کر باقی ممالک کو دیکھا جائے تو وہ شدید ترین معاشی بحران سے دوچار ہیں۔ پاکستان خود غربت اور بے روزگاری جیسے مسائل میں گھرا ہوا ہے۔ آئے روز لوگ خودکشیاں کر رہے ہیں۔ ہنرمند افراد کی بھی شدید کمی ہے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(۳) شخصی آزادیوں کے حوالے سے ناگفتہ بہ صورت حال

انسانی حقوق کے حوالے سے دیکھا جائے تو مسلم ممالک صف اوّل کے ممالک قرار نہیں دیے جا سکتے۔ چند ممالک، جہاں جمہوریت ہے، کو چھوڑ کر بہت سارے ایسے ممالک ہیں جہاں بادشاہ وقت کے خلاف بات کرنا بھی مشکل ہے۔ تیونس، مصر، بحرین اور لیبیا کے حالیہ احتجاجی سلسلوں میں کچھ صورت حال تبدیل ہوئی ہے لیکن لگتا یوں ہے کہ شاید یہ عارضی (Temporary) آزادیاں ہیں۔ ابلاغ عامہ کے ذرائع کنٹرولڈ ہیں۔ وہ یک طرفہ تصویر دکھانے کے مجاز ہیں۔

(۴) عورتوں پر تشدد

اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیے ہیں افسوس کہ مسلم حکومتیں آج تک عملی شکل میں اُن کو نافذ نہیں کر سکیں۔ وراثت میں عورت کا جو حق ہے وہ محض کاغذی کارروائی تک ہے۔ حقیقتاً عورتوں کو وراثت میں حق نہیں دیا جاتا۔ بعض ممالک میں اُنھیں تعلیم کے حوالے سے برابر حقوق حاصل نہیں۔ عزت کے نام پر قتل کر دینے جیسے واقعات پاکستان میں بھی آئے روز ہو رہے ہیں مثلاً جہیز نہ لانے پر تیزاب پھینک دینا۔ عرب ممالک میں بھی بہت حوالوں سے قانون سازی کرنے کی ضرورت ہے اور خود پاکستان میں بھی۔

(۵) فرقہ واریت

مسلم دُنیا اس وقت شدید ترین فرقہ واریت کی لپیٹ میں ہے اور غیر مسلم اِس کا بھرپور فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ شیعہ بلاک کے مقابلے میں سنی بلاک بنانا اور سنی بلاک کے مقابلے میں شیعہ بلاک تشکیل دینا اور پھر اِس چیز کو ہوا دینا، یہ سامراجی قوتوں کا روزِ اوّل سے وتیرہ ہے۔ عراق، ایران جنگ اسی کا شاخسانہ تھی۔ پاکستان میں کچھ عرب ممالک کا اپنے مسلک کی تنظیموں کو فنڈز فراہم کرنا اور دوسری طرف سے بعض شیعہ ریاستوں کا اپنی تنظیموں کو سپورٹ کرنا بھی فرقہ واریت کے مسائل کو پیدا کر رہا ہے۔

(۶) فکری انتشار

مسلم ممالک فکری انتشار کا شکار بھی ہیں۔ ابھی تک اُمت میں یہ فیصلہ نہیں ہو سکا کہ اسلام کا سیاسی نظام خلافت ہے یا جمہوریت یا کوئی اور نظام؟ اِسی طرح انتخاب کے لیے کون سا طریقہ صحیح ہے؟ اسلامی بینکنگ کا سٹیٹس کیا ہے؟ اسلام کا معاشی نظام کیا ہے؟ مسلمان ریاست میں غیر مسلم شہریوں کے کیا حقوق ہیں؟ اِس طرح کے دیگر کئی مسائل ہیں۔

(۷) تعلیم کی کمی

مسلمان ریاستیں سائنس اور ٹیکنالوجی میں بالخصوص اور فنی تعلیم میں بالعموم بہت پیچھے ہیں۔ پاکستان جیسا ملک بھی شرح خواندگی میں ابھی تک 60 فیصد سے اُوپر نہیں جا سکا۔ کچھ مسلمان ممالک میں پڑھے لکھے افراد کی تعداد 90 فیصد سے زیادہ ہے۔ مگر وہ بھی سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ابھی بہت پیچھے ہیں۔ مسلمان ممالک کے کل پی ایچ ڈیز کے مقابلے میں اکیلے جاپان کے پی ایچ ڈیز کی تعداد زیادہ ہے۔ تعلیم کے حوالے سے اعداد و شمار میں اور بھی بہت ساری چیزیں ہیں جیسے یونیورسٹیوں کی تعداد، اُن کی رینکنگ اور اُن میں ہونے والے ریسرچ ورک کا معیار۔ اِس حوالے سے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

(۸) لسانی اور علاقائی عصبیت

زبان اور علاقے کے حوالے سے مسلمان ممالک میں کئی حوالوں سے عصبیت موجود ہے۔ عرب اور ایرانی نیشنلزم کا نعرہ بھی سننے کو ملتا ہے۔ ایران اور سعودی عرب کو سرد جنگ نے بھی اس میں اضافہ کیا ہے۔

(۹) اخلاقی بے راہ روی

جو قومیں اخلاقی اعتبار سے مضبوط ہوتی ہیں وہ دُنیا کو نیو ورلڈ آرڈر دینے کے بھی قابل ہوتی ہیں۔ لیکن جو قومیں اخلاقی اعتبار سے پست ہوں وہ دُنیا میں کوئی

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

معرکہ سرانجام نہیں دے سکتیں۔ افسوس اِس بات کا ہے کہ مسلم اُمہ میں جھوٹ، بددیانتی، اقربا پروری، منافقت، جنسی بے راہ روی اور جنسی تشدد جیسے بُرے اخلاق نہ صرف پیدا ہو چکے ہیں بلکہ آہستہ آہستہ مسلم معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں۔

3- عالم اسلام کے خارجی مسائل

(۱) مغربی تہذیبی یلغار

مغرب اپنی تہذیب وثقافت کو باقی دُنیا پر بالعموم اور مسلمانوں پر بالخصوص نافذ کرنے کا خواہش مند ہے۔ اِس حوالے سے کثیر سرمایہ بھی خرچ کیا جارہا ہے۔ جب بھی کوئی دوسری تہذیب روپے پیسے کے زور پر مسلط کی جاتی ہے تو متاثرہ تہذیبوں کو کئی حوالوں سے نقصان ہوتا ہے۔ عالم اسلام کے مسائل میں سے تہذیبی یلغار ایک بہت سلگتا ہوا مسئلہ ہے۔

(۲) وسائل پر قبضہ کی مغربی کوشش

مسلمانوں کے وسائل پر قبضہ کرنا اور اپنے وسائل کو آنے والے دنوں کے لیے محفوظ رکھنا، یہ مغرب کی شروع دن سے پالیسی رہی ہے۔ جس طرح تیل کے ذخائر کے لیے امریکہ اور یورپ نے جنگیں کی ہیں اور ساری مسلم سوسائٹی کو تہ وبالا کیا ہے، سب واضح ہے۔

(۳) مغرب کے عدل وانصاف کے دہرے معیار

مشرقی تیمور میں تحریک آزادی چلے تو علیحدہ ریاست تشکیل دے دی جاتی ہے کیونکہ اِس سے ایک مسلمان ریاست کے دو ٹکڑے ہوتے ہیں اور ایک عیسائی ریاست وجود میں آتی ہے جب کہ یہی تحریک کشمیر میں ہو تو مغرب کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ اِن دہرے معیارات کی وجہ سے بہت سارے مسائل نے جنم لیا ہے۔

5- مسائل کا حل/تجاویز/لائحہ عمل

مسلم اُمہ کے مسائل کے حوالے سے چند اہم تجاویز درج ذیل ہیں:

(۱) اِتحادِ اُمت

قرآن مجید میں اتحاد کے حوالے سے واضح تعلیمات موجود ہیں جن سے اِختلاف کی صورت میں شدید وعید سنائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقے میں نہ پڑو۔'' (آل عمران:103)

؎ یہی مقصودِ فطرت ہے یہی رمزِ مسلمانی
اُخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

؎ بتانِ رگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

(۲) دفاع

دفاع کے حوالے سے چند تجاویز درج ذیل ہیں:

- مسلمان ممالک کا مشترکہ دفاع، نیٹو کی طرز پر ہو۔
- مسلمان ممالک کا مشترکہ سرمائے سے جدید اسلحہ سازی کے مختلف پلانٹس لگانا جیسے ایٹمی و میزائل ٹیکنالوجی۔
- مشترکہ فوج، جس کا چیف مختلف ممالک سے تبدیل ہوتا رہے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

- مشترکہ فوج کی تربیت خالص اسلامی انداز سے کی جائے تاکہ وطنیت، لسانیت اور علاقائیت کے بت پاش پاش ہو سکیں۔
- سکول اور کالجز میں فوجی تربیت دینا۔

(۳) تعلیم و تربیت

تعلیم و تربیت کے میدان میں ترقی کے حوالے سے تجاویز اور لائحہ عمل درج ذیل ہے:

- مسلم معاشرے میں ناخواندگی ختم کرنے کے لیے مشترکہ کوشش کرنا۔
- دُنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ ضروری دینی تعلیم کا بندوبست کرنا۔
- مشترکہ سرمائے سے سائنس و ٹیکنالوجی کے حوالے سے یونیورسٹیاں بنانا۔
- اسلامی یونیورسٹیوں کا قیام جہاں پر دینی تعلیم جدید خطوط پر فراہم کی جائے۔

(۴) معیشت

اِس حوالے سے چند تجاویز درج ذیل ہیں:

- مسلم ممالک خود انحصاری کی پالیسی اپنائیں اور یہود و نصاریٰ کے چنگل سے اپنے آپ کو آزاد کروائیں۔
- مشترکہ کرنسی بنانا جیسے یورپ کی کرنسی یورو وغیرہ۔
- مشترکہ ملٹی نیشنل کمپنیاں بنانا۔
- سود کا مکمل کر خاتمہ کرنا اور معیشت کو نظامِ زکوٰۃ و عشر پر اُستوار کرنا۔
- اپنا تمام سرمایہ اسلامک بینک میں رکھوانا اور اِس حوالے سے اسلامی بینک کی طرف سے پوری گارنٹی فراہم کیا جانا۔

(۵) معاشرت

- اسلامی اقدار کو فروغ دینے کی کوشش کرنا۔
- خاندانی نظام کو مضبوط کرنا۔ جنسی تشدد اور بے راہ روی ختم کرنا۔
- حجاب کو فروغ دینا۔
- میڈیا اور انٹرنیٹ کے ذریعے اخلاق تباہ کرنے والی فلمیں، ڈرامے اور دیگر چیزیں ختم کرنا۔
- دعوت و اصلاح کے جدید ادارے قائم کرنا۔

(۶) اخلاق

- اُمہ کو اعلیٰ اخلاقی اُصولوں کا پاس دار بنانا۔
- جھوٹ، بغض، عصبیت، حسد جیسے بُرے اخلاق کے خاتمے کے لیے اجتماعی کوشش کرنا۔

(۷) قانون و انصاف

- مسلم ممالک کی مشترک مجلس فقہ و اجتہاد بنانا۔
- مسلم ممالک کی مشترکہ پارلیمانی یونین اور مشترکہ چیف جسٹس کمیٹی بنانا تاکہ ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اُٹھایا جا سکے۔
- عالمی عدالت انصاف کی طرز پر اسلامی عالمی عدالت انصاف بنانا۔
- مسلم ممالک مل کر آئین کے بنیادی ڈھانچے پر اتفاق کر لیں۔ پاکستان میں قراردادِ مقاصد اِس حوالے سے اہم راہنمائی فراہم کر سکتی ہے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(ب) اِنتہاپسندی، مفہوم، اسباب اور حل

1- تعارف

اُمت مسلمہ جن مسائل سے دو چار ہے، اُن میں ایک اہم مسئلہ مذہبی اِنتہاپسندی سے متعلق ہے جس کی وجہ سے امن عامہ کا بُری طرح متاثر ہونا، عدم برداشت، رواداری کا فقدان اور دیگر خوفناک مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ قرآن وسنت کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اسلام میں انتہاپسندی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ زیرِ نظر سوال میں مذہبی اِنتہاپسندی کا مفہوم، اسباب اور حل کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

2- اِنتہاپسندی کا مفہوم

(۱) عربی زبان میں

انتہاپسندی کے لیے عربی زبان میں ''غلو'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

امام الفارابی لکھتے ہیں:

''کسی معاملہ میں حد سے گزر جانا غلو (اِنتہاپسندی) کہلاتا ہے۔''

(۲) انگریزی زبان میں

انگریزی زبان میں اس کے لیے ''Extremism'' کی اِصطلاح استعمال ہوئی ہے جس کے مختلف Dictionaries میں متعدد معانی بیان کیے گئے ہیں۔

"Extremism: The quality or state of being extreme; esp. advocacy of extreme political measures."
(Webster's New Collegiate Dictionary)

''انتہاپسند ہونے کی خصوصیت یا کیفیت انتہاپسندی کہلاتی ہے، جیسے انتہاپسندانہ سیاسی اقدامات کی حمایت کرنا۔''

"Extremism: Political, Religious etc. ideas or actions that are extreme and not normal, reasonable or acceptable to most people. (Oxford Advanced Learner's Dictionary)

''ایسے سیاسی، مذہبی خیالات یا اقدامات جو نارمل کیفیت سے نکل کر اِنتہا تک پہنچ جائیں اور لوگوں کی اکثریت کے ہاں وہ معقول یا قابل قبول نہ ہوں اِنتہا پسند کہلاتے ہیں۔''

Extremism: The quality, state or habit of going to extremes" (in views, or actions)
(Longman Modern English Dictionary)

''خیالات یا اقدامات میں آخری حد تک جانے کی عادت یا حالت انتہاپسندی کہلاتی ہے۔''

مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ کسی بھی معاملہ یا رائے میں شدت اور انتہا کی آخری حد تک چلے جانا ''انتہاپسندی'' کہلاتا ہے۔

3- مذہبی اِنتہاپسندی کا مفہوم

مذہبی اِنتہاپسندی سے مراد دینی معاملات میں حد سے بڑھنا ہے جب کہ اسلام دین معتدل ہے جو افراط اور تفریط کے درمیان واقع ہے۔ امام رازی لکھتے ہیں:

''اور غُلُوّ (اِنتہاپسندی) کمی وکوتاہی کی ضد ہے۔ غلو کا معنی حد سے نکل جانا، اور یہ اِس لیے کہ حق، زیادتی اور کمی کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ اور اللہ کا دین شدت اور کمی کے درمیان ہے۔''

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

مذکورہ بالا تعریفات کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ ''شریعت اسلامیہ میں جو وسعت اور اعتدال پسندی کا تناسب ہے، اس کو نظر انداز کرتے ہوئے مذہبی تعلیمات اور معاملات کو ایسی انتہا کی بھینٹ چڑھا دینا جو روح شریعت سے متصادم ہو، مذہبی اِنتہا پسندی ہے۔'' مثلاً ایسے مذہبی احکامات یا معاملات جو مباح یا مستحب ہیں، اُن کو فرض یا واجب کے بالمقابل لے آنا اور اسی طرح مکروہ تنزیہی اور اس کے قریب ترین کاموں کو حرام اور مکروہ تحریمی کے دائرہ میں داخل کرنا، یا استحبابی اعمال کے ترک کرنے والے پر سخت تنقید کرنا اور بعض مذہبی معاملات جن میں بحث ومباحثہ کی گنجائش ہے اور وہ اجتہاد اور غور وفکر کے متقاضی ہیں، ان میں صرف اپنی رائے کو اقرب الی الصواب سمجھتے ہوئے دوسروں کی رائے کو مکمل طور پر باطل قرار دینا یا اختلاف رائے کی صورت میں مرنے مارنے پر اتر آنا یا اس کی دھمکیاں دینا وغیرہ مذہبی انتہا پسندی ہے۔

4- مذہبی اِنتہا پسندی کا آغاز

مذہبی اِنتہا پسندی کی تاریخ اور آغاز پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس کا تعلق صرف امت مسلمہ سے نہیں ہے بلکہ یہ سوچ اور نظریہ نبی کریم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی بعثت سے قبل یہودیت اور عیسائیت یا مسیحیت میں موجود تھا۔ مثلاً یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا قرار دیا جس کی شہادت قرآن مجید میں موجود ہے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اس میں انتہا پسندی کا آغاز فتنہ خوارج کی فکر سے ہوتا ہے۔ جنھوں نے حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ تینوں کو نعوذ باللہ نہ صرف کافر کہا بلکہ اُن کے قتل کا فتویٰ بھی جاری کیا۔ حضرت علیؓ اسی وجہ سے خوارج کے ہاتھوں شہید کر دیے گئے جب کہ باقی دو صحابہؓ اُن کی تلواروں کی زد میں نہ آسکے۔

5- اِنتہا پسندی قرآن وسنت کی روشنی میں

قرآن کریم میں غلو (انتہا پسندی) کی سختی سے ممانعت آئی ہے۔ یہود ونصاریٰ نے جب غلو (انتہا پسندی) کیا تو اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں منع کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ (المائدہ:77)

ترجمہ: ''کہہ دیجیے! اے اہل کتاب تم اپنے دین میں ناحق زیادتی مت کرو۔''

بعض کہتے ہیں یہ آیت نصاریٰ کے بارے میں نازل ہوئی اور حضرت حسن بصری کہتے ہیں، یہود ونصاریٰ دونوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ مذکورہ بالا بحث کا خلاصہ یہ نکلا کہ قرآن کریم میں انتہا پسندی کی ممانعت ہے۔ شریعت اسلامیہ کے دائرہ میں رہتے ہوئے جو کام ہوگا، وہ اِنتہا پسندی نہیں کہلائے گا اور جو اِس سے متجاوز ہوگا، وہ اِنتہا پسندی ہونے کی وجہ سے ناجائز ہوگا۔ اِسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی ''غلو فی الدین'' کی ممانعت آئی ہے اور اِنتہا پسندی سے منع کیا گیا ہے۔ اِس لیے دینی تعلیم کے وقت ان احادیث کی خوب وضاحت ہونی چاہیے کہ اِنتہا پسندانہ رویوں کی احادیث مبارکہ میں حوصلہ شکنی کی گئی ہے اور اعتدال پسندی مطلوب ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

(الف) ایاکم والغلو فی الدین فانما اهلك من كان قبلكم

ترجمہ: ''اور تم دین میں سختی سے بچنا کیونکہ تم سے قبل کی اُمتیں دین میں غلو (انتہا پسندی) اختیار کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوگئیں۔''

(ب) هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ۔

ترجمہ: ''غلو کرنے والے ہلاک ہوگئے۔''

6- پاکستان میں اِنتہا پسندی کے اسباب

پاکستان میں اِنتہا پسندی کے محرکات اور اسباب کا جب جائزہ لیا جاتا ہے تو اِس بارے میں متعدد وجوہ سامنے آتی ہیں۔ چند اہم محرکات کا ذکر اور اِس کے تدراک کے لیے مطلوبہ بیانیہ پیش کیا جاتا ہے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(۱) فرقہ واریت

اِس وقت مذہبی اِنتہاپسندی کی ایک بڑی وجہ فرقہ واریت ہے۔ ہر جماعت اپنی شناخت اور انفرادیت کے لیے دوسرے سے ممتاز ہونا چاہتی ہے اور خود کو قبیح حق سمجھتے ہوئے دوسروں کو راہِ راست سے دُور سمجھتی ہے اور بسا اوقات اِسی پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ دوسروں کی تکفیر کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے۔ فرقہ واریت کے اس رویے سے عدم برداشت اور اِنتہا پرستی کے جذبات پروان چڑھتے ہیں، جب کہ قرآن وحدیث میں فرقہ پرستی کی کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔

ترجمہ: ''اور سب مل کر اللہ کی رسی مضبوط پکڑو اور پھوٹ نہ ڈالو۔''

اِسی طرح دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ.....(القرآن)

ترجمہ: ''تم اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنھوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا۔ اِنھی لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔''

مذکورہ بالا دونوں آیات فرقہ واریت کی مذمت کر رہی ہیں اور ایسے لوگوں کے لیے دردناک عذاب کی وعید ہے۔ اِسی طرح احادیث میں بھی فرقہ واریت سے منع کیا گیا ہے۔ مذکورہ بالا نصوص (Texts) اِس بات کو ثابت کر رہی ہیں کہ اسلام فرقہ واریت سے منع کرتا ہے۔ مگر نہایت افسوس کی بات ہے کہ ہم لوگ خود کو مسلمان کہلواتے ہیں، مگر قرآن وسنت کے بیان کردہ احکامات کو پس پشت ڈالتے ہوئے اپنی من مانی کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج اُمت مسلمہ اُن مسائل کے گرداب میں پھنس چکی ہے جو نقصان اور خسران کی طرف لے جا رہے ہیں۔

مطلوبہ بیانیہ

قابل غور بات یہ ہے کہ جب قرآن وسنت صریح الفاظ میں فرقہ واریت کی مذمت کرتے ہیں تو پھر یہ صورت حال کیوں پیدا ہو رہی ہے؟ اِس کی بڑی وجہ یہی ہے کہ اِن احکامات کی صحیح طریقے سے وضاحت اور اس حوالہ سے طلبا کی ذہن سازی نہیں ہو رہی۔ وہ صرف یہ سمجھتے ہیں کہ جو فرقہ ہمارا ہے یہی درست ہے اور باقی غلط ہے۔

(۲) اپنے مسلک کو دوسروں سے افضل سمجھنا

اِنتہاپسندی کا دوسرا بڑا محرک اپنے مسلک اور جماعت کو دوسروں کے مسالک اور جماعتوں سے نہ صرف بہتر سمجھنا بلکہ زور وشور سے قول وفعل کے ذریعے اُس کا پرچار بھی ہے، حالانکہ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا روزِ قیامت فیصلہ ہوگا کہ اللہ کے ہاں کون مقبول ہے؟ حدیث میں ایک مسلمان اور یہودی کا واقعہ آتا ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی کی آپس میں بحث ہوگئی۔ مسلمان نے کہا، ''اس ذات کی قسم جس نے محمد (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کو دُنیا پر فضیلت دی۔'' یہودی نے کہا، ''اس ذات کی قسم جس نے موسیٰ علیہ السلام کو دُنیا پر فضیلت دی۔'' اِس پر مسلمان نے یہودی کے چہرے پر تھپڑ مار دیا۔ یہودی نے سارا ماجرا رسول اللہ ﷺ کو سنایا۔ اِس پر آپ ﷺ نے مسلمان سے صورت حال دریافت کی اور فرمایا:

''مجھ کو موسیٰ علیہ السلام پر فضیلت نہ دو، اس لیے کہ لوگ قیامت کے دن بے ہوش ہو جائیں گے۔ میں بھی اُن لوگوں کے ساتھ بے ہوش ہو جاؤں گا۔ سب سے پہلے مجھے ہوش آئے گا تو میں دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ السلام عرش کا کونا پکڑے ہوئے ہوں گے۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بے ہوش ہو کر مجھ سے پہلے ہوش میں آ جائیں گے، یا اللہ تعالیٰ نے ان کو بے ہوشی سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔'' (صحیح البخاری 3/120)

دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''میں نہیں جانتا کہ وہ (موسیٰ علیہ السلام) بے ہوش ہونے والوں میں ہوں گے، یا ان کی پہلی (کوہ طور کی) بے ہوشی کافی ہوگی۔''

امام بدرالدین عینی اِس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

''اِس حدیث میں انبیا کے درمیان ایسی فضیلت بیان کرنے سے منع کیا گیا ہے جس میں دوسروں کی تنقیص کا پہلو نکلتا ہو کیونکہ یہ کفر ہے۔

اور اس حدیث میں ایسی فضیلت بیان کرنے سے بھی منع کیا گیا ہے جو لڑائی جھگڑے کا باعث بنے جیسے کہ مسلمان نے یہودی کو طمانچہ مار دیا۔''

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ایک حدیث میں فرمایا:

لاینبغی لعبد ان یقول انا خیر من یونس بن متی۔

ترجمہ: ''کسی کو یہ کہنا مناسب نہیں کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔''

آپ ﷺ کا یہ قول بھی موجود ہے:

انا سید ولد آدم۔

ترجمہ: ''میں اولاد آدم کا سردار ہوں۔''

جب کہ قرآن کریم کی درج ذیل آیت سے آپ ﷺ کی فضیلت اِن پر ثابت ہو رہی ہے:

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوتِ۔

ترجمہ: ''پھر آپ اپنے رب کے حکم کا انتظار کریں اور مچھلی والے جیسے نہ ہو جائیں۔''

امام ابن بطال لکھتے ہیں:

''اور اس آیت نے اِس بات پر دلالت کی کہ رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) حضرت یونس سے افضل ہیں، اسی لیے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُن کی مثل نہ ہونا، اور رہا آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ مجھے اُن پر فضیلت نہ دو، یہ بطریق تواضع ہے۔''

ایک حدیث میں تو مطلقاً فرمایا:

لاتخیروا بین الانبیاء۔

ترجمہ: ''پیغمبروں کو ایک دوسرے پر فضیلت نہ دو۔''

نوٹ: اِس بات میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنے تمام خصائص کی وجہ سے تمام انبیاء میں افضل ہیں۔ دیگر انبیاء کرام کو بھی کچھ خصوصیات کی وجہ سے جزوی فضیلت حاصل ہے۔ درج بالا احادیث انبیاء کی امتوں میں باہم جھگڑوں کو ختم کرنے پر دلالت کرتی ہیں۔

(۳) مخالفت وموافقت میں اِنتہا کرنا

مذہبی انتہا پسندی کا ایک اہم سبب اپنے مدمقابل جماعتوں کی مخالفت یا موافقت میں انتہا کرنا ہے کہ ہر وہ کام اور طریقہ اختیار کیا جائے جس سے دیگر مخالف جماعتوں اور گروہوں کی بھرپور مخالفت ہو یا کسی جماعت سے ایسی موافقت کا اظہار ہو کہ اس طرزِ عمل سے ان کی انفرادیت قائم ہو۔ یہ طرزِ عمل بسا اوقات اِس انتہا تک لے جاتا ہے جو دنگا فساد اور قتل وغارت کا موجب بنتے ہیں۔

(۴) رواداری کا فقدان

اِس وقت رواداری بالکل مفقود ہے۔ حالات کی سنگینی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ عوام تو ایک طرف، خواص ایک دوسرے کو برداشت کرنا، اکٹھے بیٹھنا تو درکنار، دیکھنے کو تیار نہیں ہیں۔ ظاہر ہے، جب اِس قسم کا طرزِ عمل مذہبی پیشواؤں اور طبقوں کی طرف سے آئے گا تو عوام پر اِس کے اثرات ویسے ہی مرتب ہوں گے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ عوام وخواص میں سے رواداری کے جذبات ختم ہو گئے ہیں۔ حالانکہ اسلامی تاریخ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ اسلام میں غیر مسلموں کے ساتھ بھی رواداری سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے چہ جائیکہ مسلمانوں کے ایک دوسرے تعلقات عدم رواداری کی نذر ہو جائیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے عراق میں اہل حیرہ سے صلح کے بعد جو معاہدہ لکھا، وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہدایات کی روشنی میں تھا۔

''اِن کے کلیسے اور گرجے نہ گرائے جائیں، نہ ان کے محلات میں سے کوئی ایسا محل گرایا جائے جس میں وہ دشمنوں کے حملہ آور ہونے کی صورت میں قلعہ بند ہو کر اپنا بچاؤ کرتے ہیں، نہ انھیں ناقوس اور گھنٹیاں بجانے سے روکا جائے اور نہ ہی اِن کے یوم عید پر صلیب نکالنے سے روکا جائے۔''

حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں جب شام فتح ہوا۔ تو آپؓ نے جو حضرت ابوعبیدہؓ کو خط لکھا۔ اس میں سے چند احکامات یہ تھے:

''اِن پر جزیہ لازم کرو، اِن کو گرفتار نہ کرو اور مسلمانوں کو ان پر ظلم کرنے، نقصان پہنچانے اور اِن کا مال کھانے سے منع کرو سوائے اس کے کہ جب کھانا حلال ہو۔ اور جن شرائط پر تم نے صلح کی ہے ان کو پورا کرو اور رہا ان کا عید کے دنوں میں صلیب لے کر نکلنے کا مطالبہ جو انھوں نے تم سے کیا ہے تو اگر وہ جھنڈوں کے بغیر سال میں ایک دن شہر سے باہر اس کو نکالنا چاہیں تو انھیں مت روکو۔''

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

مطلوبہ بیانیہ

مذکورہ بالا بحث کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ جب اسلام نے غیر مسلموں کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک برتنے کا حکم دیا ہے تو وہ کب اس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کے ساتھ رواداری سے نہ پیش آئیں۔

(۵) مفہوم اخذ کرنے میں بے احتیاطی

کئی مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ دوسروں کی بات کا صحیح مفہوم اخذ کیے بغیر بات ظاہری الفاظ کو بنیاد بنا کر طعن و تشنیع شروع کر دیا جاتا ہے۔ یہ بھی مذہبی انتہا پسندی کا ایک اہم سبب ہے جس سے اجتناب ضروری ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے جب اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں یوسف کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں تو انھوں نے کہا:

إِنَّكَ لَفِي ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ

ترجمہ: ''آپ اُس قدیم غلطی میں مبتلا ہیں۔''

ضلال کا لفظ عمومی معنی میں ہدایت کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے مگر یہاں یہ معنی مراد نہیں ہے کیونکہ یہ مفہوم پیغمبر کی شان کے لائق نہیں ہے۔ یہاں ضلال کا معنی ابن عباسؓ نے لفی خطیئتك کیا ہے۔ یعنی آپ حضرت یوسف علیہ السلام کی محبت میں ماضی کی غلطی میں ہیں۔ یہ گھر کے فرد نے اس لیے کہا تھا کہ اُن کے نزدیک حضرت یوسف علیہ السلام فوت ہو چکے تھے۔ قرآن کریم کی اس مثال سے واضح ہے کہ بعض اوقات لوگ بات کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکتے اور دوسروں پر فتویٰ صادر کر دیتے ہیں۔ اس طرزِ عمل سے بچنا چاہیے۔

(۶) اسلاف پرستی

اِس حوالہ سے مولانا عبدالرحمن قاسمی لکھتے ہیں:

''اِس وقت اسلاف پرستی اِس قدر مذہبی طبقوں میں راسخ ہو چکی ہے کہ کسی بھی شخصیت پر جائز اور تعمیری تنقید سننا بھی گوارا نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ انبیا کے بعد کوئی بھی شخص خطا سے معصوم نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اس کی تحریر یا تقریر میں کبھی کوئی خطا یا لغزش نہ ہوئی، اور اگر ایسا ہوتا بھی ہے تو بتقاضائے بشریت یہ معیوب نہیں ہے۔ مگر اُس وقت جو صورت حال ہے، کسی بھی مسلک کے پیروکار سے اگر کہا جائے کہ اس مسئلہ میں آپ کے امام، استاد یا عالم کی فلاح تحقیق درست نہیں ہے یا اس پر یہ سوالات ہوتے ہیں اور اس کے مقابلے میں فلاں کی بات درست ہے تو وہ لوگ قطع نظر اِس بات سے کہ ان کا تعلق کس جماعت سے ہے، شدید ردِ عمل کا اظہار کرتے ہیں یا ایسی تاویلات کا سہارا لیں گے جس سے ان کے امام، شیخ، استاد کی بات کی تردید نہ ہو سکے، اگرچہ وہ تاویلیں فاسد ہوں۔ اور یہ رویہ بھی صرف موجودہ دور کا نہیں ہے بلکہ صدیوں پہلے یہ رویہ سامنے آیا اور اب پوری طرح اپنی بنیادوں پر کھڑا ہے۔''

مطلوبہ بیانیہ

اِس لیے عصر حاضر کے محققین میں یہ حوصلہ ہونا چاہیے کہ اِن کی تحقیقات پر اگر کسی کو اعتراض ہو تو وہ اپنی تحقیقات پر نظر ثانی کریں۔ اگر اِصلاح کی ضرورت ہو یا رُجوع کرنے کی نوبت آئے تو ہچکچاہٹ نہیں ہونی چاہیے۔ اگر اس جماعت کے کسی امام یا عالم کی کوئی اصلاح طلب بات ہو تو اُسے تسلیم کرتے ہوئے قبول کر لیا جائے اور خواہ مخواہ کی بے جان وضاحتوں سے اجتناب کیا جائے۔ تقلید کا انکار نہیں ہے، مگر اندھی تقلید سے بچنا بھی ضروری ہے۔

7- اِنتہا پسندی کا حل

۱۔ مدارس اور مساجد کا نظام حکومت وقت کے ہاتھ میں ہو۔

۲۔ دینی تعلیم کا بندوبست سرکاری یونیورسٹیوں میں ہو۔

۳۔ الیف۔اے تک تعلیم ہر ایک کے لیے لازمی ہو۔ اِس کے بعد کوئی شخص چاہے تو ڈاکٹر بنے، انجینئر بنے یا عالم دین۔

۴۔ سرکاری یونیورسٹیوں میں جو طلبا اِنتہا پسندی کی طرف مائل ہوتے ہیں اگر بنیاد مذہب ہے تو اہل علم اور حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ طلبا کو مذہب کی درست تعبیر سے آگاہ کریں اور اگر بنیاد معاشی ہے تو اُن کے لیے باعزت روزگار کا بندوبست کیا جائے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

۵۔ سوشل میڈیا پر انتہا پسند رُجحانات کے خاتمے کے لیے عملی کوششیں کی جائیں۔
۶۔ دینی مدارس میں دُنیاوی تعلیم لازم ہو اور دُنیاوی یونیورسٹیوں میں مذہب کی درست تعلیم لازم ہو۔
۷۔ معاشرے میں امیر اور غریب کے فرق کو کم سے کم کیا جائے۔ غریب کے لیے بھی وسائل رزق فراہم کیے جائیں۔
۸۔ اِعتدال پسند اسلامی تعلیمات کو سلیبس کا حصہ بنایا جائے۔
۹۔ غیر مسلم اقلیتوں کے بارے میں اسلام کے درست مؤقف کی حکومتی اور غیر حکومتی سطح پر ترجمانی کی جائے۔
۱۰۔ خواتین کے حقوق و فرائض کی آگاہی کو قرآن و سنت کی روشنی میں نصاب کا حصہ بنایا جائے۔

8- خلاصۂ بحث

انتہا پسندی صرف پاکستان کا مسئلہ نہیں یہ عالمی مسئلہ بن چکا ہے۔ اِنتہا پسندی صرف دینی یا فرقہ ورانہ نہیں ہوتی یہ نسلی اور لسانی بھی ہو سکتی ہے۔ اگر ایک لسانی یا نسلی گروہ یہ سمجھتا ہے کہ ہم سب سے اعلیٰ ہیں تو گویا وہ گروہ فاشسٹ سوچ میں مبتلا ہے اور اِنتہا پسند ہے۔ جب کوئی ملک دہشت گردی کی ایسی لہر سے گزرے جس میں ہزاروں لوگوں نے حصہ لیا ہو تو دہشت گردی کی لہر کے خاتمے کے ساتھ ضروری ہوتا ہے کہ اُن گمراہ نوجوانوں کی اِصلاح کر کے اُنھیں دوبارہ سوسائٹی کا باعزت فرد بنایا جائے۔ ہمارے ہاں اکثر کہا جاتا ہے کہ دینی مدارس اِنتہا پسندی کا مصدر ہیں۔ مگر سوال یہ ہے کہ خیبر پختونخوا میں ایک یونیورسٹی کے اندر مشال خان کو قتل کیا جاتا ہے تو کیا قتل کرنے والے دینی مدارس کے لوگ تھے؟ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ہم بحیثیت قوم رواداری اور اِعتدال پسندی کو آہستہ آہستہ چھوڑ رہے ہیں۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ اسلام کے متوازن نظامِ حیات کو انفرادی اور اجتماعی زندگی کا حصہ بنایا جائے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

14- اسلام میں انتظام ریاست

1- تعارف

ریاست نبوی (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) میں حاکمیت واقتدارِ اعلیٰ کا منصب اللہ کے لیے خاص ہے۔ آپ ﷺ نے ریاست مدینہ میں تمام اُمور ریاست کو خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے انجام دیا۔ یہ اُصول اسلامی ریاست کو دیگر ریاستوں سے ممتاز کرتا ہے۔ یہ کارنامہ وہاں سرانجام دیا گیا جہاں کوئی مرکزی حکومت نہ تھی۔ آپ ﷺ اور خلفائے راشدین نے چودہ سو سال پہلے انتظامِ ریاست کے حوالے سے جو نمایاں اُصول عطا کیے ان میں اللہ تعالیٰ کی سیاسی وقانونی حاکمیت، نبی کریم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی تشریعی (Lawgiver) وتشریحی (Law explainer) حیثیت کے ساتھ ساتھ اولوالامر (خلیفہ) کی حیثیت تھی۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ''حکمرانی کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔'' جب کہ نبی کریم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کے حوالے سے ارشاد ہے ''پس نہیں، تیرے رب کی قسم! وہ ہرگز مومن نہیں ہوں گے جب تک وہ اپنے اختلاف میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ آپ کریں اس پر اپنے دل میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کر لیں۔'' (النساء:65) آپ ﷺ اور خلفائے راشدین نے اپنے عہد کے حوالے سے نمایاں محکمہ جات کی بنیاد رکھی۔ جن میں داخلہ، خارجہ، خزانہ، پوسٹل سروسز کے محکمہ جات کے ساتھ ساتھ عدالتی اور تعلیمی نظام نمایاں تھے۔ نیز اہم معاشی اور معاشرتی اصلاحات کیں۔ رسالت مآب ﷺ اور خلفائے راشدین کے انتظام ریاست کے اُصولوں کو دیکھتے ہوئے آج ہم اپنے نظام میں کئی بہتریاں لا سکتے ہیں۔

2- معنی ومفہوم

ڈاکٹر ایس۔ ڈی گوئیل (Dr. S. D. Goel) کے بقول یہ دو الفاظ کا مجموعہ ہے پبلک اور ایڈمنسٹریشن۔ لفظ Administer لاطینی الفاظ 'ad' اور 'ministare' سے مرکب ہے جس کے معنی 'to serve' اور 'to manage' کے ہیں۔ ڈکشنری کے مطابق انتظامیہ کا مطلب ''معاملات کا انتظام'' ہے۔

وڈروولسن کے بقول: ''انتظامیہ کا مطلب قانون کا تفصیلی اور منظم نفاذ ہے۔''

Woodro Wilson says: "Public administration is a detailed and systametic application of law."

Dwight Waldo says, "Public administration is the art and science of management applied to the affairs of the state."

McQueen says: "Public administration is administration related to the operations of government Whether central or local." (Prof. A. P. Tyagi Public Ammonization:5)

جدید انتظامیہ کی ابتدا اُنیسویں صدی میں ہوئی جب ریاستی معاملات نے سماجی توجہ حاصل کی۔ اس کے پہلے سکالرز Woodrow Wilson (1887ء) اور Wilson (1900) Frank Johnson Goodnow تھے۔

3- انتظامیہ کا تاریخی پس منظر

اسلام سے قبل عرب میں عوامی انتظامیہ کا تصور قبیلہ کے سردار کی صورت میں تھا جو لوگوں کے معاملات میں نمایاں کردار ادا کرتا تھا۔ وہ چیف جسٹس، منتظم اعلیٰ اور ثالث بھی تھا۔ مصر وروم کی سلطنتیں انتظامی نظام کے لحاظ سے بدترین تھیں۔ چین وہ پہلا ملک ہے جس نے میرٹ پر بیوروکریسی کا آغاز قبل مسیح 302 میں کیا جس کا انتخاب تحریری امتحان سے ہوتا تھا۔ Tong سلطنت میں 618-906ء کا دور چین میں سنہری دور کہلاتا ہے۔ چودھویں صدی عیسوی میں انگلینڈ میں انتظامی معاملات میں سب سے بہتر ملک تھا لیکن یہاں بھی بادشاہت نے لوگوں کو بنیادی حقوق سے محروم کر رکھا تھا۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

4- انتظامیہ آیات قرآنیہ کی روشنی میں

قرآن مجید کے نزدیک سرکاری اور حکومتی مناصب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک امانت ہیں جنھیں خدا ترس اور محنتی لوگوں کے سپرد کیا جانا چاہیے اِس امانت میں کسی شخص کو من مانی کرنے، اس کا ناجائز تصرف کرنے کا اختیار نہیں۔ اگر کوئی غیر ذمہ داری اور اس کے ناجائز استعمال کا مرتکب ہے تو وہ دین اسلام کے نزدیک گناہ گار ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰى أَهْلِهَا لا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ط (النساء:58)

ترجمہ: ''بے شک اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل لوگوں کے سپرد کردو اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے کام لو۔''

سورۃ القصص میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا ط وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (القصص:83)

ترجمہ: ''وہ آخرت کا گھر ہے جسے ہم نے ایسے لوگوں کے لیے بنایا ہے جو نہ (تو) زمین میں سرکشی وتکبر چاہتے ہیں اور نہ فساد انگیزی، اور اچھا انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے۔''

جب کہ ''سورۃ النور'' میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ

(النور:55)

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے ان لوگوں سے جنھوں نے تم میں سے ایمان قبول کیا اور عمل صالح کیا وہ ان کو زمین میں اپنا خلیفہ بنائے گا۔''

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پیروی نہیں کرتے، اللہ تعالیٰ نے اُن کے بارے میں سخت ترین الفاظ استعمال کیے ہیں:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (المائدہ:44)

ترجمہ: ''اور جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں وہ کافر ہیں''۔

ریاستی اُمور میں حضور ﷺ کی کیا حیثیت ہے؟ اِس کو اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرماتا ہے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (النساء:65)

ترجمہ: ''پس نہیں، تیرے رب کی قسم! وہ ہرگز مومن نہیں ہوں گے جب تک وہ اپنے اختلاف میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں پھر جو فیصلہ آپ کریں اس پر اپنے دل میں کوئی تنگی بھی محسوس نہ کریں بلکہ سر بسر تسلیم کرلیں۔''

جب کہ ''سورۃ احزاب'' میں اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ أَمْرًا أَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ ط وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا (الاحزاب:36)

ترجمہ: ''اور کسی مومن مرد اور عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ جب کسی معاملے کا فیصلہ کردیں، تو ان کے لیے خود اپنے معاملے میں فیصلہ کرنے کا اختیار باقی رہ جائے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرے وہ کھلی گمراہی میں پڑ گیا۔''

اصحاب ایمان جو اپنی ذمہ داری کو احسن طریقے سے نبھاتے ہیں ان کی ایک صفت یہ بیان کی گئی:

الْآمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ ط (التوبہ:112)

ترجمہ: ''نیکی کا حکم دینے والے برائی سے منع کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی حفاظت کرنے والے۔''

قرآن مجید کی درج بالا آیات انتظامی امور پر فائز لوگوں کے لیے اُصول فراہم کرتی ہیں کہ وہ نیکی کا حکم دینے والے، برائی سے منع کرنے والے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکامات کے پابند ہوتے ہیں۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

5- انتظامیہ احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں

حکمرانی کا اصل اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ بندوں کو یہ اختیار عطا کیا گیا ہے۔ نبی اکرم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے اپنے متعدد ارشادات میں اس اُصول کو پوری صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے:

- ''اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں اُنھیں ضائع نہ کرو کچھ حرمتیں مقرر کی ہیں ان کو نہ توڑو کچھ حدیں مقرر کی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو، اور کچھ چیزوں کے بارے میں خاموشی اختیار کی ہے، بغیر اس کے کوئی شخص بھول جائے، ان کی کھوج میں نہ پڑو۔'' (مشکوٰۃ)
- ''خبردار! تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار جو سب سے بڑا حکمران ہے وہ بھی نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔'' (صحیح مسلم)
- ''کوئی حکمران جو مسلمانوں میں سے کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ ہو، اگر اس حالت میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دھوکا اور خیانت کرنے والا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کردے گا۔'' (بخاری)
- ''کوئی حاکم جو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب سنبھالے پھر اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے جان نہ لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کرے وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ (بخاری ومسلم)
- نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا: ''اے ابوذر! تم کمزور آدمی ہو اور حکومت کا عہدہ ایک امانت ہے اور قیامت کے روز رُسوائی اور ندامت کا موجب ہوگا۔ سوائے اُس شخص کے جو حق کا پورا پورا لحاظ کرے اور جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے اسے ٹھیک ٹھیک ادا کرے۔ (صحیح مسلم)
- ''کسی حاکم کا اپنی رعایا میں تجارت کرنا بدترین خیانت ہے۔'' (کنزالعمال)
- ''جو شخص ہماری حکومت کے منصب پر فائز ہو، اگر بیوی نہ رکھتا ہو تو شادی کرے، اگر خادم نہ رکھتا ہو تو ایک خادم حاصل کرے، اگر گھر نہ رکھتا ہو تو ایک گھر بنائے، اگر سواری نہیں رکھتا تو ایک سواری لے۔ اس سے آگے جو شخص قدم بڑھاتا ہے (یعنی منصب کا ناجائز فائدہ اُٹھاتا ہے) وہ خائن ہے یا چور۔'' (کنزالعمال)
- تم پر لازم ہے کہ کتاب اللہ کی پیروی کرو۔ جس چیز کو اس نے حلال کیا ہے اسے حلال جانو اور جسے اس نے حرام کیا ہے اسے حرام تسلیم کرو۔'' (بخاری ومسلم)
- آپ ﷺ نے فرمایا ''حکومت اس کی سرپرست ہے جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔'' (ترمذی، مسند احمد)

درج بالا احادیث مبارکہ بھی انتظامیہ کے سربراہان، گورنرز، بیوروکریٹس اور حکومتی مشینری کے تمام عہدے داران کے لیے واضح راہنمائی فراہم کرتی ہیں کہ اُنھیں کس طرح لوگوں کے مسائل دیانت داری سے حل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

6- انتظامیہ سیرتِ طیبہ کی روشنی میں

انتظامی فیصلہ کے حوالے سے آپ ﷺ کی سیرت میں ابتدائی زندگی کا اہم واقعہ ملتا ہے۔ جب آپ ﷺ نے غریبوں، یتیموں اور بیواؤں کی مدد کے لیے ''حلف الفضول'' کے معاہدہ میں شرکت فرمائی۔ اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک 17 سال تھی جب کہ 25 سال کی عمر میں ''تنصیب حجر اسود'' کا معاملہ نہایت دانش مندی سے حل فرما کر اعلیٰ منتظم ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔ مکہ میں تمام اذیتیں برداشت کرنے کے باوجود صادق اور امین کے القابات سے نوازے گئے۔ مکہ میں ہی انتظامی حوالے سے درج ذیل دو بڑے واقعات آپ ﷺ کی انتظامی صلاحیتوں کو نمایاں کرنے کے لیے کافی ہیں۔

(۱) ہجرت حبشہ اور بیعت عقبہ

بعثت مبارکہ کے بعد 5 نبوی اور 7 نبوی میں آپ ﷺ نے کفار مکہ کی تکالیف سے مومنین کو بچانے کے لیے حبشہ کی طرف ہجرت کا حکم دیا۔ بیعت عقبہ میں ''نقباء'' (نمائندے) مقرر فرما کر حضرت مصعب بن عمیرؓ کو بطور معلم اور منتظم ساتھ مدینہ بھیجا۔ ہجرت حبشہ اور بیعت عقبہ آپ ﷺ کی انتظامی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

(۲) ہجرت نبوی (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم)

جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کو ہجرت کی اجازت ملی تو آپ ﷺ محاصرین کی آنکھوں میں خاک ڈالتے ہوئے گھر سے باہر تشریف لائے اور

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر غارِ ثور میں چھپ گئے۔ تین دن اس کے اندر رہے۔ کفار تلاش کرتے یہاں تک پہنچے مگر آپ ﷺ کو دیکھ نہ سکے۔ تین دن کے بعد آپ ﷺ نے مدینہ کا راستہ لیا۔ ہجرت مدینہ میں آپ ﷺ کی حکمت عملی (Strategy) بھی آپ ﷺ کی انتظامی صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

(۳) مسجد نبوی (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی تعمیر

مدینہ پہنچتے ہی آپ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد کے لیے جگہ حاصل کی اور مسجد نبوی بنائی۔ مسجد کے ساتھ ہی ازواجِ مطہرات کے لیے حجرے بنائے گئے۔ جب کہ ایک طرف اصحابِ صفہ کے لیے چبوترہ بنایا گیا۔

(۴) مواخات

مسجد کی تعمیر کے ساتھ ہی دوسرا کام آپ ﷺ نے یہ کیا کہ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک انصاری کا بھائی بنا دیا۔ جب تک مہاجرین نے اپنے مکانات تعمیر نہیں کرائے وہ انصار کے ساتھ ہی رہے۔ مواخات مدینہ انتظامی حوالے سے اتنا بڑا تاریخی فیصلہ ہے کہ اس سے پہلے کی تاریخ میں ایسی کوئی مثال ہی نہیں ملتی۔ اس بھائی چارے سے ہر مہاجر کی رہائش اور خوراک کا بندوبست ہو گیا، جو بنیادی انسانی حقوق میں سے ہے۔

(۵) یہود سے معاہدہ

مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ بھی آپ ﷺ نے ایک معاہدہ کیا، جس کی رو سے قرار پایا کہ فریقین ایک دوسرے کے مذہبی جذبات مجروح نہیں کریں گے۔ دشمن کے مقابلہ میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ مدینہ کے اندر خون ریزی نہیں ہوگی۔ تمام تنازعات کا آخری فیصلہ آپ ﷺ کریں گے۔

(۶) صلح حدیبیہ

ذیقعد 6 ہجری میں آپ ﷺ چودہ سو صحابہؓ کے ساتھ حج کے ارادہ سے نکلے۔ مکہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر بمقام ''حدیبیہ'' قریش نے روک دیا اور لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ ﷺ نے یکے بعد دیگرے دو قاصد بھیجے کہ ہم جنگ کے ارادہ سے نہیں آئے مگر انھیں قید کر لیا گیا۔ دوسرے قاصد حضرت عثمانؓ تھے جن کے شہید کیے جانے کی خبر پھیل گئی۔ آخر رحمتِ عالم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے صحابہؓ سے بیعت لی جو ''بیعت رضوان'' کے نام سے مشہور ہے کہ وہ اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔ تب قریش نے صلح پر آمادگی ظاہر کی۔ مگر اس سال حج نہیں کرنے دیا۔ اگلے سال حج کی اجازت دی اور یہ شرط طے ہوئی کہ اگر قریش میں سے کوئی مسلمان ہو کر مدینہ آئے تو آپ ﷺ اسے واپس کریں گے اور اگر کوئی مسلمان قریش سے جا ملے تو وہ اسے واپس نہیں کریں گے۔ واپسی کے وقت آپ ﷺ پر قرآن شریف کی ''سورۂ فتح'' نازل ہوئی اور اس میں صلح کا نام ''فتح مبین'' فرمایا گیا اور بتایا گیا کہ یہ عظیم الشان کامیابیوں کا پیش خیمہ ہے۔ پھر تاریخ نے ثابت کیا کہ کس طرح صلح حدیبیہ فتح مکہ کا سبب بنی اور کس قدر یہ صلح آپ ﷺ کی انتظامی صلاحیتوں کا منہ بولتا ثبوت بھی تھی۔

(۷) بادشاہوں کے نام خطوط

حدیبیہ سے واپسی پر آپ ﷺ نے ذیل کے بادشاہوں کے نام دعوتی خطوط لکھے۔ قیصر روم، کسریٰ، عزیز مصر، نجاشی، عرب کے اطراف کے بعض سرداروں کو بھی۔ قیصر کے نام کا خط ''ہرقل'' کے پاس پہنچا تو اس نے ابوسفیان کو جو اس وقت تجارت کے لیے ملک شام میں تھا، اسے بلا کر نبی رحمت ﷺ کے حالات دریافت کیے اور ابوسفیان کے جواب سن کر نتیجہ نکالا کہ آپ ﷺ حق پر ہیں، مگر پادریوں نے مخالفت کی۔ کسریٰ (شاہِ ایران) نے خط کو پھاڑ ڈالا اور آپ ﷺ کو گرفتار کرنے کے لیے سپاہی بھیجنے کا حکم دیا۔ یہ سپاہی مدینہ پہنچے تو آپ ﷺ نے انھیں اطلاع دی کہ تمھارا بادشاہ مارا گیا ہے اور اس خبر کی بعد میں تصدیق ہوئی۔ نجاشی مسلمان ہوا۔ بادشاہوں کے نام خطوط سے ریاست مدینہ کی اہمیت دور و نزدیک بڑی ریاستوں پر واضح ہوئی۔ ایران و روم پر واضح ہوا کہ مسلمان اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔

(۸) حجۃ الوداع

دسویں سال میں پورا عرب مسلمان ہو چکا تھا۔ رحمتِ عالم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) بھی حج کے لیے تشریف لے گئے۔ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انسانوں کا اجتماع تھا۔ سارا ملک عرب اب نہ صرف آپ ﷺ کا مطیع تھا بلکہ تمام غلط عقائد اور بے ہودہ رسوم کو چھوڑ کر عاشقِ توحید ہو چکا تھا۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

جبل عرفات پر آپ ﷺ نے خطبہ پڑھا۔ وحی نازل ہوئی کہ اب "دین کامل" آ گیا اور یہ کہ جب لوگ گروہ در گروہ دین اسلام میں داخل ہو گئے تو آپ ﷺ کا کام بھی پورا ہو چکا۔ حجۃ الوداع میں آپ ﷺ کا خطبہ حقوق و فرائض کی وہ دستاویز ہے جس کی مثال موجودہ ترقی یافتہ دُنیا بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

7- اسلام میں انتظامی ادارے

مسلمانوں نے جہاں پر دُنیا کے سامنے توحید و رسالت کے واضح عقائد رکھے وہاں پر انتظامی حوالے سے بھی کئی اہم ادارے مضبوط کیے۔ ذیل میں چند اداروں کا ذکر کیا جاتا ہے:

(۱) محکمہ سرکاری خط و خطابت (Official Correspondance Department)

اس محکمہ کے تحت رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش آمدہ مقدمات و معاملات کے احکام اور فیصلے لکھے جاتے، ہر قسم کے سرکاری کاغذات اور معاملات کو لکھا جاتا۔ مردم شماری اور مسلمان قبائل کو سرکاری ہدایات بھیجنا بھی اس شعبہ کا کام تھا۔ رسول اللہ ﷺ اور عام لوگوں کے قرض، لین دین کے معاملات اور آپ ﷺ کو داخل عرب کے مابین خط و کتابت نیز اموال صدقات اور کھجور کے درختوں سے آمدنی کا تخمینہ ضبط تحریر میں لانا اسی شعبہ توقیعات (OfficialCorrespondance Department) کے ذمہ تھا۔

(۲) محکمۂ احتساب (Department of Accountability)

اس محکمہ کے تحت لوگوں کے اخلاق کی نگرانی و اصلاح، سرکاری افسران کی تربیت اور ان کا محاسبہ (Accountability)، نیز تجارتی بدعنوانیوں کا خاتمہ بھی شامل ہے۔ محکمہ احتساب کی براہ راست نگرانی خود رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے۔ عوام الناس کے اخلاق کی نگرانی کا یہ کام سرکاری پیمانے پر غالباً درج ذیل ارشادِ الٰہی کی روشنی میں تھا:

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ (الحج: 41)

ترجمہ: "اگر ہم ان لوگوں کو اقتدار دیں گے تو یہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے اور لوگوں کو اچھائیوں کو حکم کریں گے اور برائیوں سے روکیں گے۔"

چنانچہ رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) عام طور پر لوگوں کے اخلاق اور دینی فرائض کے متعلق وقتاً فوقتاً احتساب فرماتے رہتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ ان کو اس بات پر توجہ دلاتے تھے کہ وہ احکامِ خداوندی کی پوری طرح پابندی کریں۔ چنانچہ اسلام کی بنیادی اور اُصولی چیزوں کی تعلیم و تربیت کے لیے حضور ﷺ نے تمام قبائل سے فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک قبیلہ کچھ لوگوں کو منتخب کر کے مدینہ بھیجے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ طرزِ عمل بھی سورۃ توبہ کی اس آیت کی تفسیر تھا جس کے الفاظ یہ ہیں کہ:

ترجمہ: اور مومنوں کو یہ نہیں چاہیے کہ وہ سب (اللہ کے راستے میں) نکل پڑیں بلکہ ہر جماعت میں سے کچھ افراد نکلتے جو دین (کا علم سیکھتے اور اس) میں سمجھ پیدا کرتے اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈر سناتے تا کہ وہ ڈریں۔" (التوبہ: 122)

(۳) محکمۂ داخلہ

ملک میں امن و امان قائم رکھنے، نظم و ضبط برقرار رکھنے اور اسے سیاسی و معاشرتی انتشار سے بچانے کے لیے شُرطہ یا پولیس وغیرہ کا انتظام ہر ریاست کی ایک بنیادی ضرورت ہے۔ یہ ضرورت اگرچہ ریاست نبوی (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کو بھی لاحق تھی لیکن اتنی شدید نہ تھی جتنی عام طور پر دُنیاوی ریاستوں میں ہوتی ہے۔ کیونکہ اوّل تو اسلام اپنے لفظی مفہوم میں امن و سلامتی ہے اور اپنی تمام تعلیمات میں اس کا داعی بھی ہے۔ دوسری اہم بات یہ ہے رسول اللہ ﷺ کا سیاسی کارنامہ ہی یہ تھا کہ آپ ﷺ نے عرب کے جنگجو قبائل میں قتل و غارت گری کی روایات کو ختم کر کے امن و سلامتی کی نئی فضا قائم کی تھی۔

(i) مدینہ کو دارالحرم قرار دینا

قیامِ مدینہ کے بالکل آغاز ہی میں رسول اللہ ﷺ نے منشورِ مدینہ کے ذریعے مدینہ کو حرم قرار دے دیا تھا۔ حرم کا مطلب صاف ہے کہ یعنی معینہ علاقے میں لڑائی جھگڑا، دنگا فساد، خون خرابہ، قتل و غارت گری اور بدامنی پھیلانا حرام ٹھہرایا اور اس طرح مدنی معاشرہ کو امن و سلامتی کی دولت بے بہا مل گئی۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

رات کی پہرہ داری اور چوکیداری کے لیے مدینہ میں ایک ''صاحب العسس'' (چوکیدار) بھی مقرر فرمایا تھا جس کا کام یہ تھا کہ راتوں کو گشت کرے، آواز لگائے اور مشکوک افراد کا پیچھا کرے۔

(ii) مجتسسین (Intelligence Officers)

رسول اللہ ﷺ نے بہرحال وقت اور حالات کے تحت مخبری اور جاسوسی کے ضروری انتظامات کیے اور ایک ''مُجَسِّس'' (Intelligence Officers) کا تقرر فرمایا۔ اس عہدے دار کا کام یہ تھا کہ مخالفین ریاست کی دشمنانہ سرگرمیوں کی اطلاع بہم پہنچائے اور دَارَالحرب (غیر مسلم ریاست جو مسلمانوں سے حالت جنگ میں ہو) میں رہنے والے مسلمانوں کے متعلقین کی خیریت سے مطلع کرے۔

(iii) دارُالحبس (جیل خانہ)

اندرون ریاست جرم کا ارتکاب کرنے والوں سے نمٹنے کے لیے رسول اللہ ﷺ انھیں تنبیہ بھی کرتے، ضروری سزا دیتے اور اگر مناسب سمجھتے تو انھیں محبوس فرما دیتے۔ اس غرض سے کبھی مسجد نبوی ﷺ ہی قید خانہ کا کام دیتی اور کبھی کسی کا گھر استعمال کیا جاتا تھا، بلکہ تاریخ سے تو یہ بھی پتا چلتا ہے کہ عہد رسالت (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) میں مردوں اور عورتوں کو علیحدہ علیحدہ قید خانوں میں رکھا جاتا۔ جنگی قیدیوں کے معاملہ میں بھی یہی صورت تھی۔ قیدیوں پر نگرانی کے لیے بھی افسروں کو مقرر کیا جاتا تھا۔ مجرموں پر حدود اللہ قائم کرنے کے لیے افسران علیحدہ تھے۔

(۴) محکمۂ خارجہ (Foreign Affair Department)

رسالت مآب (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی کوششیں صرف داخلی امن وامان کے قیام، عدل کے فروغ اور فتنہ وفساد کے دفعیہ تک محدود نہ تھیں اور نہ آپ ﷺ کا منشا محض قومی مفاد کا تحفظ تھا بلکہ آپ ﷺ کی حکومت کا قیام تمام انسانوں کی فلاح ونجات کے لیے عمل میں آیا تھا۔ آپ کی بعثت سارے عالم کے لیے تھی اور آپ ﷺ تمام دُنیا کو امن وسلامتی سے ہم کنار کرنے آئے تھے۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اندرونِ عرب اور بیرونِ عرب کی چھوٹی بڑی طاقتوں، معاصر بادشاہوں اور امرا ورُوسا سے مناسب وقت موقع ملتے ہی رابطہ پیدا کیا، انھیں دین حق کی دعوت دی، ضرورت کے تحت ان سے معاہدے کیے اور خط وکتابت کے ذریعے انھیں باضابطہ امن وسلامتی کا پیغام پہنچایا۔

(i) بیرونی ممالک سے خط وکتابت

اس شعبہ میں ایسے لوگ خاص طور پر مقرر کیے گئے تھے جو غیر ملکی زبانوں کے ماہر اور ان کے بہترین ترجمان تھے۔ ان کا کام غیر ملکی دستاویزات وخطوط کا مطالعہ وترجمہ، گفتگو کی صورت میں ترجمانی اور خطوط کا جواب دینا تھا۔ اس سلسلے میں دو اشخاص قابل ذکر ہیں۔ ایک حضرت عبداللہ بن ارقم ؓ جو بادشاہوں کو خطوط لکھنے پر مامور تھے اور رسول اللہ ﷺ کو ان پر اس درجہ اعتماد تھا کہ آپ ﷺ ان کو صرف مضمون بتا دیتے تھے اور پھر ''ابن ارقم'' خط لکھ کر بغیر سنائے ہوئے اس پر حضور ﷺ کی مہر ثبت کر دیتے تھے۔ دوسرے حضرت زیدؓ بن ثابت تھے جو وحی الٰہی کی کتابت کے علاوہ رؤسا کو خطوط بھی لکھتے تھے۔ جب یہ دونوں حضرات موجود نہ ہوتے تھے رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) یہ خدمت کسی اور تربیت یافتہ شخص کے سپرد کر دیتے تھے۔

(ii) غیر ملکی زبانیں سیکھنے کا حکم

جہاں تک غیر ملکی زبانوں کو جاننے اور سیکھنے کا تعلق ہے تو مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے اس کی ترغیب دی بلکہ بعض اوقات حکم بھی دیا جس کے نتیجے میں مختلف صحابہ نے پوری توجہ سے آپ ﷺ کے ارشاد پر عمل کیا۔ چنانچہ حضرت زیدؓ بن ثابت نے بعض غیر ملکی زبانوں کو صرف سترہ دنوں میں سیکھ لیا تھا اور کتاب یہود کی تعلیم پندرہ دنوں سے کم مدت میں مکمل کر لی تھی۔ ان کے علاوہ دوسرے متعدد صحابہؓ نے ملکی وسفارتی ضرورتوں کے تحت مختلف زبانوں کو بڑی مستعدی کے ساتھ سیکھا تھا۔

(iii) قابل ترین سفیروں کا انتخاب

چونکہ سفارت ''محکمہ تعلقات خارجہ'' کا اہم ترین عنصر ہے اس لیے منصب سفارت پر رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے صرف ان ہی لوگوں کا تقرر فرمایا جو اس کا حق ادا کر سکتے تھے اور جیسا کہ بعد میں پیدا ہونے والے تاریخی نتائج سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تمام سفارتیں انتہائی کامیاب

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ثابت ہوئیں اور ان کی وجہ سے جہاں وقت کے جبر و ظلم کے مقابلہ میں امنِ عالم کو فروغ ہوا اسی کے ساتھ ساتھ داخلی امن کو بھی بہت تقویت پہنچی۔ جس کے نتیجہ میں جلد ہی عرب کو گوشہ گوشہ سے سفارتیں دارالحکومت مدینہ آنے لگیں۔

(iv) ہدایا اور تحائف

روابط کے استحکام اور تعلقات کی بہتری کے سلسلے میں ہدایا اور تحائف کا بھیجنا بھی عالمگیر روایات میں شامل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے تحفے اور ہدایا کا تبادلہ نہ صرف یہ کہ دوست ممالک یا ہم خیال حکمرانوں سے ہی کیا بلکہ دشمن ممالک اور مخالفوں کو بھی ارسال ہدایا کرنے میں تکلف نہیں برتا۔ مثلاً عمرو بن اُمیہ ضمری کو ابوسفیان بن حرب کے پاس مکہ میں ہدایا دے کر بھیجا۔ علاوہ بریں سفراء کا تقرر رسول اللہ ﷺ نے جنگ، صلح اور پر امن حالات ہر زمانے میں کیا۔

(v) قبائل سے معاہدات

جہاں تک معاہدات کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں بھی رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیا اور معاہدہ کے ذریعے سیاسی کامیابیاں حاصل کرتے چلے گئے۔ اس ضمن میں معاہدۂ حدیبیہ، معاہدۂ ثقیف، اور معاہدۂ نجران وغیرہ کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ مجموعی طور پر اس شعبہ کی کارگردگی بہت اچھی رہی اور اس کی بنا پر ریاست نبوی ﷺ کی توسیع و ترقی کے مراحل انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ طے ہوتے چلے گئے۔

(۵) محکمہ مالیات

قرآن جس طرح اپنے نظام سیاست کی بنیاد حاکمیت باری تعالیٰ پر رکھتا ہے اسی طرح نظام معیشت کو بھی الہامی ضابطوں اور خدا پرستانہ تصورِ اخلاق پر استوار کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی تمام تر کوششیں اس بات پر مرکوز تھیں کہ معاشی انصاف کو بغیر کسی جبر سے قائم کیا جائے۔ اس غرض کے لیے زیادہ زور اس بات پر تھا کہ افراد معاشرہ کی ذہنی و اخلاقی تربیت ہو اور قانون و ریاست کی مداخلت کم سے کم ہو۔ نیز آپ ﷺ کی کوششوں کا رخ یہ تھا کہ لوگوں کے اندر ایمان بیدار کرنے اور تعلیم و تربیت کے ذریعے ان کو بہتر انسان بنانے کی تدابیر کی جائیں تا کہ افراد ایک دوسرے کے ساتھ رضا کارانہ تعاون اور بے غرضانہ فیاضی، ہمدردی اور احسان کا سلوک کرنے کے عادی ہوں۔ پھر جو کسر رہ جائے اس کو پورا کرنے کے لیے ریاست و قانون کی طاقت کو استعمال میں لا کر اجتماعی فلاح کا سامان بہم پہنچایا جائے۔ محاصل کے بغیر کوئی بھی حکومت اور اس کا نظم و نسق نہیں چلایا جاسکتا کیونکہ جس طرح ہر شخص کو اپنی زندگی گزارنے کے لیے دولت کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح حکومت کو بھی اپنے فرائض کی انجام دہی کے لیے رقم کی ضرورت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ ریاست کے لیے بھی محاصل ضروری تھے۔ ریاست کی آمدنی و اخراجات وغیرہ کی تنظیم و ترتیب کے لیے بھی ایک باقاعدہ ''محکمہ محاصل'' (ریونیو ڈیپارٹمنٹ) قائم تھا۔ اس شعبہ کے تحت ریاست کی آمد و خرچ کا حساب رکھا جاتا۔ اس محکمے کے حوالے سے چند اہم امور کا مطالعہ درج ذیل سرخیوں کی روشنی میں کیا جاسکتا ہے۔

(i) محاصل (Revenues) کے لیے الگ الگ افسران

یہ شعبہ مختلف شاخوں میں تقسیم تھا اور ہر شاخ کے ذمہ دار اور ہر نوع کے محاصل کے افسران الگ الگ تھے۔ کسی کا کام یہ تھا کہ وہ درختوں پر لگے ہوئے پھلوں کا جائزہ لے اور ان کے حساب سے ان پر جس قدر زکوٰۃ واجب ہو، اُسے باقاعدہ تحریر کرے تا کہ اس کی وصولی کا انتظام کیا جاسکے۔ کسی کے ذمہ اموالِ غنیمت کی تقسیم کا حساب شامل تھا۔ صدقات و زکوٰۃ کی املاک کا ریکارڈ علیحدہ رکھا جاتا تھا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ مالیاتِ ریاست کی تنظیم کے لیے ایک تو یہ شعبہ مستقل بنیادوں پر قائم تھا اور اس کے افسران اپنے متعینہ فرائض انجام دیتے تھے اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ وقت اور موقع کی مناسبت سے ایسے افسران کا تقرر بھی کر دیتے تھے جو عارضی طور پر مالیاتی شعبہ کی مختلف ذمہ داریاں سنبھال لیتے تھے۔ مثلاً میدان جنگ میں مالِ غنیمت کی دیکھ بھال اور نگرانی کے لیے افسر خمس، صاحب الجزیہ اور متولی خراج وغیرہ کا تقرر قابل ذکر ہے۔

(ii) اسلامی ریاست میں محاصل کا استعمال

محاصل کے باب میں رسول اللہ ﷺ نے کوئی نیا اضافہ نہیں کیا۔ بلکہ دُنیا کے مختلف حصوں میں جو محاصل پہلے سے معروف و متداول تھے آپ ﷺ نے ان میں سے ہی چند کو حسب ضرورت اختیار فرمایا۔ اسلام سے قبل دُنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں کی رعایا اپنے حکمرانوں کی حرص و ہوس کا شکار تھی۔ عرب، روم، ایران اور دوسرے علاقوں میں رعایا ٹیکسز کے سنگین شکنجوں میں جکڑی ہوئی تھی اور مذکورہ تمام سلطنتوں میں محاصل کا مقصد محض حکمرانوں کی عیش و عشرت تھی۔ لیکن ریاست

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

نبوی ﷺ ایک فلاحی اور خادمِ خلق ریاست تھی جو عوام کی معاشی کفالت و معاونت، قیام انصاف، ادائیگی حقوق اور غربت و افلاس کو مٹانے کے لیے وجود میں آئی تھی۔ تمام افراد ریاست کی بنیادی ضروریات کا بندوبست اور مجبور، اپاہج لاچار اور بے سہارا افراد کی مدد اس کا اہم فریضہ تھا۔

(iii) اہم مالیاتی محاصل

ریاست مدینہ کے اہم مالیاتی محاصل/ذرائع درج ذیل تھے:

- **غنیمت**

مالِ غنیمت دراصل ایک اتفاقی آمدنی ہے جو میدان جنگ میں قوت سے حاصل ہوتی ہے۔ غنیمت میں قیدی، عورتیں، اموال وغیرہ سب ہی شامل ہیں۔ عرب جاہلیت میں بھی مالِ غنیمت کا رواج تھا اور اس مال کو بالعموم شرکائے جنگ میں تقسیم کر دیا جاتا تھا، لیکن غزوہ بدر کے بعد قرآن کے حکم کی تعمیل میں آپ ﷺ نے اس کے پانچ حصے کیے تھے۔ اس میں سے چار حصے تو شرکائے جنگ میں تقسیم فرما دیے جب پانچواں حصہ بیت المال کے لیے محفوظ کر لیا۔ جسے اصطلاحاً خمس کہتے ہیں۔ اس حکم کے تحت بنو قینقاع کی پہلی غنیمت تھی جس کو آپ ﷺ نے پانچ حصوں میں تقسیم فرمایا تھا۔ خمس کے مصارف کو قرآن نے متعین کر دیا ہے۔ یعنی خمس اللہ کے لیے، رسول ﷺ کے لیے، قرابت داروں کے لیے، مساکین اور مسافروں کے لیے مختص ہے۔ اس سے اس امر پر بھی بخوبی روشنی پڑتی ہے کہ پہلے پہل بیت المال قائم ہوا تو ابتدائی آمدنی کے وقت سے ہی غریب و مسکین اور نادار لوگوں کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔

- **فَے**

ریاست نبوی ﷺ کی آمدنی کا ایک بڑا ذریعہ ''فَے'' بھی تھا۔ فَے سے مراد وہ مفتوحہ زمینیں تھیں جو بغیر جنگ اور فوج کشی کے براہ راست ریاست کی ملکیت میں آتی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے 4ھ میں بنو نضیر کو جلا وطن کیا تو ان لوگوں کے باغات اور کھیت رسول اللہ ﷺ کے قبضہ میں آ گئے۔ اسی طرح بعد میں بنو قریظہ کا مال و اسباب اور علاقہ ہاتھ آیا نیز خیبر کے قریب کئی علاقے بغیر جنگ رسول اللہ ﷺ کو مل گئے۔ چونکہ یہ مال، غنیمت سے بالکل الگ نوعیت کا تھا، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی روشنی میں اس کو سرکاری ملکیت قرار دیا اس کو خاص اپنے انتظام میں رکھا اور بعد میں اپنے اختیار سے نضیر کا کچھ علاقہ مہاجرین اور نادار انصار میں تقسیم کیا۔ بنو نضیر کے اموال میں سے ہی رسول اللہ ﷺ اپنے گھر کا سالانہ خرچ نکالتے تھے اور جو کچھ باقی رہ جاتا تھا اس کو ہتھیاروں، گھوڑوں اور اللہ کی راہ میں جہاد پر صرف کرتے تھے۔

- **خراج**

اس حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ لکھتے ہیں:

> ''وہ محصول اراضی (Land Tax) ہے جو غیر مسلموں سے وصول کیا جاتا تھا۔ یہ سب سے پہلے خیبر سے حاصل ہوا۔ فتح خیبر کے وقت چونکہ ایک طرف تو خود مسلمانوں کے پاس اتنے وسائل نہ تھے کہ وہ مفتوحہ زمینوں کی دیکھ بھال اور کاشت وغیرہ بآسانی کرا سکیں دوسری طرف یہود نے یہ پیشکش کی تھی کہ وہ ریاست نبوی ﷺ کے شہری کی حیثیت سے اس زمین پر کاشت کریں گے، اس لیے رسول اللہ ﷺ نے ان کی اس پیشکش کو قبول کرتے ہوئے پیداوار کا نصف بطور خراج مقرر فرما دیا۔ خراج کی یہ رقم جزیہ کی طرح مجاہدین کی تنخواہوں اور دوسری قومی ضروریات پر خرچ کی جاتی تھی۔ خراج کا محصول بھی کوئی نیا محصول نہ تھا، اسلام سے قبل مصر، شام، عراق، ایران، روم وغیرہ کی تمام سلطنتوں میں خراج اور جزیہ کے محصولوں کا رواج موجود تھا۔'' (عہد نبوی کا نظام حکمرانی)

- **جزیہ**

بقول ماوردی جزیہ 'جزا' سے مشتق ہے اور یہ امن دینے کی جزا یا اُس کا معاوضہ ہے۔ جزیہ کی وصولی کا حکم خود قرآن میں موجود ہے۔ بہر حال جزیہ وہ محصول تھا جو غیر مسلمانوں سے ان کی جان، مال، آبرو کی حفاظت اور عقیدے، رائے، ضمیر کی آزادی اور فوجی خدمت سے استثنا کے بدلے میں وصول کیا جاتا تھا۔ نیز جزیہ غیر مسلموں کے صرف آزاد مردوں پر واجب تھا، عورتوں اور بچوں پر نہیں اسی طرح بوڑھے آدمی جو کام کرنے سے معذور ہوں اور مفلس اور فاتر العقل افراد پر سے یہ ساقط تھا۔ غریب، اندھے، مفلوج اور راہب بھی اس سے مستثنیٰ تھے۔ یا اگر کوئی ذمی مسلمان ہو جاتا تب بھی یہ محصول ساقط ہو جاتا تھا۔

- **زکوٰۃ**

زکوٰۃ اسلامی مالیاتی نظام میں بہت اہمیت کی حامل تھی، یہ مال داروں سے اڑھائی فیصد وصول کی جاتی تھی۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

- **صدقات**

دیگر صدقات میں صدقاتِ نافلہ بھی تھے اور صدقات واجبہ بھی جیسے کفارات کے صدقات وغیرہ۔

(۶) عدالتی نظام

قرآن کریم میں ایک مقام پر مختصراً پیغمبروں اور رسولوں کے مشن پر اس طرح روشنی ڈالی گئی ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ ○ (الحدید:25)

ترجمہ: ''ہم نے اپنے رسولوں کو واضح ہدایات کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب و میزان کو نازل کیا تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ بحیثیت سربراہ ریاست، معاشرہ میں عدل و انصاف کے قیام و اجرا کے ذمہ دار تھے اور اسی لیے جسٹس ڈیپارٹمنٹ ریاست نبوی ﷺ کا ایک مستقل اور اہم ترین ڈیپارٹمنٹ تھا۔ عہد نبوی ﷺ میں عدالت و قضا کے تمام اختیارات اور قانون اسلامی کا نفاذ رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں تھا اور آپ ﷺ شارع حقیقی کے حکم کے بموجب فیصلے فرماتے تھے۔ آپ کے لیے حکم یہ تھا:

ترجمہ: ''اور آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ کیجئے کہ بلاشبہ اللہ انصاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' (المائدہ:42)

اور اسی سے متصل یہ بھی آتا ہے:

ترجمہ: ''ان کے درمیان اسی (قانون) کے مطابق فیصلہ کیجیے جو اللہ نے نازل کیا ہے۔'' (المائدہ:48)

ترجمہ: ''مجھے یہ حکم ہوا ہے کہ تمھارے درمیان عدل قائم کروں۔'' (القرآن)

(i) قاضی القضاۃ و مفتی اعظم

ان ہدایات کے پیش نظر رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے ریاست نبوی ﷺ میں انصاف رسانی کے مؤثر اقدامات فرمائے۔ مرکز میں آپ ﷺ خود ہی گویا قاضی القضاۃ اور مفتی اعظم تھے۔ تمام مقدمات آپ ﷺ کی عدالت میں پیش ہوتے تھے اور بالعموم مسجد نبوی ﷺ کو ہی ایوانِ عدالت کی حیثیت حاصل تھی۔ نیز چونکہ لوگوں کے درمیان اختلافات کو ختم کرنا اور ان کے نزاعات کا فیصلہ کرنا آپ ﷺ کا فرض منصبی تھا اور ریاست میں امن و اتحاد کی فضا قائم کرنے کے لیے بھی یہ امر ناگزیر تھا، اس لیے ہجرت مدینہ کے فوراً بعد ہی رسول اللہ ﷺ نے متحارب گروہوں کو شیر و شکر کرنے کے بعد سب سے بڑا کارنامہ یہ انجام دیا تھا کہ عدل و انصاف کو شخصی اور قبائلی سطح سے اٹھا کر مرکزی معاملہ بنا دیا۔

(ii) قاضی کی حیثیت سے آپ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کا معمول

قاضی اور حاکم کی حیثیت سے آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب بھی کوئی مسئلہ آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا جاتا تو آپ ﷺ اس کا جواب دے دیتے۔ اس قسم کے سوال و جواب کے لیے کوئی وقت اور مقام مقرر نہ تھا۔ ہر لمحہ اور ہر آن آپ ﷺ اس فریضے کو انجام دیتے رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا طریقہ کار یہ تھا کہ کسی معاملہ میں کتاب اللہ کا کوئی حکم موجود نہ ہوتا تو آپ ﷺ اپنی بصیرت اور اجتہاد سے فیصلہ دے دیتے تھے یا صحابہ سے مشورہ فرما کر کسی نتیجہ پر پہنچ جاتے اور پھر وہی فیصلہ اسلام کا قانون اور حکم بن جاتا تھا۔

(iii) آپ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کے فیصلوں کا نفاذ

جہاں تک فیصلے کا نفاذ کا تعلق ہے تو اس کے لیے آپ ﷺ اپنی طرف سے نائبین بھی مقرر فرماتے تھے۔ مثلاً ایک زانیہ کے مقدمہ میں انیس الاسلمی کا تقرر فرمایا تھا۔ مقدمات کے باب میں اثبات دعویٰ کی بڑی اہمیت ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''اگر لوگوں کے دعوے یوں ہی تسلیم کر لیے جائیں تو عدالتوں میں خون کے اور مال کے بہت سے دعوے دائر ہو جائیں۔''

قانونی نقطۂ نظر سے صرف وہی دعوے معتبر ہیں جو ثابت ہو جائیں اس لیے رسول اللہ ﷺ لوازماتِ ثبوت کے طور پر جن ذرائع اور وسائل کو اختیار فرماتے تھے ان میں سے ایک ''شہادت'' ہے۔ اور جس کی دلیل یہ حدیث ہے:

''مدعی ثبوت پیش کرے اور مدعا علیہ یا انکار کرنے والا حلف اٹھائے۔''

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(iv) قانونی مساوات

غرض رسول اللہ ﷺ کی تمام تر کوشش اس بات پر مرکوز تھی کہ انصاف سہل الحصول ہو اور اس معاملہ میں تعصب یا جانب داری سے کام نہ لیا جائے۔ قرآن میں بھی متعدد مقامات پر غیر جانب دارانہ عدل کی جو ہدایات دی گئی ہیں اس کے پیش نظر آپ ﷺ کے نزدیک قانون ہر ایک پر یکساں طور پر عائد ہوتا تھا۔ حتی کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے یہ کہہ کر عدل و انصاف کے معاملہ میں ہر قسم کی بدعنوانیوں کا خاتمہ کر دیا:

''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے اگر فاطمہ بنت محمد ﷺ نے بھی چوری کی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دیتا۔''

(v) آپ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کا فیصلہ حتمی

رسول اللہ ﷺ کے دور میں مقدمات بہت کم تعداد میں آتے تھے۔ غالباً اس لیے جب بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے کوئی حکم جاری ہوتا یا کوئی فیصلہ کر دیا جاتا تو اسے فی الفور تسلیم کر لیا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ محض ایک قانونی معاملہ نہ تھا دین و ایمان کا ایک تقاضا بھی تھا جس کی شہادت قرآن ان الفاظ میں دیتا ہے:

''تمھارے رب کی قسم یہ اس وقت مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ ﷺ کو اپنا حاکم (فیصلہ کن اتھارٹی) تسلیم نہ کریں ان معاملات میں جس میں اختلاف کرتے ہیں۔ پھر جس بات کا تم فیصلہ کر دو اس کے بارے میں ان کے دلوں میں کوئی تنگی واقع نہ ہو اور تمھارے فیصلہ کو دل و جان سے قبول کر لیں۔''

(النساء:65)

(vi) نفاذ قانون کے لیے ریاست کی طاقت کا استعمال

اس حوالے سے ڈاکٹر حمید اللہ رقم طراز ہیں:

''گویا نفاذ قانون کے لیے ریاست کی طاقت کو استعمال کرنے کی ضرورت کبھی کبھار ہی پڑتی تھی، ہر ایک اس قانون پر از خود عمل پیرا ہو جاتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ کی کوشش یہ بھی ہوتی تھی کہ تنازعہ یا مقدمہ عدالت میں باقاعدہ طور پر آنے سے پہلے ہی فریقین کی رضامندی سے ختم ہو جائے تو زیادہ بہتر ہے، قرآن نے بھی اس کی طرف ''والصلح خیر'' (اور صلح ہی بہتر ہے) فرما کر توجہ دلائی ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ اگر مسلمانوں میں باہم کوئی اختلاف یا نزاع کی صورت ہو جائے تو صلح کی اجتماعی کوششوں میں کمی نہ کرنی چاہیے۔ ہاں اگر نچلی سطح پر معاملات طے نہ ہو سکیں تو پھر عدالت عالیہ سے رجوع کیا جائے تاکہ انصاف کے تقاضے پورے ہوں۔ پھر انصاف کے تقاضوں کو کما حقہ ادا کرنے کے لیے آپ ﷺ کی یہ ہدایت بھی موجود ہے کہ: ''کوئی حاکم دو آدمیوں کے درمیان غصہ کی حالت میں فیصلہ نہ کرے۔'' کیونکہ اس صورت میں آدمی عدل سے تجاوز کر سکتا ہے۔'' (عہد نبوی کا نظام حکمرانی)

(vii) صوبائی قاضیوں کا تقرر

توسیع ریاست کے ساتھ ساتھ نظام عدالت میں بھی توسیع پیدا ہوئی۔ مرکز میں آپ ﷺ خود منصب قضا پر فائز تھے لیکن اس کے علاوہ صوبائی سطح پر بھی رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے قاضیوں کا تقرر کیا۔ عدالت و قضا کی ذمہ داریاں بھی بالعموم صوبائی سربراہوں یا والیوں کے سپرد کیں۔ گویا والی اپنے عہدہ کے لحاظ سے قاضی بھی تھا۔ چنانچہ حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کا حاکم اور عتابؓ بن اسید کو مکہ کا والی مقرر کیا تو یہ حضرات حکومت عامہ کے ساتھ ساتھ قاضی کے فرائض بھی سرانجام دیتے تھے۔ ان دونوں ادارات انتظامی کو یک جا کرنے کا سبب غالباً یہ تھا کہ ایک طرف تو انتظام ریاست اپنے ابتدائی مراحل میں تھا اور دوسری طرف مقدمات بہت کم آتے تھے۔

(viii) قاضیوں کے لیے شرائط

صوبائی قضاۃ اپنے فیصلوں میں پہلے کتاب اللہ اور پھر سنت رسول (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کو پیش نظر رکھتے تھے اور جب ان دونوں ماخذ میں کوئی راہنمائی نہیں ملتی تو بالآخر اپنے اجتہاد اور بصیرت سے کام لیتے تھے۔ اسی طرح جب آپ ﷺ نے حضرت علیؓ کو یمن کی جانب روانہ فرمایا تو یہ وصیت بھی فرمائی کہ جب تک تم فریق اول کی طرح فریق ثانی کا بیان نہ سُن لو فیصلہ نہ دینا۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر تم نے اجتہاد کیا اور اس میں ثابت قدم رہے تو دوہرا اجر ہوگا اور اگر خطا کر گئے تب بھی ایک اجر ضرور ملے گا۔

(ix) انصاف کے لیے باقاعدہ قوائد و ضوابط

جس زمانے میں رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے یہ نظام عدالت قائم فرمایا تھا اس وقت دُنیا عدالت و قضا کی حقیقتوں سے بہت دور تھی۔ بظاہر روم و ایران کی متمدن سلطنتوں میں عدالتی ادارے موجود تھے اور عرب جاہلیت میں بھی بلاشبہ شیخ قبیلہ وغیرہ نزاعات کے فیصلے کیا کرتے تھے

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اور یہ بھی صحیح ہے کہ لوازمات ثبوت کے ضمن میں قیافہ شناسی (چہرے سے اندازہ لگانا)، فراست (Spirntual wisdom)، قرعہ اندازی اور شہادت کا بھی رواج تھا اور قس بن ساعدہ کا یہ قول کہ: ''مدعی ثبوت پیش کرے اور انکار کرنے والا قسم اُٹھائے۔'' زبانِ زدِ خاص و عام تھا لیکن قضا کی یہ تمام صورتیں کسی قاعدے اور ضابطے کی پابند نہ تھیں۔

(x) عدالتی اختیارات میں مرکزیت

نظام عدالت کے سیاق و سباق میں رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے سب سے بڑا انقلاب یہ پیدا کیا کہ سیاسی و معاشرتی نظام عدالت کے ساتھ ساتھ عدالتی اختیارات کو بھی مرکزیت عطا کی۔ عدالت ایک شخص یا قبیلہ کا معاملہ نہ رہا بلکہ وہ اجتماعی اور معاشرتی معاملہ بن گیا۔ قانونی انتشار کی بجائے قانونی مساوات قائم ہوئی اور ہر اختلاف کی صورت میں مرجع خدا اور رسول ﷺ کی ذات ہوگئی۔

(۷) تعلیمی نظام

قرآن کی رُو سے رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) بنیادی طور پر معلم انسانیت ﷺ بنا کر بھیجے گئے تھے۔ اس کے تحت تعلیم کتاب و حکمت اور تزکیہ نفس آپ ﷺ کا بنیادی کام تھا۔ آپ ﷺ نے خود بھی یہ اعلان کیا تھا:

اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا

ترجمہ: ''بلاشبہ میں تو معلم ہی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔''

رسول اللہ ﷺ کی تعلیم زندگی کے کسی ایک گوشہ سے متعلق نہ تھی، بلکہ ہر لحاظ سے جامع اور ہر شعبہ حیات پر حاوی تھی۔ ہجرت مدینہ سے پہلے کی مکی زندگی اور جدوجہد کو نوعیت کے اعتبار سے علمی کہا جاسکتا ہے۔ آپ ﷺ پر نازل شدہ پہلی وحی میں اس حقیقت کی جھلک نظر آتی ہے۔ پھر ہجرت مدینہ کے بعد تو رسول اللہ ﷺ نے بطور خاص تعلیم و تعلم کی سرگرمیاں سرکاری حیثیت سے جاری فرمائیں۔

(i) مسجد تمام تعلیمی سرگرمیوں کا مرکز

اسلامی نظریہ حیات کی تعلیم، ان تعلیمات کا عملی سبق سکھانے اور ان بنیادوں کو واضح کرنے کے لیے جن پر اسلامی ریاست کو قائم کیا گیا تھا حضور ﷺ نے مسجد کو اپنی تمام سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔ آپ ﷺ نے تمام مسلمانوں پر جماعت سے نماز ادا کرنا لازم کیا تا کہ ایک طرف تو مسلمان مساوات، اخوت، تعاون اور نظم و اطاعت کا عملی سبق سیکھیں اور دوسری طرف جمعہ اور دیگر مواقع پر خطبات کے ذریعے دین و دُنیا کی تعلیم دی جاسکے۔ مسجد نبوی ﷺ میں بڑے پیمانے پر تعلیم و تربیت کے انتظامات کے سلسلے میں مسجد سے ملحق، صفہ کو کسی طور نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

(ii) صفہ درس گاہ کا قیام

مدینہ تشریف آوری کے بعد سب سے پہلے مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر ہوئی تھی اور اسی کے ساتھ ساتھ صفہ یا چبوترہ بھی تعمیر کیا گیا تھا۔ بقول ڈاکٹر حمید اللہ:

> ''صفہ کو اولین اسلامی اقامتی جامعہ کہا جاسکتا ہے۔ اس اقامتی جامعہ میں قرآن کی تعلیم، حفظ، ناظرہ، تجوید اور دیگر اسلامی علوم کی تعلیم کا بندوبست تھا جس کی نگرانی خود رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے اور وہاں پر مقیم طالبانِ علم کی غذا وغیرہ کا اہتمام بھی کیا کرتے تھے۔ درس گاہ صفہ میں نہ صرف مقیم طلبا کی تعلیم کا انتظام تھا بلکہ ایسے لوگوں کی تعلیم کا بھی جن کے گھر مدینہ میں تھے اور وہ صرف درس کے لیے وہاں حاضر ہوا کرتے تھے۔ مقیم طلبا کی تعداد گھٹتی بڑھتی رہتی تھی اور ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک وقت ان کی تعداد ستر بھی تھی۔'' (عہد نبوی کا نظام حکمرانی)

(iii) اسیرانِ جنگ سے تعلیم کا حصول

اسیرانِ جنگ کے لیے فدیہ کے طور پر رقم کے علاوہ یہ بات طے کی تھی کہ جو قیدی لکھنا پڑھنا جانتا ہو وہ دس مسلمان بچوں کو اس فن کی تعلیم دے۔

(iv) ''دارالقراء'' کے نام سے درس گاہ

مؤرخین کی تصریحات کے مطابق مدینہ میں صفہ کے علاوہ ایک اور اقامتی درس گاہ بھی تھی جو مخرمہ بن نوفل کے مکان میں ''دارالقراء'' کے نام سے قائم تھی۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(v) مدینہ کی مساجد تعلیم کی نشر و اشاعت کا ذریعہ

جس طرح ''مسجد نبوی ﷺ'' کی نشر و اشاعت کا بڑا ذریعہ تھی، اسی طرح مدینہ کی دیگر مساجد بھی اس باب میں خاصی اہمیت رکھتی ہیں جن کی تعداد نو تک پہنچ گئی تھی۔ مسجد قباء کے مدرسہ کے نگرانی بقول ڈاکٹر حمید اللہ شخصی طور پر خود رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) فرمایا کرتے تھے۔

(vi) مدینہ سے باہر معلمین کے وفود کی رہنمائی

مدینہ سے باہر تعلیم کی غرض سے رسول اللہ ﷺ وقتاً فوقتاً معلمین اور قراء کو روانہ فرمایا کرتے تھے۔ اس سلسلے میں تاریخ کے دو واقعات بہت مشہور ہیں یعنی ایک بئر ''معونہ'' کا واقعہ جس میں رسول اللہ ﷺ نے ستر قراء کو قبائل نجد میں تعلیم و تربیت کے لیے صفر 4 ھ میں روانہ کیا تھا۔ دوسرا واقعہ ''رجیع'' کا ہے۔ یہ دوسری تعلیمی مہم تھی۔ ریاست میں علمی ترقی کے لیے رسول اللہ ﷺ کا مستقل طریقہ یہ تھا کہ معلموں اور قاریوں کو برابر ملک کے مختلف حصوں میں بھیجا جاتا رہا ہے۔

(vii) نجران کے عامل عمرو بن حزم کا کام

نجران پر ''عمروؓ بن حزم'' کو عامل بنایا اور ان کا کام یہ بتایا گیا کہ لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں، قرآن سکھائیں اور ان سے صدقات وصول کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم دین کے لیے کوششیں اور انتظامات رسول اللہ ﷺ نے بالکل سرکاری پیمانے پر کیے۔ نیز تعلیم دین کو تربیت یافتہ معلمین کے علاوہ صوبہ کے گورنروں کے فرائض منصبی کا حصہ بنایا۔ یہ انتظامات صرف یمن یا ملک کے کسی ایک حصہ کے مخصوص نہ تھے بلکہ تمام حدود مملکت میں اس قسم کا اہتمام کیا گیا تھا۔ چنانچہ عتابؓ بن اسید کو مکہ پر عامل بنایا تو ان کے ساتھ معاذؓ بن جبل کو بھی مقرر کیا تا کہ وہ لوگوں کو دین کی تعلیم دیں اور قرآن سکھائیں۔

(viii) خواتین معلمات

علاوہ ازیں جہاں ضروری سمجھا انفرادی طور پر بھی اساتذہ کا تقرر فرمایا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمی سیاست میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو بھی اہمیت دی گئی۔ چنانچہ تاریخ سے پتا چلتا ہے کہ عہد نبوی (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) میں نہ صرف معلمین بلکہ معلمات بھی اشاعت تعلیم میں حصہ لیتی تھیں۔

(ix) صدر ناظم تعلیمات

ڈاکٹر حمید اللہ کے بیان کے مطابق صوبائی درس گاہوں کا معیار بلند کرنے کے لیے رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے صوبہ یمن میں ایک ''صدر ناظر تعلیمات'' کو بھی مقرر کیا تھا، جس کا کام یہ تھا کہ مختلف اضلاع میں ہمیشہ دورہ کرتا رہے اور وہاں کی تعلیم اور تعلیم گاہوں کی نگرانی کرے۔

(۸) دفاعی نظام

حضور نبی اکرم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی دس سالہ مدنی زندگی میں 83 کے قریب غزوات و سرایا ہوئے ہیں۔ اسلام کے فروغ و اشاعت کے لیے آپ ﷺ کو ہر سال اوسطاً آٹھ، نو جنگوں سے نبرد آزما ہونا پڑا۔ ان تمام جنگوں اور عسکری مہمات کا مقصود اقامت دین اور بحالی حقوق انسانیت تھا۔ نتیجتاً دس لاکھ مربع میل (One million sq. miles) تک اسلامی سلطنت کو غلبہ حاصل ہوا۔ مگر اس پوری جنگ و دفاعی زندگی میں فریقین کے محض چند سو آدمی کام آئے۔ جنگی عمل کا اتنے غیر جنگی اثرات کا حامل ہونا آپ ﷺ کے بے مثال سپہ سالار ہونے کی دلیل ہے۔ حالانکہ اسلامی ریاست کی بعد ازاں ہونے والی جنگوں میں بعض اوقات ایک ہی جنگ میں اس قدر جانی نقصان ہوا جتنا حضور ﷺ کی سپہ سالاری میں دس سال کی جنگوں میں نہیں ہوا تھا۔ حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں فتوحات کے سلسلے کی پوری تاریخ انسانیت میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ اس سلسلے میں مائیکل ہارٹ (Michael H. Hart) کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"The Bedouin tribesmen of Arabia had a reputation as fierce warriors But their number was small; and plagued by disunity and internecine warfare, they had been no match for the larger armies of the kingdoms in the settled agricultural areas to the north. However, unified by Muhammad for the first time in history, and inspired by their fervent belief in the one true God, these small Arab armies now embarked upon one of the most astonishing series of conquests in human history. To the northeast of Arabia lay the large Neo-Persian Empire of the Sassanids; to the northwest lay the Byzantine, or

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

Eastern Roman Empire, centered in Constantinople. Numerically, the Arabs were no match for their opponents. On the field of battle, though, the inspired Arabs rapidly conquered all of Mesopotamia, Syria, and Palestine. By 642 Egypt had been wrested from the Byzantine Empire, while the Persion armies had crushed at the key battles of Qadisiya in 637, and Nehavend in 642.

''عرب میں بدو قبیلے کے لوگ خوفناک جنگجو ہونے کے لحاظ سے شہرت رکھتے تھے لیکن اُن کی تعداد تھوڑی تھی اور وہ نا اتفاقی کی وبا اور باہمی جنگوں میں پھنس گئے تھے۔ وہ شمالی زرعی علاقوں کی سلطنتوں کی بری افواج کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔ تاہم محمد مصطفیٰ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی ذات اقدس کی وجہ سے تاریخ میں پہلی مرتبہ ایمان سے سرشار ہونے اور خدائے واحد پر اپنے پختہ یقین کی وجہ سے ان چھوٹی چھوٹی عرب فوجوں نے حیرت انگیز طور پر انسانی تاریخ میں فتوحات کا ایسا تسلسل قائم کیا کہ عقل انسانی دنگ رہ گئی۔ عرب کے شمال مشرق میں ساسانیوں کی وسیع وعریض سلطنت تھی۔ شمال مغرب میں بازنطینی یا مشرقی رومی سلطنت تھی جس کا مرکز قسطنطنیہ تھا۔ تعداد کے لحاظ سے عربوں کا اپنے مخالفوں سے مقابلہ کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔''

(۹) صوبائی نظام

رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) ایک منظم ومرتب حکومت کے سربراہ تھے۔ مدینہ پوری ریاست کا صدر مقام تھا، نیز اس سے ملحق علاقوں کا انتظام وانصرام براہ راست رسول اللہ ﷺ کے سپرد تھا۔ تاہم انتظام حکومت کو بہتر طور پر چلانے کے لیے آپ ﷺ نے پوری ریاست کو مختلف حصوں یا صوبوں میں منقسم کر دیا تھا اور ہر علاقہ پر ایک گورنر مقرر کیا تھا۔ چونکہ ریاست کی نشوونما بتدریج مکمل ہوئی، اس لیے صوبوں کی تشکیل اور انتظامیہ میں بھی حالات وضروریات کے لحاظ سے تبدیلی کی گئی۔ اس کی واضح ترین مثال یہ ہے کہ یمن کا جو صوبہ ریاست نبویؐ کے قیام سے پہلے چلا آ رہا تھا، رسول اللہ ﷺ نے اسے حسب سابق ایک صوبہ رہنے دیا اور اس پر ''باذان بن سامان'' کو والی متعین کیا جبکہ باذان کے انتقال کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کے لڑکے کو شہر کا والی بنایا۔

(i) ریاست کی صوبہ جات میں تقسیم

رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کے علاوہ پوری ریاست کو چودہ صوبوں میں تقسیم فرمایا تھا اور جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر چکے ہیں یمن کو ایک کے بجائے پانچ صوبوں میں بانٹ دیا۔ ان کے علاوہ دوسرے صوبے یہ تھے: نجران، مکہ، تیمائ، وادی القریٰ، عرینہ، بحرین، قطیف بحرین، عمان اور اس کے مضافات، اور طائف۔

(ii) والیوں اور گورنروں کا تقرر

والیوں اور گورنروں کے تقرر کے لیے ان لوگوں کو نااہل سمجھا جاتا تھا۔ جو اپنی خدمات خود پیش کرنا چاہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک کسی بھی والی یا حاکم کی اہلیت کی سب سے اہم شرط یہ تھی کہ وہ اسلام سے نہ صرف واقف ہو بلکہ اس کا عالم ہو اور دین ودُنیا کے مسائل میں ایسی بالغ نظری یا بصیرت رکھتا ہو کہ وقت ضرورت آزادانہ اجتہاد کر سکے۔ حضرت معاذؓ بن جبل کی روانگی کے وقت رسول اللہ ﷺ نے ان سے مذکورہ باتوں کا امتحان لیا تھا۔

(iii) حکام اور والیوں کے لیے شرائط

حکام اور والیوں کے لیے اس شرط کو پورا کرنا دو وجوہات سے ضروری تھا۔ ایک تو اس لیے کہ ریاست نبوی ﷺ ایک نظریاتی اور دستوری ریاست تھی اور اس کے کلیدی مناصب پر لازماً ایسے ہی لوگوں کو فائز کیا جا سکتا تھا جو اس کے نظریۂ حیات پر یقین کامل رکھتے ہوں اور دوسری وجہ یہ تھی کہ حکام منتظم صوبہ سے بڑھ کر اسلام کے داعی اور مبلغ تھے۔ اس لیے ان کے فرائض ولایت میں سے ایک اہم اور مقدس فریضہ اشاعت اسلام اور تعلیم دین تھا۔ رسول اللہ ﷺ مذکورہ فریضہ کو اس تحریری دستاویز میں بھی مندرج کر دیتے تھے جو تقرر کے وقت والیوں کو ہدایت نامہ تقرر (Instrument of instructions) کے طور پر دیا جاتا۔

(iv) حضرت عمرو بن حزم کو ہدایات

والیوں کے دیگر فرائض کو سمجھنے کے لیے ''عمروؓ بن حزم'' کے نام رسول اللہ ﷺ کے خط کا حوالہ دینا ضروری ہے۔ طبری کے بیان کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے عمروؓ بن حزم کو پہلے تو تقویٰ اختیار کرنے کی ہدایت کی اور پھر یہ فرمایا:

- لوگوں کو خوشخبری سناؤ اور انھیں اچھائیاں اختیار کرنے اور برائیاں چھوڑنے کی ہدایت کرو۔
- تمام امور میں عدل وانصاف سے کام لو۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

- انذار (ڈرنا) اور تبشیر (بشارت دینا) دونوں کی تلقین کرو۔
- لوگوں کے دل موہ لینے کی کوشش کرو۔
- اسلام احکامات کی تعلیم دو، خصوصاً حج اور عمرہ کے ارکان و آداب بتاؤ۔
- نعرۂ عصبیت بلند کرنا ممنوع ہے۔
- وضو کے مکمل اور صحیح طریقے کی تفصیل۔
- نمازوں کو وقت پر ادا کرنے کی ہدایت اور اوقات کا مفصل بیان۔
- مالِ غنیمت کا خمس، عشر اور نصف عشر کا نصاب، شرح اور وصولی کی وضاحت۔
- ادائیگی صدقات کا حکم۔
- اہل کتاب میں سے جو لوگ اسلام قبول کر لیں ان کے حقوق و فرائض عام مسلمانوں کے برابر ہوں گے لیکن جو اسلام نہ قبول کریں ان کے حقوق اس کے مطابق ہوں گے اور انھیں جزیہ ایک دینار فی کس کے حساب سے دینا ہوگا۔

(v) حضرت معاذ بن جبلؓ کو وصیت

کم و بیش اس سے ملتا جلتا مضمون اس وصیت کا بھی ہے جو یمن کو روانہ کرتے وقت حضرت معاذ بن جبل کو دیا گیا تھا۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے یہ لکھا تھا کہ:

"تم اہل کتاب کے پاس جاؤ تو پہلے ان کو کلمہ توحید کی دعوت دینا، اگر وہ اس کو مان لیں تو ان کو بتاؤ کہ اللہ نے ان پر صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے امراء سے لے کر ان کے فقراء پر تقسیم کر دیا جائے گا۔ اگر وہ اس کو بھی تسلیم کر لیں تو ان کے بہترین مال سے احتراز کرنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔"

(vi) والی ریاست کے فرائض

مندرجہ بالا بیانات کی روشنی میں جہاں تک والی ریاست کے فرائض کا تعلق ہے تو وہ حسب ذیل تھے:

- صوبہ میں قانون کی تنفیذ اور امن و امان کے قیام کی ذمہ داری۔
- صوبہ کا عام انتظام۔
- اشاعتِ اسلام اور فرائض و سنت کی تعلیم۔
- مقدمات و نزاعات کا فیصلہ
- تحصیل محاصل (خراج، جزیہ صدقات وغیرہ کا اکٹھا کرنا)

ان فرائض میں سے آخری دو ذمہ داریاں بعض اوقات دو علیحدہ افسروں کے سپرد کی جاتی تھیں یعنی عامل صدقات (زکوٰۃ اکٹھی کرنے والے) علیحدہ مقرر ہوتا اور قاضی علیحدہ، کبھی ایک ہی شخص کو تحصیل محاصل اور قضاء (Tax collection and decision making) دونوں پر مامور کر دیا جاتا اور کبھی ولایت، قضا اور تحصیل صدقات (Govering, Judiciary and tax collection) کے تمام مناصب ایک ہی شخص یعنی "والی" کو سونپ دیے جاتے تھے جس کا اندازہ عمرؓو بن حزم اور معاذؓ بن جبل دونوں کے نام مکتوب نبی ﷺ سے لگایا جا سکتا ہے۔

(vii) والیوں کی تنخواہ اور معاوضہ

ان فرائض کی بجا آوری پر ریاست کی جانب سے والیوں کو تنخواہ اور بقدر ضرورت معاوضہ بھی ادا کیا جاتا تھا۔ اس کی شرح رسول اللہ ﷺ نے خود مقرر فرمادی تھی، ارشادِ رسول ﷺ ہے:

ترجمہ: "جو شخص ہمارا عامل ہو اس کو ایک بیوی کا خرچ لینا چاہیے، اگر اس کے پاس نوکر نہ ہو تو نوکر کا، اگر مکان نہ ہو تو مکان کا خرچ لینا چاہیے لیکن اگر کوئی اس سے زیادہ لے گا تو وہ خائن ہوگا۔"

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

ہر صوبہ میں گورنروں کا تقرر بھی رسول اللہ ﷺ خود فرماتے تھے اور اگر ان کے بارے میں کسی قسم کی شکایتیں ملتی تھیں تو تبادلہ کر دیا جاتا نیز اطمینان بخش کارکردگی نہ ہونے کی بنا پر معزول بھی فرما دیا کرتے تھے۔ بہرحال صوبہ کی امارت وولایت کے سلسلے میں مندرجہ بالا پہلو ایسے ہیں جن کی بکثرت مثالیں ماضی وحال کے انتظامِ حکومت میں مل سکتی ہیں اور اس قسم کی لچک کا ہونا ایک صحت مند سیاسی نظام کے لیے بہت ضروری ہے۔

8- خلاصۂ بحث

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ رحمت عالم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) اور آپ ﷺ کے خلفا نے اُس وقت کی موجود دُنیا میں سب سے بہترین ادارے نہ صرف قائم کیے بلکہ عملاً چلا کر بھی دکھائے۔ آپ ﷺ نے اور خلفائے راشدین نے جس گہرے سیاسی شعور، تجربے اور بیدار مغزی کا ثبوت دیا، اس کی تاریخ عالم میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ علامہ اقبالؒ نے بالکل درست فرمایا:

؎ در شبستان حرا خلوت گزید
قوم و آئین و حکومت آفرید

آپ ﷺ غارِ حرا میں خلوت میں رہے، وہاں سے نکلے تو دُنیا کو ایک بہترین قوم، ایک بہترین حکومت اور ایک بہترین آئین عطا کیا۔ پاکستان کے لوگوں کو بھی آج ان تینوں چیزوں کی بہت ضرورت ہے۔ ریاست نبوی ﷺ کے مطالعہ اور عملاً اس کے اُصولوں کو نافذ کیے بغیر امن اور ترقی محض خواب ہی ہوگا۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

15- سرکاری ملازمین کی ذمہ داریاں

1- تعارف

سرکاری افسران ریاست کے نمائندہ کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ اُن کے اور ریاست کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے جس پر حلف اُٹھا کر افسران دستخط کرتے ہیں۔ اُس حلف اور اقرار میں کچھ چیزیں بہت نمایاں اور کچھ پوشیدہ ہوتی ہیں۔ اسلام کی روشنی میں سرکاری افسران کی کیا ذمہ داریاں ہیں، ذیل میں انھیں زیر بحث لایا جاتا ہے۔

2- معاملات میں دیانت داری

ایک سرکاری افسر کی بنیادی ذمہ داریوں میں سے ہے کہ وہ معاملات میں دیانت دار ہو۔ اس حوالے سے ذخیرۂ احادیث میں ایک انتہائی اہم حدیث درج ذیل ہے:

> حضرت ابوحمید ساعدیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنو اسد کے ایک شخص کو صدقات جمع کرنے پر عامل بنایا۔ اُس کا نام "ابن اللتبیہ" تھا۔ جب وہ صدقات وصول کر کے آیا تو اُس نے کہا "یہ تمھارا مال ہے اور یہ میرا مال ہے، مجھے ہدیہ کیا گیا ہے۔" رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر اللہ عزوجل کی حمد و ثنا بیان فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا "جن عاملوں کو میں بھیجتا ہوں انھیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ تمھارے لیے ہے اور یہ مجھے ہدیہ کیا گیا ہے۔ یہ شخص اپنے باپ یا اپنی ماں کے گھر میں جا کر کیوں نہیں بیٹھ گیا؟ پھر ہم دیکھتے اس کو ہدیہ کیا جاتا ہے یا نہیں! اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے، تم میں سے جو شخص صدقات (اموال مسلمین) میں سے کوئی چیز لے گا، قیامت کے دن جب وہ آئے گا تو وہ چیز اُس کی گردن پر سوار ہو گی، اونٹ بڑبڑا رہا ہو گا یا گائے ڈکرا رہی ہو گی یا بکری میمیا رہی ہو گی۔" پھر آپ ﷺ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے حتیٰ کہ ہم نے آپ ﷺ کی بغلوں کی سفیدی دیکھی۔ پھر آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمایا "اے اللہ! کیا میں نے تبلیغ کر دی ہے؟" (صحیح مسلم ج 3، ص 1463، بیروت)

حکومتی عمال جو چیزیں ہدیہ کے نام پر اپنے پاس رکھ لیتے ہیں، وہ اللہ کی بھی خیانت کرتے ہیں اور مسلمانوں کے بھی۔ اللہ کی خیانت اس لیے ہے کہ انھوں نے اللہ کے عطا کردہ منصب سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کی خیانت اس لیے ہے کہ انھوں نے بیت المال کو اپنے ذاتی تصرف میں لے لیا۔

امام مسلمؒ روایت کرتے ہیں:

> رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "ہم نے تم میں سے جس شخص کو کسی منصب کا عامل بنایا اور اُس نے کوئی سوئی یا اُس سے بھی چھوٹی کوئی چیز ہم سے چھپالی تو یہ خیانت ہے جس کو وہ قیامت کے دن لے کر آئے گا۔" انصار میں سے ایک سیاہ فام شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا "یا رسول اللہ ﷺ! اپنے دیے ہوئے منصب کو مجھ سے واپس لے لیجیے۔" آپ ﷺ نے پوچھا "کیا ہوا؟" اُس نے کہا "میں نے آپ ﷺ کو اس اس طرح فرماتے ہوئے سنا ہے۔" آپ ﷺ نے فرمایا "میں اب بھی یہی کہتا ہوں کہ ہم نے تم میں سے جس شخص کو کسی عہدے کا عامل بنایا، اسے چاہیے کہ وہ ہر چھوٹی بڑی چیز کو لے کر آئے، پھر اُس کو جو دے دیا جائے وہ لے لے اور جس سے منع کیا جائے اُس سے باز رہے۔" (صحیح مسلم ج ۳، ص 1465، مطبوعہ بیروت)

ہمارے ملک میں اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو لوگ دفاتر میں کام کرتے ہیں وہ دفاتر سے سٹیشنری گھر لے آتے ہیں، جو لوگ ریلوے ورکشاپ میں کام کرتے ہیں اُن کی ذاتی ضروریات کی تمام اشیا ورکشاپ سے ہی بنتی ہیں حتیٰ کہ بعض دینی مدارس کے ناظمین بھی مدرسہ کے اموال کو بے دھڑک اپنے ذاتی تصرف میں لے آتے ہیں۔

3- خیانت سے پرہیز

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ خیانت ہے کیا؟ اسلامی ریاست کے اجتماعی مال سے ناجائز طریقے سے کچھ حاصل کرنا خیانت ہے۔ اس حوالے سے ذیل کی احادیث ملاحظہ کیجیے:

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

- حضرت عمر بن الخطابؓ بیان فرماتے ہیں کہ فتح خیبر کے دن صحابہ کرامؓ آپس میں بیٹھے بات چیت کر رہے تھے کہ فلاں شخص شہید ہوا اور فلاں شخص شہید ہوا۔ دوران گفتگو ایک شخص کا ذکر ہوا تو صحابہ کرامؓ نے اُس کے بارے میں بھی کہا کہ وہ شہید ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''ہرگز نہیں! میں نے اُسے جہنم میں دیکھا ہے کیونکہ اُس نے مال غنیمت میں سے ایک چادر چرالی تھی۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا ''جا کر لوگوں میں اعلان کر دو کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔'' چنانچہ میں نے حسب ارشاد لوگوں میں اعلان کر دیا کہ جنت میں صرف مومن ہی داخل ہوں گے۔
- حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) ہم میں تشریف فرما ہوئے۔ آپ ﷺ نے خیانت کا ذکر کیا اور اس کا سخت گناہ بیان کیا اور فرمایا ''میں تم میں سے کسی ایک شخص کو بھی قیامت کے دن ایسے حال میں نہ پاؤں کہ اُس کی گردن پر سوار اونٹ بڑبڑا رہا ہو۔ وہ شخص کہے گا کہ یارسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم)! میری مدد فرمایئے۔ میں کہوں گا میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں۔ میں تم میں سے کسی ایک کو بھی قیامت کے دن ایسے حال میں نہ پاؤں کہ اُس کی گردن پر سوار گھوڑا ہنہنا رہا ہو۔ وہ کہے گا یارسول اللہ ﷺ! میری مدد فرمایئے تو میں کہوں گا کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں، میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں۔ اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو بھی قیامت کے دن ایسے حال میں نہ پاؤں کہ اُس کی گردن پر سوار بکری ممیا رہی ہو۔ وہ کہے گا یارسول اللہ ﷺ! میری مدد فرمایئے تو میں کہوں گا کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں۔ اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو بھی قیامت کے دن ایسے حال میں نہ پاؤں کہ اُس کی گردن پر انسان چیخ رہا ہو۔ وہ کہے گا یارسول اللہ ﷺ! میری مدد فرمایئے تو میں کہوں گا کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں۔ اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو بھی قیامت کے دن ایسے حال میں نہ پاؤں کہ اُس کی گردن پر کپڑوں کی ایک گٹھڑی ہل رہی ہو۔ وہ کہے گا یارسول اللہ ﷺ! میری مدد فرمایئے تو میں کہوں گا کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں۔ اور میں تم میں سے کسی ایک شخص کو بھی قیامت کے دن ایسے حال میں نہ پاؤں کہ اُس کی گردن پر سونا اور چاندی ہو۔ وہ کہے گا کہ یارسول اللہ ﷺ! میری مدد فرمایئے تو میں کہوں گا کہ میں تیرے لیے کسی چیز کا مالک نہیں ہوں، میں تجھے تبلیغ کر چکا ہوں۔''

نوٹ: نبی کریم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی شفاعت برحق ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شفاعت گناہ کرنے والے افراد کی بھی ہو گی لیکن صرف اُن افراد کی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ اجازت عطا کرے گا، اس لیے دُنیا میں ہی اپنے اعمال کی معافی مانگنی چاہیے۔

4- اقربا پروری سے اجتناب

اقربا پروری کا مطلب ہے میرٹ کی خلاف ورزی کر کے رشتہ داروں کو نوازنا۔ بدقسمتی سے پاکستان میں ہر شعبے میں یہ کلچر عام ہے اور دیمک کی طرح تمام اداروں کو کھا رہا ہے۔ سرکاری افسران کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس سے پرہیز کریں۔ اس حوالے سے تاریخ میں بہت سی مثالیں بھی موجود ہیں۔ خلفائے راشدین میں سے کسی نے اپنے بعد اپنے بیٹے کو خلیفہ نہیں بنایا۔ جہاں تک حضرت حسن بن علیؓ کا تعلق ہے تو انھیں بھی حضرت علیؓ نے نہ تو نامزد کیا تھا اور نہ ہی بعد والوں کو کوئی وصیت کی تھی۔ یہ علیحدہ معاملہ ہے کہ مسلمانوں نے اپنے طور پر انھیں خلیفہ منتخب کر لیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے قریبی رشتہ داروں کی تمام جائدادیں بحق سرکار ضبط کر لیں یہاں تک کہ اپنی اہلیہ کے زیورات بھی بیت المال میں جمع کروا دیے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ رشتہ داروں نے وہ مال ناجائز طور سے حاصل کیا تھا۔ جہاں تک آپ کی اہلیہ کے زیورات کا تعلق ہے تو وہ اگرچہ انھیں اپنے باپ کی طرف سے ملے تھے جو کہ خلیفہ تھا۔ آپ کی اہلیہ کے چار بھائی بھی منصب خلافت پر فائز رہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا ''تیرے باپ اور تیرے بھائیوں نے غلط طریقے سے مال اکٹھا کیا جس سے تمھیں زیورات بنا کر دیے اس لیے ان کو بیت المال میں جمع کرانا ضروری ہے۔'' کاش آج کے افسران ان روشن مثالوں کو سامنے رکھیں۔

5- قومی وسائل کی حفاظت

قومی وسائل کی حفاظت ذاتی اثاثوں سے بڑھ کر ہونی چاہیے اس لیے کہ ذاتی ملکیت میں سے کچھ مال بے احتیاطی سے ضائع بھی ہو جائے تو شاید اللہ کے ہاں پوچھ گچھ نہ ہو مگر قومی وسائل میں غفلت اور بے پروائی اجتماعی مال کو نقصان پہنچانے کے مترادف ہے۔ اسلامی تاریخ میں اکابر علما اور صالح حکمرانوں کا ایسا طرز عمل بھی ملتا ہے کہ ذاتی گفتگو کے وقت سرکاری چراغ گُل کر دیا گیا۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

6- منصب کا درست استعمال

سرکاری افسران کی ایک اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ وہ اپنے منصب سے نہ تو خود ناجائز فائدہ اٹھائیں اور نہ ہی کسی اور کو اٹھانے دیں۔ پاکستان میں اکثر مشاہدہ کیا گیا ہے کہ اگر سرکاری افسر خود منصب کا ناجائز استعمال نہ بھی کرے لیکن اُس کے رشتہ داروں میں سے بعض لوگ اُس کے منصب سے ناجائز فائدہ اٹھارہے ہوتے ہیں۔ اس حوالے سے افسران کو خود نگاہ رکھنا ہوگی۔

7- دفتری اوقات کا لحاظ

وقت سے قیمتی کوئی شے نہیں۔ عربی کا مقولہ ہے، ''اَلْوَقْتُ سَیْفٌ قَاطِعٌ'' (وقت کاٹ دینے والی تلوار ہے)۔ اگر کوئی افسر عوام الناس کی خدمت کے بجائے، سرکاری اوقات میں دوست احباب کے ساتھ گپ شپ کر رہا ہے تو وہ خیانت کا مرتکب ہورہا ہے۔ اس طرزِ عمل سے بچنا بھی بہت ضروری ہے۔

8- جھوٹ سے احتراز

جھوٹ برے اخلاق کی فہرست میں پہلے نمبر پر ہے۔ نبی کریم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) سے سوال کیا گیا کیا مومن بخیل ہوسکتا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں۔'' پوچھا گیا جھوٹا ہوسکتا ہے؟ فرمایا ''نہیں۔'' لہٰذا جھوٹ سے احتراز انفرادی اور اجتماعی دونوں زندگیوں میں ضروری ہے۔

9- غیر قانونی کاموں سے انکار

اِس حوالے سے کوئی شک نہیں کہ غیر قانونی کاموں کے حوالے سے افسران پر بہت دباؤ ہوتا ہے لیکن اگر وہ ایمان داری اور نیک نیتی سے اپنا کام کرنا چاہیں تو وہ کر سکتے ہیں۔ مشکلات ضرور درپیش آسکتی ہیں لیکن ایسی نہیں کہ جو ختم ہی نہ ہوسکیں۔

؎ یہ شہادت گہ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

10- میرٹ کا فروغ

میرٹ پر کام اور میرٹ کے کلچر کا فروغ کسی بھی نظام کی کامیابی کے لیے اشد ضروری ہے۔ سرکاری افسران اگر نیک نیتی سے چاہیں تو اپنی اجتماعی کاوشوں کو بروئے کار لاتے ہوئے میرٹ پر کام کر سکتے ہیں اور اس کلچر کو پروان بھی چڑھا سکتے ہیں۔

11- لسانی، مذہبی اور علاقائی عصبیت سے اجتناب

رسول اللہ ﷺ نے لسانیت، علاقائیت اور قبائلیت کے سارے بت اپنے آخری خطبے ''خطبہ حجۃ الوداع'' میں پاش پاش کر دیے تھے جب آپ ﷺ نے فرمایا تھا ''جاہلیت کے سارے بت آج میں اپنے پاؤں کے نیچے روندر ہا ہوں۔'' صد افسوس کہ آج اِن سارے بتوں کو ہم نے اپنے گلے کا ہار بنالیا ہے۔

12- سچ کا فروغ

ایک سچے اور ایمان دار سرکاری افسر کے لیے ضروری ہے کہ وہ ہر قسم کی عصبیتوں سے بالاتر ہو۔ سچ بولنا مومن کے ایمان کی نشانی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَ کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○ (التوبۃ:119)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور اہلِ صدق (کی معیت) میں شامل رہو۔''

14- سرکاری وسائل کا درست استعمال

سرکاری وسائل پوری قوم کی اجتماعی ملکیت ہوتے ہیں۔ اجتماعی ملکیت میں خیانت مسلمان کو زیادہ بڑے گناہ کا مستحق بناتی ہے اس لیے ضروری ہے کہ سرکاری وسائل کا استعمال درست ہو۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

15- عدالت و پارسائی

اسلامی قانون میں عدالت سے مراد یہ ہوتی ہے کہ آدمی سچا ہو، امانت دار ہو، پرہیز گار ہو، اس کی سیرت بے داغ اور اس کا کردار غیر متشبہ ہو، خوشی اور ناراضی میں مغلوب نہ ہوتا ہو اور دین و دُنیا کے تمام اُمور میں مروت برتتا ہو۔ یہی وہ صفات ہیں جن کی موجودگی کے بعد ہی کوئی شخص اسلامی نظامِ حکومت میں کوئی عہدہ پانے کا اہل بنتا ہے۔ عادل حکمران کے متعلق نبی پاک (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کا ارشاد مبارک ہے ۔

ان أحب الناس الى الله يوم القيامة وأدناهم منه مجلسا امام عادل و أبغض الناس الى الله وأبعدهم منه مجلسا امام جائر

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ محبوب اور اس کے سب سے زیادہ قریب بیٹھنے والا عادل حکمران ہوگا اور سب سے زیادہ قابل نفرت اور سب سے دور بیٹھنے والا ظالم حکمران ہوگا۔ سرکاری افسران کو اپنے اندر عدالت و پارسائی کی صفت کو نمایاں کرنا چاہیے۔ بقول اقبال:

؎ نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل پاک باز

16- خلاصۂ بحث

درج بالا ذمہ داریاں واضح کرتی ہیں کہ سرکاری افسران کو کس قدر قابل اور خدا ترس ہونا چاہیے۔ اگر سرکاری افسران درج بالا ہدایات پر عمل کرتے ہیں جن میں ریاست سے وفاداری، امانت، دیانت، حلف کا لحاظ، سادگی، رشوت ستانی سے پرہیز، جھوٹ سے پرہیز، احتساب ذات، تقویٰ، قواعد وضوابط کی پاس داری وغیرہ تو یقیناً عوام کے بہت سارے مسائل ان کے گھر کی دہلیز پر حل ہو جائیں گے۔ بقول شاعر:

؎ کرو مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہربان ہو گا عرش بریں پر

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

16- اسلام میں احتساب کا نظام

1- تعارف

کسی حکومت کا قانون و آئین گو کیسا ہی مرتب و منظم ہو، اگر ذمہ دار حکام کی نگرانی اور اُن پر نکتہ چینی و تنقید کا اہتمام نہ ہو تو یقیناً تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ احتساب کے بغیر کوئی معاشرہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ ذاتی معاملات میں نرمی گو کہ رحمت عالم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) اور خلفائے راشدین کا خاص شیوہ تھا لیکن انتظامی معاملات میں وہ کسی قسم کی نرمی کبھی بھی روا نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ آفیسر یا گورنرز سے جب کبھی کوئی خلاف قانون کام ہو جاتا تو اُس کی انتہائی سختی سے باز پرس کی جاتی تھی۔ ذیل میں اسلام کے نظام احتساب کو زیرِ بحث لایا جاتا ہے۔ بقول اقبال:

؎ صورت شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم
کرتی ہے جو ہر زماں اپنے عمل کا حساب

2- احتساب کا مفہوم

احتساب کے لفظی معنیٰ ''حساب دینا'' کے ہیں۔ مفہوم کے اعتبار سے ''ذمہ داری کا جواب دینا'' انگریزی میں اِس کے لیے "Accountability" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ احتساب کرنے والے کو ''محتسب'' (Ombudsman) کہتے ہیں۔ محمد البری کے نزدیک احتساب کی تعریف کچھ اِس طرح سے ہے:

"Mohtasib is an institution of great importance in Islamic administrative system. This stitution invigilates excesses and unlawful activities of Government officers towards the public."
(Administrative Development An Islamic perspective)

3- احتساب آیات قرآنیہ کی روشنی میں

احتساب کے حوالے سے آیات قرآنیہ درج ذیل ہیں:

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ (الانبیا:1)

ترجمہ: ''لوگوں کے لیے اُن کے حساب کا وقت قریب آ پہنچا، مگر وہ غفلت میں پڑے منہ پھیرے ہوئے ہیں۔''

جب کہ ''سورۃ الحشر'' میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ج وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ م بِمَا تَعْمَلُوْنَ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰىهُمْ اَنْفُسَهُمْ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (الحشر:18-19)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص دیکھے کہ اس نے کل کے لیے کیا بھیجا ہے۔ اور اللہ سے ڈرو، بے شک اللہ باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ اور تم اُن لوگوں کی طرح نہ بن جاؤ جو اللہ کو بھول گئے تو اللہ نے ان کو خود ان کی جانوں سے غافل کر دیا، یہی لوگ نافرمان ہیں۔ دوزخ والے اور جنت والے برابر نہیں ہو سکتے۔ جنت والے ہی اصل میں کامیاب ہیں۔''

''سورۃ الفاتحہ'' میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○ (فاتحہ:3)

ترجمہ: ''مالک ہے روزِ جزا کا۔''

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

درج بالا ارشاداتِ الٰہیہ مومن کے یقین کے لیے کافی ہیں کہ اُسے ایک دن اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہونا ہے اور اپنے تمام اعمال کا حساب دینا ہے۔

4- احتساب احادیث کی روشنی میں

احتساب کے حوالے سے درج ذیل احادیث بہت اہم ہیں:

- ''خبردار! تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار جو سب سے بڑا حکمران ہے وہ بھی نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔'' (صحیح مسلم)
- ''کوئی حکمران جو مسلمانوں میں سے کسی رعیت کے معاملات کا سربراہ ہو، اگر اس حالت میں مرے کہ وہ ان کے ساتھ دھوکا اور خیانت کرنے والا تھا تو اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا۔'' (بخاری)
- ''کوئی حاکم جو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی منصب سنبھالے پھر اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کے لیے جان نہ لڑائے اور خلوص کے ساتھ کام نہ کرے وہ مسلمانوں کے ساتھ جنت میں داخل نہیں ہوگا۔'' (بخاری و مسلم)
- نبی اکرم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا: ''اے ابوذر! تم کمزور آدمی ہو اور حکومت کا عہدہ ایک امانت ہے اور قیامت کے روز یہ رسوائی اور ندامت کا موجب ہوگا۔ سوائے اس شخص کے جو حق کا پورا پورا لحاظ کرے اور جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے اسے ٹھیک ٹھیک ادا کرے۔'' (صحیح مسلم)
- ''کسی حاکم کا اپنی رعایا میں تجارت کرنا بدترین خیانت ہے''۔ (کنزالعمال)

5- احتساب سیرتِ طیبہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی روشنی میں

(۱) عمال (گورنرز) کا احتساب (Accountibility of Authorities)

جہاں تک عمال کی تربیت اور ان کے احتساب کا تعلق ہے تو اس کے دو پہلو ہو سکتے ہیں، ایک تو یہ کہ جن لوگوں کو کوئی اہم ذمہ داری سونپی جاتی مثلاً صدقہ یا زکوٰۃ وغیرہ کی وصولی کے لیے بھیجا جاتا ان سے رسول اللہ ﷺ اس بات کی پوچھ گچھ کرتے تھے کہ کہیں وصولی میں انھوں نے بے جا ظلم یا ناجائز طریقہ تو اختیار نہیں کیا۔ چنانچہ مشہور واقعہ ہے ایک مرتبہ آپ ﷺ نے ایک شخص کو بنی سُلیم کے صدقات پر عامل بنا کر روانہ کیا۔ جب وہ وصول کر کے واپس آئے تو انھوں نے دو قسم کا مال رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ کہہ کر رکھ دیا یہ مال مسلمانوں کا ہے اور یہ مال مجھ کو تحفتہً ملا ہے۔ آپ ﷺ نے یہ ملاحظہ فرمایا تو فرمایا: ''گھر بیٹھے تم کو یہ ہدیہ کیوں نہ ملا؟'' اس کے بعد آپ ﷺ نے ایک خطبہ میں اس قسم کے لین دین کی سختی سے ممانعت فرما دی۔

(۲) تاجروں کا احتساب

چیزوں کی خرید و فروخت کے سلسلے میں آپ ﷺ نے بات بات پر قسم اٹھانے، جھوٹی قسمیں کھانے، ناپ تول میں کمی کرنے، اور اس قسم کی دوسری نازیبا حرکات کی سخت ممانعت کی۔ رسول اللہ ﷺ بعض اوقات بازاروں اور منڈیوں کا دورہ کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ بازار تشریف لے گئے تو غلّہ کے ایک ڈھیر میں ہاتھ ڈال کر دیکھا۔ غلّہ اندر سے گیلا تھا۔ آپ ﷺ نے دکان دار سے دریافت فرمایا ''یہ کیا ہے؟'' اس نے جواب دیا: ''بارش سے بھیگ گیا ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو پھر اس کو اوپر کیوں نہیں رکھا؟ تاکہ ہر شخص کو نظر آئے۔'' پھر فرمایا: مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا۔ ''کہ جو لوگ دھوکا فریب کریں وہ ہم میں سے نہیں۔''

(۳) محتسبین (مارکیٹ انسپکٹرز) کا تقرر

وزن اور ناپ تول کو ٹھیک رکھنا قرآن کریم کی بنیادی تعلیمات میں شامل ہے، جب کہ رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے بھی اشیا کو محض اندازہ کے بجائے تول کر دینے اور وزن کرنے کی ہدایت کی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ منڈیوں اور بازاروں کی مجموعی نگہداشت اور تاجروں کے بے جا تصرفات سے لوگوں کو محفوظ رکھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے بازاروں کے لیے باقاعدہ محتسب (مارکیٹ انسپکٹرز) کا تقرر بھی کیا تھا۔ بلکہ تاریخ تو یہ بھی بتاتی ہے کہ بعض اوقات عورتیں بھی بازاروں میں کوڑا لے کر گھومتی تھیں اور لوگوں کو اچھی بات کا حکم دیتی اور بری باتوں سے روکتی تھیں۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

۶۔ احتساب خلفائے راشدین کے عہد میں

خلفائے راشدین نے بھی آپ ﷺ کے طریقہ احتساب کو جاری رکھا۔ ذیل میں چاروں خلفا کے حوالے سے چند اہم واقعات کو نقل کیا جاتا ہے:

(۱) عہد صدیقی میں احتساب

(i) مالک بن نویرہ کا واقعہ

مالک بن نویرہ ایک منکرِ زکوٰۃ تھا۔ حضرت سیدنا خالد بن ولیدؓ اُس کی تنبیہ پر مامور ہوئے لیکن اُنھوں نے زبانی ہدایت سے پہلے ہی اُسے قتل کر ڈالا۔ مالک بن نویرہ کا بھائی شاعر تھا، سو اُس نے اپنے بھائی کا نہایت پر درد مرثیہ لکھا اور ظاہر کیا کہ وہ تائب ہونے کو تیار تھا مگر سیدنا خالدؓ نے محض ذاتی عداوت کی بنا پر اُسے قتل کر دیا۔ اس کی اطلاع دربارِ خلافت تک پہنچی تو اس غلطی پر سیدنا خالدؓ سے سخت باز پرس ہوئی لیکن وہ جس کام پر مامور تھے، اُس کے لیے اُن سے زیادہ کوئی دوسرا موزوں نہ تھا اس لیے وہ اپنے عہدہ پر برقرار رکھے گئے۔

(ii) حدود و تعزیرات

سیدنا ابوبکر صدیقؓ ذاتی طور پر مجرموں کے ساتھ نہایت ہمدردانہ برتاؤ کرتے تھے۔ جب عہدِ نبوت میں قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے اُن کے سامنے بدکاری کا اعتراف کیا تو آپ نے پوچھا ''کیا تم نے میرے سوا اور کسی سے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے؟'' اُس نے کہا ''نہیں'' تو آپؓ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ سے توبہ کرو اور اس راز کو پوشیدہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ بھی اس کو چھپائے گا کیونکہ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔'' اگر اُس شخص نے آپؓ کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا تو رجم سے بچ جاتا لیکن اُس نے خود بارگاہِ رسالت (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) میں آکر متواتر چار دفعہ اقرار جرم کیا اور بخوشی سنگسار ہوا۔ لیکن سیاسی حیثیت سے خلیفۂ وقت کا سب سے پہلا فرض قوم کی اخلاقی نگرانی اور رعایا کے جان و مال کی حفاظت ہوتا ہے اور اس حیثیت سے اگرچہ اُنھوں نے پولیس یا احتساب کا کوئی نیا مستقل محکمہ قائم نہیں کیا اور رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اُن کی جو حالت تھی وہی قائم رکھی۔ بس اس قدر اضافہ کیا کہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ کو پہرے داری کی خدمت پر مامور فرمایا اور بعض جرائم کی سزائیں مقرر کر دیں۔ مثلاً حد خمر کی نسبت رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل مختلف تھا لیکن سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے اپنے دورِ خلافت میں شرابی کے لیے چالیس دُرّے کی سزا مقرر کر دی۔

(۲) عہد فاروقیؓ میں احتساب

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے کہ خلیفۂ وقت کا اہم ترین فرض حکام کی نگرانی اور قوم کے اخلاق و عادات کی حفاظت ہوتا ہے۔ سیدنا عمرؓ اس فرض کو نہایت اہتمام کے ساتھ انجام دیتے تھے۔ آپؓ اپنے ہر عامل سے عہد لیتے تھے کہ وہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا، باریک کپڑے نہ پہنے گا، چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا، دروازہ پر دربان نہ رکھے گا اور اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ آپؓ اُس کے مال و اسباب کی فہرست تیار کرا کے محفوظ رکھتے تھے اور جب کسی عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی بہتری کا علم ہوتا تھا تو اُس کے مالک کا آدھا حصہ لے کر بیت المال میں داخل کر لیتے تھے۔ ایک بار بہت سے عُمال (Officers) اس بلا میں مبتلا ہو گئے تو خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعہ سے سیدنا عمرؓ کو اطلاع دی۔ آپؓ نے سب کی املاک کا جائزہ لے کر آدھا مال بیت المال میں داخل کر لیا۔

(i) موسم حج میں اعلان

موسم حج میں اعلانِ عام تھا کہ جس عامل سے کسی کو شکایت ہو وہ فوراً بارگاہِ خلافت میں پیش کرے۔ چنانچہ چھوٹی سے چھوٹی شکایات بھی پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات کے بعد اُن کا تدارک بھی کیا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے شکایت کی کہ آپ کے فلاں عامل نے مجھے بلاوجہ کوڑے مارے ہیں۔ سیدنا عمرؓ نے فریادی کو حکم دیا کہ وہ مجمع عام میں اُس عامل کو کوڑے لگائے۔ سیدنا عمرو بن العاصؓ نے التجا کی کہ گورنرز پر یہ عمل مشکل ہوگا۔ اس پر سیدنا عمرؓ نے فرمایا ''یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تم سے بدلہ نہ لوں۔''

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(ii) حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی

حضرت سیدنا خالد بن ولید کا لقب ''سیف اللہؓ'' تھا اور آپؓ اپنی جانبازی اور شجاعت کی بدولت اپنے زمانہ کے نہایت ذی عزت اور صاحب اثر بزرگ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو ایک غلطی پر انھیں بھی معزول کر دیا۔

(iii) سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ کا واقعہ

حضرت سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ بصرہ کے گورنر تھے۔ آپؓ کے بارے میں شکایات ہوئیں کہ آپؓ نے اسیرانِ جنگ میں سے ساٹھ رئیس زادے منتخب کر کے اپنے لیے رکھ چھوڑے ہیں اور کاروبار حکومت زیاد بن سفیان کے سپرد کر رکھا ہے اور اس کے علاوہ آپؓ کے پاس ایک لونڈی ہے جس کو نہایت اعلیٰ درجہ کی غذا بہم پہنچائی جاتی ہے جو عام مسلمانوں کو میسر نہیں آسکتی۔ سیدنا عمرؓ نے سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ سے مواخذہ کیا تو اُنھوں نے تمام اعتراضات کا تسلی بخش جواب دیا لیکن تیسری شکایت کا کچھ جواب نہ دے سکے۔ چنانچہ وہ لونڈی آپؓ سے واپس لے لی گئی۔

(iv) سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ کی ڈیوڑھی

سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا جس میں ڈیوڑھی (دروازے کے سامنے چھوٹی دیوار تاکہ کسی کی نظر نہ پڑے) بھی تھی۔ اس خیال سے کہ اہلِ حاجت کو اس سے رکاوٹ ہوگی سیدنا عمرؓ نے سیدنا محمد بن مسلمہؓ کو حکم دیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ چپ چاپ کھڑے دیکھتے رہے۔

(v) سیدنا عیاض بن غنمؓ کا واقعہ

سیدنا عیاض بن غنمؓ مصر کے گورنر تھے۔ ان کی نسبت شکایت پہنچی کہ آپؓ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور ان کے دروازہ پر دربان مقرر ہے۔ سیدنا عمرؓ نے محمد بن مسلمہؓ کو تحقیقات پر مامور کیا۔ انھوں نے مصر پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازہ پر دربان موجود تھا اور سیدنا عیاضؓ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ چنانچہ اسی ہیئت اور لباس کے ساتھ آپؓ انھیں لے کر مدینہ آئے۔ یہاں سیدنا عمرؓ نے اُن کا باریک کپڑا اُتروا دیا اور بالوں کا کرتا پہنا کر جنگل میں بکریاں چرانے کا حکم دیا۔ عیاض کو انکار کی مجال تو نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مر جانا بہتر ہے۔ سیدنا عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو تمھارا آبائی پیشہ ہے، اس میں عار کیوں ہے؟'' سیدنا عیاضؓ نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے نہایت خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔

○ سیدنا عمرؓ کے دورِ خلافت میں حکام کے علاوہ عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی نگرانی کا بھی خاص اہتمام تھا۔ سیدنا عمرؓ جس طرح خود اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھے، وہ چاہتے تھے کہ اسی طرح تمام قوم مکارمِ اخلاق سے آراستہ ہو جائے۔ اُنھوں نے عرب جیسی فخر پسند قوم سے فخر و غرور کی تمام علامات مٹا دیں یہاں تک کہ آقا اور نوکر کی تمیز بھی باقی نہ رہنے دی۔ ایک دن سیدنا صفوان بن اُمیہؓ نے آپؓ کے سامنے کھانا پیش کیا۔ سیدنا عمرؓ نے فقیروں اور غلاموں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اُن لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے میں عار محسوس ہوتی ہے۔

(۳) عہدِ عثمانیؓ میں احتساب

سیدنا عثمانؓ اگرچہ طبعاً نہایت نرم تھے اور بات بات پر آپؓ پر رقت طاری ہو جاتی تھی اور ذاتی حیثیت میں تحمل اور بردباری آپ کا شیوہ تھا لیکن ملکی معاملات میں آپؓ نے احتساب اور نکتہ چینی کو اپنا طرزِ عمل بنایا۔ سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ نے بیت المال سے ایک کثیر رقم بطور قرض لی جو وہ واپس ادا نہ کر سکے۔ سیدنا عثمانؓ نے اُن سے سختی سے باز پرس کی اور انھیں معزول کر دیا۔ سیدنا ولید بن عقبہؓ نے شراب نوشی کی، انھیں معزول کر کے اُن پر اعلانیہ حد جاری کی۔ سیدنا ابوموسیٰ اشعریؓ نے امیرانہ زندگی اختیار کی تو انھیں بھی ذمہ داری کے عہدہ سے سبکدوش کر دیا۔ اسی طرح والیٔ مصر سیدنا عمرو بن العاصؓ خراج میں اضافہ نہ کر سکے تو ان کو بھی عہدہ سے علیحدہ کر دیا۔

نگرانی کا عام طریقہ یہ تھا کہ حالات معلوم کرنے کے لیے دربارِ خلافت سے تحقیقاتی وفود روانہ کیے جاتے تھے جو تمام صوبہ جات میں دورہ کر کے عمال کے طرزِ عمل اور رعایا کا اندازہ کرتے تھے۔ ملک کی حالت سے واقفیت پیدا کرنے کے لیے آپ کا معمول تھا کہ جمعہ کے دن منبر پر تشریف لاتے تو خطبہ شروع کرنے سے پہلے لوگوں سے اطرافِ ملک کی خبریں پوچھتے اور نہایت غور سے سنتے۔ تمام ملک میں اعلان عام تھا کہ جس کسی کو کسی والی سے شکایت ہو، وہ حج کے موقع پر بیان کرے۔ اس موقع پر تمام عمال لازمی طور پر طلب کیے جاتے تھے۔ تحقیق کے بعد شکایات کا ازالہ کیا جاتا۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(۴) عہدِ علویؓ میں احتساب

ملکی نظام کے اہم ترین کام یعنی گورنرز کی نگرانی کا سیدنا علیؓ نے بھی خاص اہتمام کیا۔آپؓ جب کسی گورنر کو مقرر کرتے تو اُس کو نہایت مفید اور گراں قدر نصیحتیں کرتے تھے۔وقتاً فوقتاً عمال و حکام کے طرزِ عمل کی تحقیق بھی کرتے تھے۔چنانچہ ایک مرتبہ جب سیدنا کعب بن مالکؓ کو اس خدمت پر مامور کیا تو یہ ہدایت فرمائی:

"اُخْرُجْ فِي طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِكَ حَتّٰى تَمُرَّ بِأَرْضِ السَّوَادِ كُوْرَةً كُوْرَةً فَتَسْأَلُهُمْ عَنْ عُمَّالِهِمْ وَتَنْظُرَ فِي سِيْرَتِهِمْ۔"

ترجمہ: "تم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ لے کر روانہ ہو جاؤ اور عراق کے ہر ضلع میں پھر کر گورنرز کی تحقیقات کرو اور اُن کے طریقے پر نظر رکھو۔"

گورنرز کے اسراف اور مالیات میں اُن کی بدعنوانیوں کی حضرت علیؓ سختی سے باز پرس فرماتے تھے۔ایک مرتبہ اردشیر کے عامل مصقلہ نے بیت المال سے قرض لے کر پانچ سو لونڈی اور غلام خرید کر آزاد کیے۔کچھ دنوں کے بعد سیدنا علیؓ نے سختی کے ساتھ ان سے رقم کی واپسی کا مطالبہ کیا تو مصقلہ نے کہا "اللہ کی قسم! یہ تو ایک ایک دانے کا تقاضا کرتے ہیں....." اِس باز پرس سے آپؓ کے قریبی رشتہ دار بھی مستثنیٰ نہ تھے۔ایک مرتبہ آپ کے چچازاد بھائی سیدنا عبداللہ بن عباسؓ بصرہ کے گورنر نے بیت المال سے ایک بہت بڑی رقم لی۔سیدنا علیؓ نے باز پرس کی تو اُنھوں نے جواب دیا کہ میں نے ابھی اپنا پورا حق نہیں لیا؛ لیکن اس عذر کے باوجود وہ خائف ہو کر بصرہ سے مکہ چلے گئے۔

7- خلاصۂ بحث

احتساب کسی بھی معاشرے اور حکومت کے لیے بہت ضروری امر ہے۔احتساب ذاتی حیثیت میں بھی ہے اور حکومتی حوالے سے بھی۔مسلمان حکمران جہاں عوام کے سامنے جواب دہ ہیں وہاں اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی جواب دہ ہیں۔جیسا کہ ارشاداتِ الٰہیہ اور ارشادات رسول ﷺ سے واضح ہے۔رسالت مآب (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے فرمایا:

"خبردار! تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے اور مسلمانوں کا سب سے بڑا سردار جو سب سے بڑا حکمران ہے وہ بھی نگہبان ہے اور اپنی رعیت کے بارے میں جواب دہ ہے۔" (صحیح مسلم)

سیرت طیبہ ﷺ خلفائے راشدین کے ادوار سے واضح ہے کہ احتساب کی ضرورت کو ہر سطح پر نہ صرف محسوس کیا گیا بلکہ عملاً ہر ایک کا احتساب ہوا، خود نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے آپ کو احتساب کے لیے پیش کیا۔حضرت عمرؓ کو دورانِ خطبہ روک دیا گیا کہ پہلے آپؓ یہ بتائیں ہر ایک کو ایک ایک چادر ملی تھی اور آپؓ کے لیے بھی ایک ہی چادر تھی، ایک چادر سے آپ کا لباس مکمل نہیں ہو سکتا تھا۔تو آپؓ نے فرمایا کہ میں نے دوسری چادر اپنے بیٹے سے لی ہے۔ہاں احتساب میں یہ شرط ہے کہ وہ سب کے لیے یکساں (Across the board) ہو۔اس میں کسی کو سیاسی انتقام کا نشانہ نہ بنایا جائے۔افسوس! پاکستان میں اس حوالے سے کوئی مثبت روایت پیدا نہیں ہو سکی۔لیکن مثبت روایت کے بغیر پاکستان کی ترقی بھی پھر خواب نظر آتی ہے۔بقول فیض احمد فیض:

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

17- اجماع اور اجتہاد

(الف) اجماع

1- تعارف

ماہرین اُصول فقہ نے مآخذ شریعت کو جن چار اقسام میں تقسیم کیا ہے اُن میں سے قرآن وسنت کا تعلق وحی الٰہی سے جب کہ دیگر دو اقسام ''اِجماع اور قیاس'' کا تعلق قرآن وسنت کی روشنی میں مجتہدین کے انفرادی اور اجتماعی ''اجتہاد اور قیاس'' سے ہے۔ پہلے دونوں مآخذ پائیدار اُصولوں پر قائم ہیں جب کہ باقی دونوں میں انسانوں کے اتفاق اور قیاس وفکر کو پورا پورا دخل ہے اِس لیے اِن کی حیثیت پہلے دونوں مآخذ کی طرح اٹل اور ناقابل تبدیل نہیں ہے۔ شریعت اسلامیہ میں احکام و مسائل کے استخراج (Deduction) و اجتہاد کے لیے جو مآخذ پیش نظر رہتے ہیں اُن میں قرآن وسنت کے بعد سب سے اہم ترین مآخذ اور شرعی دلیل اِجماع ہے۔

2- اِجماع کی لغوی تعریف

''اِجماع'' کے لغوی معنی اشیا کو اکٹھا کرنے اور باہم ملانے کے ہیں۔ امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں ''جمع ایک شے کو دوسری شے کے قریب لا کر انھیں باہم ملانے کا نام ہے۔'' کہا جاتا ہے کہ ''میں نے اُسے ملایا تو وہ مل گیا۔''

قرآن کریم میں یہ لفظ کئی جگہ اپنے اِسی لغوی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ مثال کے طور پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَجُمِعَ الشَّمْسُ وَالْقَمَرُ (القیامۃ:9)

ترجمہ: ''اور سورج اور چاند اکٹھے کر دیے جائیں گے۔''

3- اِصطلاحی معنی

لفظ اِجماع کے اِصطلاحی معنی اِسی لغوی معنی کے قریب قریب ہیں۔ اِصطلاحی معنوں میں کسی زمانے کے مجتہدین کا کسی فیصلے پر جمع (متفق) ہو جانے کا عمل اِجماع سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اُصولِ فقہ کی اِصطلاح میں اِس سے مراد اتفاقِ خاص ہے یعنی اُمت محمدیہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کے صاحب اِجتہاد علما کسی زمانے میں کسی شرعی مسئلے پر اتفاق کر لیں۔

فخر الاسلام بزدویؒ نے اِس کی یہ تعریف بیان فرمائی ہے: ''اِجماع اس اُمت کے اہل اجتہاد لوگوں کے کسی زمانے میں کسی معاملے پر باہم اتفاق کر لینے سے عبارت ہے۔'' امام غزالیؒ نے اِس کی زیادہ جامع تعریف کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''ہم اِس سے حضرت محمد ﷺ کی اُمت کا خاص طور پر کسی دینی معاملے پر اتفاق مراد لیتے ہیں۔''

اس جگہ امام غزالیؒ نے ''دینی معاملے'' کا اضافہ کر کے یہ ظاہر کیا ہے کہ اِجماع سے مراد کسی دینی معاملے میں تمام اُمت کا اشتراک ہے۔ اگرچہ یہاں مجتہدین کے بجائے اُمت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مگر اِس سے مراد اہل اجتہاد کا اتفاق ہی ہے۔

4- حجیت اِجماع کے دلائل

علما نے اِجماع کی حجیت پر تین طرح کے دلائل پیش کیے ہیں:

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(۱) قرآن مجید اور حجیت اِجماع

قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیات مبارکہ کو اِجماع کے جواز کی دلیل میں پیش کیا جاتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ (الخ) (البقرۃ: 143)

ترجمہ: ''اور اِسی طرح ہم نے تم کو ایسی جماعت بنا دیا جو ہر پہلو سے اعتدال پر ہے تا کہ تم (مخالف) لوگوں کے مقابلے میں گواہ ہو اور رسول اللہ ﷺ تم پر گواہ ہوں۔''

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ (الخ) (آل عمران: 110)

ترجمہ: ''تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لیے ظاہر کی گئی ہے، تم نیک کاموں کا حکم دیتے اور بُری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔''

اِن دونوں آیات مبارکہ میں اُمت محمدیہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی باقی اُمم پر فضیلت کو ایسے اُسلوب سے پیش کیا گیا ہے جس سے اُمت محمدیہ ﷺ کے اِجماع و اتفاق کی اہمیت ثابت ہوتی ہے۔ جب اشرف ترین امت کسی معاملے پر باہم اتفاق کرے گی تو اِن آیات مبارکہ کی روشنی میں یہ اشرف اور افضل ترین اُمت کا اِجماع و اتفاق ہے لہٰذا شریعت اسلامی میں اِس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

اِسی طرح قرآن مجید میں ایک اور مقام پر فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ (آل عمران: 103)

ترجمہ: ''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور باہم نا اتفاقی نہ کرو۔''

اِسی طرح سورۃ الشوریٰ میں ارشاد فرمایا:

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ (الشوریٰ: 10)

ترجمہ: ''اور جس بات میں تم باہم اختلاف کرو تو اُس کا فیصلہ اللہ کے ہی ذمہ ہے۔''

مندرجہ بالا دونوں آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کسی مسئلے پر امت محمدیہ ﷺ کے (اہل) لوگ متفق ہوں گے، وہ اتفاق برحق رہے گا۔

(۲) احادیث نبویہ ﷺ اور حجیت اجماع

قرآن حکیم کی طرح احادیث مبارکہ سے بھی اُمت کے اجماع کا اثبات ہوتا ہے۔ چند احادیث مبارکہ درج ذیل ہیں:

(i) حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

من فارق الجماعة شبرا فمات ميتة جاهلية ۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ: ''جس شخص نے (مسلمانوں) کی جماعت کو ایک بالشت بھر بھی چھوڑا، پھر وہ مر گیا تو اُس کی موت جاہلیت والی موت ہوگی۔''

اِس حدیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی جماعت سے جُدائی کو پسند نہیں کیا گیا اور ایسے کرنے والے شخص کی موت کو جاہلیت والی موت قرار دیا گیا ہے۔

(ii) ایک اور حدیث میں نبی رحمت ﷺ نے لزومِ جماعت کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا:

فمن اراد ان يفرق امر هذه الامة وهي جميع فاضربوه بالسيف كائنا من كان۔ (صحیح مسلم)

ترجمہ: ''جو شخص اس اُمت میں تفرقہ ڈالنا چاہے جب کہ ساری اُمت اکٹھی ہو تو اُس شخص کو قتل کر دو، خواہ وہ کوئی بھی ہو۔''

گویا مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہونا اِتنا بڑا جرم ہے کہ اُس پر قتل کی سزا دی جا سکتی ہے۔

(iii) حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے نبی اکرم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کا ایک ارشاد مبارک نقل کیا ہے جس میں آپ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے ارشاد فرمایا:

''بے شک اللہ تعالیٰ میری امت کو گمراہی پر اکٹھا نہیں کرے گا اور جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے، جو شخص الگ ہوا وہ جہنم میں الگ ہو کر جا پڑے گا۔''

یہ حدیث اِس مضمون پر نص قطعی ہے کہ اُمت کا کسی معاملے پر اتفاق غلط نہیں ہو سکتا۔ اِن کے باہمی اتفاق میں اللہ تعالیٰ کی رضا ضرور شامل ہوتی ہے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(iv) حضرت انسؓ نے نبی اکرم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کا ارشاد مبارک نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:
حضرت انسؓ نے نبی اکرم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کا ارشاد مبارک نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:
''بے شک میری اُمت گمراہی پر اکٹھا نہیں ہوسکتی۔ جب تم کسی مسئلے میں اختلاف دیکھو تو واضح اکثریت کا اتباع کرو۔''
''بے شک میری اُمت گمراہی پر اکٹھا نہیں ہوسکتی۔ جب تم کسی مسئلے میں اختلاف دیکھو تو واضح اکثریت کا اتباع کرو۔''
یہ حدیث سابقہ حدیث کی توثیق کرتی ہے۔ مطلب یہی ہے کہ اُمت کے بڑے قافلے کے ساتھ سفر کرنا چاہیے، تنہا نہیں۔

(۳) عقل عام اور حجیت اجماع

اِجماع کے جواز اور اِس کی اہمیت پر قرآن وسنت کی نصوص کے ساتھ ساتھ عقلی اِستدلال بھی پیش کیا جاتا ہے جو امام شافعیؒ کے بقول اِس طرح ہے:
اِجماع کے جواز اور اِس کی اہمیت پر قرآن وسنت کی نصوص کے ساتھ ساتھ عقلی اِستدلال بھی پیش کیا جاتا ہے جو امام شافعیؒ کے بقول اِس طرح ہے:
''ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے کسی مسئلے میں کوئی سنت (حدیث) ہو تو یہ کچھ صحابہؓ سے تو مخفی رہ سکتی ہے مگر اُن کی اکثریت سے نہیں۔ ہمیں یہ بات بھی معلوم ہے صحابہ کرامؓ کی اکثریت نبی اکرم ﷺ سے منقول سنت کے خلاف یا کسی خطا (غلطی) پر اکٹھا نہیں ہوسکتی، اگر اللہ نے چاہا۔''
''ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے کسی مسئلے میں کوئی سنت (حدیث) ہو تو یہ کچھ صحابہؓ سے تو مخفی رہ سکتی ہے مگر اُن کی اکثریت سے نہیں۔ ہمیں یہ بات بھی معلوم ہے صحابہ کرامؓ کی اکثریت نبی اکرم ﷺ سے منقول سنت کے خلاف یا کسی خطا (غلطی) پر اکٹھا نہیں ہوسکتی، اگر اللہ نے چاہا۔''

5- اِجماع کی تاریخ

اِجماع کی تاریخ میں تین واضح ادوار نظر آتے ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

(۱) دورِ اوّل

اِجماع کی تاریخ میں پہلا دور صحابہ کرامؓ کا ہے۔ صحابہ کرامؓ اپنے سامنے آنے والے تمام ایسے مسائل ومعاملات کے حل کے لیے کہ جن کا صراحت کے ساتھ قرآن وحدیث میں ذکر نہیں ملتا تھا، اِجتہاد سے کام لیتے تھے۔ یہ سلسلہ خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت سے شروع ہوا اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے دورِ خلافت میں عروج پر جا پہنچا۔ حضرت عمر فاروقؓ خاص طور پر اِس بات کا اہتمام فرماتے تھے کہ صحابہ کرامؓ کو جمع کریں اور اُن سے مشارت اور تبادلہ خیال کریں تاکہ وہ زیرِ نظر معاملے میں کسی نتیجے تک پہنچ جائیں۔ اِس کے بعد آپؓ حکم نافذ فرما دیتے تھے۔ اگر صحابہ کرامؓ میں اِختلاف ہوتا تو حضرت عمرؓ متعلقہ معاملے پر مذاکرات کا سلسلہ جاری رکھتے اور فقہاء صحابہؓ کے مشورہ سے کسی خاص فیصلے تک پہنچ جاتے۔ اِس طرح آپ اِجماع سے ایسی رائے حاصل کر لیتے تھے جو قوی ہوتی تھی۔ چنانچہ اُنھوں نے بہت سارے مسائل میں جن کے متعلق صحابہ کرامؓ ہم رائے نہ تھے، اُن کی متفقہ رائے حاصل کی۔ مثلاً چور کی سزا سے متعلق امام ابو یوسفؒ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروقؓ نے چور سے متعلق لوگوں سے مشورہ کیا تو وہ ایک رائے پر اکٹھے ہو گئے۔ غسلِ جنابت سے متعلق صحابہ کرامؓ میں اختلاف تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے تمام مہاجرین وانصار کو جمع کیا اور اُن سب سے رائے طلب کی۔ لوگوں نے مختلف آراء سے نوازا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا ''تم لوگ اہلِ بدر ہو، جب تمھارے درمیان اختلاف رائے ہے تو جو لوگ تمھارے بعد ہوں گے، اُن میں تو یہ اختلاف اور زیادہ ہوگا۔'' چنانچہ آپ کی ہدایت پر اُمہات المومنینؓ سے مسئلہ دریافت کیا گیا جو رسول اللہ ﷺ کی نجی زندگی سے پوری طرح واقف وآگاہ تھیں۔ اُن کی رائے پر فیصلہ کیا گیا کہ محض مباشرت سے غسل جنابت ضروری ہو جاتا ہے۔

ایک موقع پر نمازِ جنازہ کی تکبیرات سے متعلق اِختلاف تھا۔ حضرت عمرؓ نے تمام صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور چار تکبیروں پر تمام صحابہؓ کا اتفاق ہو گیا۔ صحابہ کرامؓ کے زمانہ مبارک میں جن باتوں سے متعلق اتفاق رائے ہوا اُن میں دادی کے لیے ترکے کا چھٹا حصہ ملنا نیز یہ کہ وہ ترکے کی تنہا مالک بھی ہوسکتی ہے اور اِس حصے میں زیادہ عورتیں بھی حصہ دار ہوسکتی ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے اِس بات پر بھی اِجماع کیا کہ عورت اور اُس کی پھوپھی یا خالہ کو ایک مرد کے نکاح میں جمع نہیں کیا جائے گا۔ صحابہ کرامؓ نے اِس بات پر بھی اتفاق کیا کہ مسلمان عورت کا غیر مسلم مرد کے ساتھ نکاح باطل ہے۔ الغرض، صحابہ کرامؓ کے مُجْمَعٌ علیہ (Agreed upon) معاملات بہت زیادہ ہیں۔

(۲) دورِ ثانی

اِجماع کی تاریخ کا دوسرا دور مجتہدین کا ہے جس زمانے میں ائمہ مجتہدین نے اِجتہادی کام انجام دیا۔ اس عہد میں دانستہ طور پر باہمی اتفاق رائے یا اِجماع کی کوشش نہیں ہوئی۔ ہر ایک امام نے اپنے اپنے اُصولوں کی روشنی میں اِجتہاد سے کام لیا البتہ یہ ضرور تھا کہ ہر امام اپنے اپنے علاقے کے اجماعات کو اہمیت دیتا تھا۔ مثلاً امام مالکؒ (179ھ) اہلِ مدینہ کے اِجماع کو سب پر مقدم رکھتے تھے اور امام ابوحنیفہؒ (م 150ھ) اہلِ کوفہ کے مجمع علیہ مسائل کو۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(۳) دورِ ثالث

بعد کے ادوار میں عہدِ صحابہؓ کے اجتہادات کو بڑی اہمیت حاصل ہوئی۔ تمام مجتہدین صحابہ کرامؓ کے اجتہادات کا خصوصی مطالعہ کرتے تھے اور ہر مجتہد اِس کوشش میں ہوتا تھا کہ صحابہ کرامؓ کے اِجماع سے باہر قدم نہ رکھے بلکہ اِختلاف کی صورت میں بھی وہ حضرات صحابہؓ کے اقوال سے باہر نہ جائے۔

6- اِجماع کی اقسام

اِجماع کی تقسیم بہ اعتبارِ انعقاد

اجماع کی بہ اعتبارِ انعقاد حسب ذیل صورتیں ہیں:

(الف) اِجماعِ صریح (ب) اِجماعِ سکوتی (ج) اِجماعِ اُصولی

(۱) اجماعِ صریح

اِس سے مراد یہ ہے کہ ایک مسئلے پر تمام فقہا اور مجتہدین ہم رائے ہوں اور اِس رائے کے قبول کرنے کی باقاعدہ صراحت کریں۔ امام شافعیؒ نے اِسے مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان کیا ہے:

''اور تم یا کوئی اور شخص اہلِ علم میں سے یہ نہ کہے کہ یہ بات مجمع علیہ ہے جب تک تم جس عالم سے بھی ملے ہو اُس نے یہی بات نہ کہی ہو۔''

اِجماع کی یہی صورت تمام ائمہ کرام اور مجتہدین کے نزدیک حجت ہے خواہ اُن کا مسلک یہ ہو کہ ہر زمانے کا اِجماع یا یہ کہ صحابہ کرامؓ کے زمانے کا اِجماع حجت ہے۔ جب مطلق اِجماع کا ذکر آئے تو اس سے یہی مراد لی جاتی ہے۔

(۲) اِجماعِ سکوتی

اگر کسی زمانے کے کچھ مجتہدین نے صراحت کے ساتھ کسی بات پر اِجماع کا اِظہار کیا ہو اور باقی لوگ جو اُس وقت وہاں موجود ہوں اُنھوں نے اُس پر سکوت اختیار کر لیا یعنی نہ اُس کی حمایت کی اور نہ مخالفت، تو ایسا ''اِجماع'' سکوتی کہلاتا ہے۔

(۳) اِجماعِ اُصولی

اِجماع کی تیسری صورت یہ ہے کہ کسی خاص زمانے (خصوصاً عہدِ صحابہؓ) میں مجتہدین کسی فقہی مسئلے میں مختلف رائے رکھتے ہوں۔ اِس صورت میں اُس زمانہ کے بعد آنے والے کسی مجتہد کے لیے یہ مناسب اور موزوں نہیں کہ وہ اُن سب کی رائے سے مخالف رائے قائم کرے بشرطیکہ وہاں مسئلہ میں اِختلاف کے باوجود کسی اُصول پر سب کا اِجماع ہو۔

7- صحابہ کرامؓ اور چار مشہور فقہا کے اِجماع کی حیثیت

(۱) صحابہ کرامؓ کا قولی اِجماع

صحابہ کرامؓ کسی مسئلہ پر زبانی اتفاق کر لیں تو اُس کا ماننا لازم ہوتا ہے۔ اِس قولی اِجماع کو ''اِجماعِ صریح'' بھی کہتے ہیں۔

(۲) صحابہ کرامؓ کا سکوتی اِجماع

صحابہ کرامؓ میں سے بعض اِجتہاد کر کے کسی معاملے پر اتفاق کر لیں جب کہ دیگر لوگ اُس اِجماع پر خاموش رہیں تو صحابہؓ کا یہ اِجماع ''سکوتی اِجماع'' کہلاتا ہے۔ فقہی اعتبار سے اِس پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے۔

(۳) چار مشہور فقہا کا اِجماع

چار مشہور فقہا یعنی امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا کسی مسئلے پر متفق ہونا فقہی اِعتبار سے ''خبرِ واحد'' کے درجے میں ہوتا ہے۔

(''خبرِ واحد'' ایسی حدیث کو کہتے ہیں جس میں نیچے سے لے کر اُوپر تک ایک ہی راوی ہوتا ہے۔)

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

8- اِجماع کی سند

اِجماع کے لیے کسی دلیل (اساس، اصل) کی موجودگی کی ضرورت ہے یا نہیں، یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ جمہور کا مسلک یہ ہے کہ مطلق قانون سازی (Absolute legislation) کا حق صرف اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کو حاصل ہے، کسی اور فرد یا افراد کو نہیں، لہٰذا اِجماع کے لیے کسی سند یا بنیاد کا ہونا ضروری ہے۔ نامور مصری استاذ اور محقق محمد ابوزہرہ لکھتے ہیں:

''اِجماع کے لیے کسی سند کا ہونا ضروری ہے اِس لیے کہ اِجماع کرنے والے لوگ خود قانون سازی نہیں کر سکتے، جیسا کہ بعض مستشرقین کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ شریعت میں قانون سازی کا حق صرف اللہ تعالیٰ اور اُس کے نبی ﷺ، جن کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی آتی ہے، کے لیے ثابت ہے اِس لیے اِجماع کے لیے کسی ایسی سند (دلیل) کا ہونا ضروری ہے جس پر اعتماد کیا جا سکے۔ وہ سند فقہ اسلامی کے اُصولِ عامہ میں سے ہونی چاہیے۔ صحابہ کرامؓ اُن مسائل میں جن میں اُنھوں نے باہم اِجماع کیا ہے کسی سند (دلیل) کو تلاش کرتے تھے تاکہ اُس پر اپنی رائے کو مبنی کر سکیں۔ چنانچہ دادی کی میراث کے معاملہ میں اُنھوں نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت (خبر واحد) پر اعتماد کیا۔ محارم کو نکاح میں جمع کرنے کے مسئلے میں اُنھوں نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کو بنیاد بنایا۔''

اِس بات پر تمام علما متفق ہیں کہ اِجماع کی سند قرآن مجید اور سنت نبوی (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) دونوں میں سے کوئی ایک شے ہو سکتی ہے جیسا کہ مندرجہ بالا مسائل میں سنت نبوی ﷺ کو اساس قرار دیا گیا ہے۔ لیکن کیا ایسے اِجماع کی پابندی ضروری ہوگی جس کی اساس محض قیاس یا مصلحت پر ہو؟ اِس بارے میں تین مسالک ہیں:

(۱) عدم جواز

پہلا مسلک یہ ہے کہ اِجماع کے لیے کسی قیاس یا اِجتہاد کو سند بنانا درست نہیں ہے۔ قیاس کی وجوہ مختلف ہوتی ہے اور ایک ہی مسئلے میں دو اماموں کا قیاس دو مختلف طریقوں پر ہوتا ہے لہٰذا ایسی صورت میں اِجماع درست نہ ہوگا۔

(۲) جواز

دوسرا موقف یہ ہے کہ قیاس اپنی تمام انواع کے ساتھ اِجماع کے لیے سند ہو سکتا ہے اِس لیے کہ وہ ایک حجت شرعیہ ہے۔ چونکہ قیاس فی نفسہٖ حجت ہے اِس لیے جب کوئی اِجماع کسی قیاس پر مبنی ہوگا تو یہ ایسا اِجماع ہوگا جو کسی شرعی دلیل پر مبنی ہے۔

(۳) تیسرا مسلک

اِس مسلک کے مطابق اگر قیاس ایسا ہو جس کی علت (وجہ) منصوص علیہ اور اِتنی واضح ہو کہ اُس کو تلاش کرنے کے لیے غور وفکر کی ضرورت نہ ہو تو اُس قیاس کی بنا پر اِجماع کا وقوع درست ہے۔ اگر اِس کی علت اِتنی مخفی ہو کہ بغیر غور وفکر کے واضح نہ ہوتی ہو تو اُس پر اِجماع کی بنیاد رکھنا درست نہ ہوگا۔

9- خلاصۂ بحث

ماخذ شریعت میں اِجماع تیسرے نمبر پر اہم ترین ماخذ ہے۔ اہلسنت کے ہاں اِجماع حجت ہے۔ اسلامی تاریخ میں بہت اہم فیصلے اِجماع کے ذریعے سے منعقد ہوئے، یہاں تک کہ خلفائے راشدین کی خلافت کا انعقاد بھی اِجماع کے ذریعے سے ہوا۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ پاکستان میں مجتہد علما کی ریاستی سطح پر ذمہ داری مقرر کی جائے کہ وہ Consensus کے ساتھ مسائل شریعہ میں پاکستانی مسلمانوں کی راہنمائی کا فریضہ سرانجام دیں۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(ب) اِجتہاد قرآن وسنت کی روشنی میں

1- تعارف

مسلمان یہ جانتے ہیں کہ اُن کا دین تا قیامت باقی رہے گا کیونکہ اِس میں کسی بھی دور کے انسانوں کو پیش آنے والی ہر ضرورت کے سلسلے میں مکمل رہنمائی موجود ہے یعنی قرآن وسنت میں ہر مرض کی دوا پائی جاتی ہے۔ ایسی ہی ایک دوا اِجتہاد ہے جو قرآن وسنت کے اُصولوں سے شرعی حکم نکالنے کا نام ہے۔ ظاہر ہے ہر اِنسان اس کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اِس کام کی انجام دہی کے لیے اعلیٰ درجے کی علمی صلاحیت درکار ہوگی کیونکہ ''قرآن'' ازل سے ابد تک نازل ہونے والی وحی الٰہی کا خلاصہ ہے اور سنت مطہرہ (وہ ہدایت جو عملاً نبی کریم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) سے اُمت تک منتقل ہوئی ہے)۔ اہل عقل سمجھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے آخری نبوت کے ذریعہ فکر وضمیر میں فیصلہ کن تبدیلی پیدا کی اور انسانی زندگی کی تاریخ میں نیا صفحہ کھولا۔ اِسی لیے کتاب وسنت کی سمجھ اہل علم اور پرہیز گار لوگوں ہی کا حق ہے۔ درحقیقت کتاب وسنت کا ماہر ہی ایسے اُصول نکال سکتا ہے جن سے تمام انسانوں کی بھلائی ہو اور ٹھوس اسلامی احکام سے زندگی کے نئے مسائل کا سامنا کیا جا سکے۔ عظیم فقیہ شیخ محمد شلوت لکھتے ہیں:

> ''رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کے دُنیا سے پردہ فرما جانے کے بعد آپ ﷺ کے صحابہؓ کو زیادہ وسیع زندگی سے دوچار ہونا پڑا۔ تو جب اُنھیں نئے معاملات کا سامنا ہوتا تھا تو وہ قرآن کی طرف رُجوع کرتے تھے۔ اگر اُس میں حکم نہیں پاتے تھے تو رسول اللہ ﷺ کی روایات اور فیصلے ڈھونڈتے تھے۔ وہاں بھی حکم نہ ملتا تو شریعت کی رُوح اور مقاصد اور عام قواعد کی روشنی میں حل تلاش کرتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دور ہائے خلافت میں مروج طریقہ یہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ سے منقول روایات کی شدید جستجو کی جاتی تھی۔ پھر دارالخلافہ (Capital) میں موجود گہری نگاہ اور شریعت کی رُوح سمجھنے والے جید صحابہؓ سے مشورہ کیا جاتا تھا۔ اگر وہ کسی رائے پر متفق ہو جاتے تھے تو اُسے نافذ کر دیا جاتا تھا۔ اِس طرح آپ ﷺ کے بعد نئے معاملات میں مشاورت سے رائے حاصل کرنا ایک نیا طریق کار بن گیا کیونکہ قرآن کریم نے خود شوریٰ کا اُصول بیان کیا تھا: ''**وامرھم شوریٰ بینھم**'' (وہ اپنے معاملات باہم مشورے سے چلاتے ہیں۔)

2- اِجتہاد کا لغوی معنی

کسی کام پر پوری طاقت صرف کرنے اور اُس پر اِنتہائی مشقت اُٹھانے پر طبیعت کو مجبور کرنا اِجتہاد کہلاتا ہے۔ (مفردات القرآن)

اِصطلاحی تعریف

(i) امام غزالیؒ اِجتہاد کی تعریف یوں بیان فرماتے ہیں:

> ''مجتہد کا شرعی احکام کے علم کی تلاش میں اپنی کوشش کرنا۔''

(ii) علامہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں:

> ''اِجتہاد اُس کوشش کے لیے مخصوص ہے جو شرعی احکام سے متعلق علم حاصل کرنے میں کی جاتی ہے۔''

اِن تعریفات سے یہ بات واضح ہو کر سامنے آتی ہے کہ اِجتہاد قرآن وسنت میں کامل غور وفکر کر کے اُس کی روشنی میں مسائل حل کرنے اور قرآنِ مجید اور سنت رسول ﷺ کے سمندر سے موتی چن کر ایک مالا میں پرونے کا نام ہے۔ اِجتہاد کے حوالے سے ایک موضوع یہ بھی زیر بحث ہے کہ آیا انبیا اجتہاد کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور کیا رسول اللہ ﷺ کا اِجتہاد اتباعِ وحی کے خلاف تو نہیں؟ امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام مالکؒ، قاضی ابو یوسفؒ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ اور دیگر انبیا کے لیے اجتہاد کرنا جائز ہے۔ امام شافعیؒ نے ''الرسالہ'' میں اِس پر دلیل قائم کی ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تدبر کرنے کا حکم دیا ہے اور اِس سلسلے میں مثالیں بھی بیان فرمائی ہیں اِسی طرح نبی اکرم ﷺ کو بھی تدبر کرنے کا حکم دیا ہے بلکہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی آیات میں سب سے زیادہ

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

غور وفکر کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ''اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی'' یعنی ''صرف وہ وحی ہے جو اُن کی طرف کی جاتی ہے'' سے مراد قرآن مجید ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کو اجتہاد شرعی کی اجازت دی گئی ہے۔ اور واقعات میں اِس کی بہت سی مثالیں بھی موجود ہیں جیسے نضر بن حارث کو قتل کرانا وغیرہ۔''
(تبیان القرآن، علامہ غلام رسول سعیدی، ج 3، ص 47)

3- قرآن مجید سے اجتہاد کا ثبوت

اِجتہاد کا ثبوت قرآن مجید سے بھی ملتا ہے۔ قرآن مجید نے بھی احکام شرع پر غور کرنے اور اِختلافی مسائل پر اصل کی طرف رُجوع کرنے کو واجب کہا ہے۔

قرآن مجید کی سورہ التوبہ میں ارشاد ربانی ہے:

ترجمہ: ''پس کیوں نہ ایسا کیا گیا کہ مومنوں کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکل آتی جو دین میں فہم وبصیرت پیدا کرتی۔'' (التوبۃ: 122)

آگے چل کر اجتہاد کے حق میں اللہ تعالیٰ سورۃ العنکبوت میں ارشاد فرماتا ہے:

ترجمہ: ''اور جنھوں نے ہمارے راستے میں جدوجہد کی ہم اُنھیں اپنا راستہ دکھادیں گے۔'' (العنکبوت: 69)

مولانا تقی امینی ''قرآن مجید سے اجتہاد کا ثبوت'' میں لکھتے ہیں:

''مسجد حرام میں دُوری کی صورت میں جب کہ وہ نظر کے سامنے نہ ہو اُس کی طرف رُخ اجتہاد (ظن وتخمین) ہی کی بنا پر ہوتا ہے۔ نماز جیسی اہم عبادت میں جب یہ حکم مسلم ہے تو زندگی ومعاشرے کے دیگر مسائل میں بدرجہ اولیٰ ہوگا۔''

اِس سلسلے میں مولانا تقی امینی اِس آیت سے اِستدلال کرتے ہیں:

ترجمہ: ''اور جس جگہ بھی آپ نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کر لیجیے اور جہاں بھی تم رہو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کیا کرو۔'' (البقرۃ: 150)

4- سنت نبوی (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) سے اجتہاد کا ثبوت

آپ ﷺ کے اقوال اور افعال سے بھی اجتہاد کا ثبوت ملتا ہے۔

مثال 1

جب آپ ﷺ نے حضرت معاذؓ بن جبل کو یمن کا قاضی مقرر فرمایا تو اُن سے پوچھا ''اے معاذؓ! فیصلہ کس طرح کرو گے؟'' حضرت معاذ بن جبلؓ نے جواب دیا ''اے نبی ﷺ! جب میرے سامنے کوئی مسئلہ آئے گا تو میں سب سے پہلے اس کو ''کتاب اللہ'' سے حل کرنے کی کوشش کروں گا اور اگر اِس مسئلے کا حل قرآن مجید سے نہ نکلتا ہو تو میں ''حدیث'' کی طرف رُجوع کروں گا اور اگر اِس کا حل حدیث سے بھی نہ ملتا ہو تو پھر اِس کے بعد میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اِس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ برتوں گا۔'' آپ ﷺ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔

مثال 2

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ارشاد فرمایا:

''جب تم قرآن مجید میں کوئی حکم پاؤ تو اُس کے مطابق فیصلہ کرو اور جب کوئی حکم تم قرآن اور سنت میں نہ پاؤ تو اپنی رائے سے اجتہاد کرو۔''

مزید برآں رسول اللہ ﷺ جن صحابہؓ کو دُور دراز علاقوں میں ذمہ دار بنا کر بھیجتے تھے اُنھیں کتاب وسنت میں کسی معاملہ کے بارے میں حکم نہ پانے کی صورت میں اِجتہاد کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے۔ ہماری تہذیبی تاریخ سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت سے متعلق اجتہاد سرکاری واجتماعی انداز میں شروع ہوا اور وہ اِس طرح کہ مملکت کا سربراہ اہل علم اہل وفقہ میں سے ممتاز لوگوں کو چن لیتا تھا۔ جب کسی معاملہ میں غور وخوض کے بعد یہ لوگ کسی فیصلہ تک پہنچتے تھے تو اُس پر حکومت اور اُمت عمل کرنے لگ جاتی۔ آج دُنیا کے بڑے ممالک اپنے سیاسی نظام کی بنیاد اِسی اجتماعی اجتہاد یا بالفاظ دیگر شورائیت پر رکھتے ہیں۔

5- عبادات اور معاملات میں اجتہاد

ہمارے یہاں اِجتہاد کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اِس میں عبادات ومعاملات سے لے کر قومی وبین الاقوامی اُمور سب شامل ہیں۔ ہم دیکھ چکے ہیں کہ حضرت

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

عمرؓ مطلقہ عورت کے نفقہ و رہائش پر بھی مجتہدانہ غور و فکر کرتے تھے اور مفتوحہ علاقوں سے حاصل شدہ مال غنیمت کی مجاہدین میں تقسیم کے لیے بھی یہی طریقہ اختیار فرماتے تھے۔

6- مجتہد کی اقسام

(۱) مجتہد فی الشرع

اسے "مجتہد مستقل" بھی کہا جاتا ہے۔ یہ کسی خاص فقہی مذہب کا بانی ہوتا ہے اور اپنے مقرر کردہ اُصول و قواعد پر دلائل شرعیہ سے مسائل کے احکام کا استنباط (Deduction) کرتا ہے۔ وہ اُصول و فروع میں کسی دوسرے کی تقلید نہیں کرتا۔ مثلاً حنفی مذہب کے بانی امام ابوحنیفہؒ (م 150ھ)، مالکی مذہب کے بانی امام مالکؒ (م 179ھ)، شافعی مذہب کے بانی امام شافعیؒ (م 204ھ)، حنبلی مذہب کے بانی امام احمد بن حنبلؒ (م 241ھ) اور جعفری مذہب کے امام جعفر صادقؒ (م 148ھ) شامل ہیں۔

(۲) مجتہد فی المذہب

ایسا مجتہد کسی مذہب کا بانی نہیں ہوتا بلکہ اپنے امام کے وضع کردہ اُصول و قواعد پر مسائل کا حل تلاش کرتا ہے۔ اُصول و قواعد میں اُس کا اپنے امام سے اختلاف نہیں ہوتا البتہ فروعی مسائل میں وہ کسی کا مقلد نہیں ہوتا بلکہ ذاتی اجتہاد سے فروعی مسائل کو حل کرتا ہے۔ مثلاً حنفی مذہب میں امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد امام ابو یوسفؒ (م 182ھ) اور امام محمدؒ (م 189ھ)، مالکی مذہب میں امام ابن عبدالبرؒ (م 182ھ) جب کہ شافعی مذہب میں امام مزنیؒ وغیرہ۔

(۳) مجتہد فی المسائل

ایسا مجتہد صرف اُن فروعی مسائل میں اپنے اجتہاد سے کام لیتا ہے جن میں اُس کے امام سے کوئی روایت نہ ملتی ہو۔ وہ اُصول و فروع میں اپنے مذہب کے امام کی مخالفت نہیں کرتا بلکہ صاحب مذہب کے مقرر کردہ اُصول و قواعد کے مطابق نئے مسائل کا استنباط کرتا ہے۔ مثلاً حنفی مذہب میں امام طحاویؒ اور امام کرخیؒ وغیرہ۔

(۴) مجتہد مقید

اسے صاحب تخریج بھی کہتے ہیں۔ یہ اپنے امام کے اُصول و آراء کا پابند ہوتا ہے۔ اس میں اجتہاد والی صلاحیت نہیں ہوتی البتہ وہ اپنے مذہب کے اُصول، احکام کی حقیقت و منشا اور اُن کے دلائل کو اچھی طرح سمجھتا ہے۔ مجتہد مقید کا کام مجمل قول کی تفصیل کرنا اور ایک سے زیادہ جہتیں رکھنے والے قول کا تعین کرنا ہوتا ہے۔ اس طبقہ میں حنفی مذہب کے فقہا میں امام جصاصؒ وغیرہ شامل ہیں۔

اِن چار اقسام کے افراد کا تعلق مجتہدین سے ہے البتہ علامہ ابن کمال پاشاؒ نے تین قسمیں مزید بیان کی ہیں۔ جو یہ ہیں:

(i) اصحاب ترجیح

اِن فقہا کا کام یہ ہے کہ دلائل کی روشنی میں بتائیں کہ ان کے امام کی مختلف روایات میں سے کون سی روایت افضل اور کون سی مفضول ہے۔ حنفی مذہب میں علامہ قدوریؒ اصحاب ترجیح میں شامل ہیں۔

(ii) اصحاب تمیز

یہ فقہا قوی و ضعیف اور ظاہر و نادر روایات کے فرق کو اچھی طرح سمجھ کر اُنھیں ممتاز کرنے میں ماہر ہوتے ہیں۔

(iii) مقلدین محض

یہ وہ لوگ ہیں جن میں مندرجہ بالا اُمور میں سے کسی کی صلاحیت نہیں ہوتی بلکہ یہ جہاں اور جیسے کوئی قول پاتے ہیں، اُسے نقل کر لیتے ہیں جیسے اندھیری رات میں مکڑیاں چننے والا جو پاتا ہے، سمیٹ لیتا ہے۔

قرآن و سنت میں غور و فکر کرنے والے ائمہ و مجتہدین کی درجہ بدرجہ صلاحیت اور اُن کی دینی علوم میں کوشش کی وجہ سے عالم اسلام کے ہاں اِن کے مقام کے واضح ہو جانے کے بعد اجتہاد کی شرائط اور اقسام کا جاننا بھی ضروری ہے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

7- مجتہد کے لیے شرائط

(۱) قرآن مجید کا علم

مجتہد کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کے معارف، اسباب نزول، ناسخ و منسوخ، قرآت متواترہ، محکم و متشابہ آیات، قصص اور امثال وغیرہ کی بھرپور معرفت رکھتا ہو۔

(۲) سنت رسول (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کا علم

مجتہد کے لیے لازم ہے کہ وہ احادیثِ رسول ﷺ کا بھی عالم ہو۔ احادیث کے ناسخ و منسوخ اور اسباب نزول سے بھی واقفیت تامہ رکھتا ہو، احادیث کے متن کے ثبوت اور اُس سے متعلقہ اسماء الرجال (Narrators of the Hadith) کے علم سے بھی کامل آگاہی رکھتا ہو۔

ذیل میں علمائے اُصول، محدثین اور فقہا کے نزدیک 'سنت' کی تعریف دی جا رہی ہے:

(i) سنت، علمائے اُصول کے نزدیک

علمائے اُصول فقہ نے اسلامی قوانین کے دوسرے بڑے مآخذ کی حیثیت سے سنت کی یہ تعریف بیان کی ہے:

''شرع اسلام میں سنت کے لفظ کا اطلاق اُن تمام اُمور پر ہوگا جو نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں، اِس طرح اُن دلائل پر بھی ہوگا جو نبی کریم ﷺ سے قولاً یا عملاً ثابت ہوئے، لیکن وہ قرآن میں نہیں۔''

(ii) سنت، محدثین کے نزدیک

محدثین کے نزدیک سنت کا مفہوم زیادہ عام ہے۔ اُصولیین نبی کریم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کے صرف اقوال، افعال اور تقاریر کو سنت میں شامل مانتے ہیں۔ اکثر محدثین کے نزدیک آثارِ صحابہؓ اور بعض محدثین کے مطابق آثارِ تابعین بھی سنت کی تعریف میں شامل ہیں۔

(iii) سنت، فقہا کے نزدیک

فقہا کے نزدیک سنت کی تعریف حسب ذیل الفاظ میں کی جاتی ہے:

''ہر وہ چیز جو نبی کریم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) سے ثابت ہو لیکن وہ فرائض یا واجبات دین میں سے نہ ہو یعنی ایسا طریقہ جس پر عمل بحیثیت فرض یا واجب نہ کیا جائے۔''

(۳) اجماع و قیاس کا علم

قرآن و سنت کے بعد مجتہد کے لیے ضروری شرط ہے کہ اُسے اجماع اور قیاس کا بھی بھرپور علم ہو۔ قیاس سے متعلق امام شافعیؒ کا قول ہے ''جو قیاس کو نہیں جانتا، وہ فقیہ نہیں۔''

پس مجتہد کے ضروری ہے کہ وہ قرآن و حدیث کے بعد دو اہم مآخذ شریعت، اجماع و قیاس، سے بھی اچھی طرح باخبر ہو اور اُن سے متعلقہ علوم پر بھی کامل دسترس رکھتا ہو۔

(۴) عربی زبان کا علم

قرآن مجید اور حدیث پاک کی زبان عربی ہے بلکہ خالقِ ارض و سما کے کلام میں عربی مبین ہے۔ چنانچہ عربی زبان کی گرامر، شاعری اور اُسلوب کی ندرت پر کامل دسترس از حد ضروری ہے۔ اِس کے ساتھ ساتھ اُسے فصاحت و بلاغت، بیان، بدیع اور معانی کے علوم کا بھی کامل ادراک ہونا چاہیے۔ امام غزالیؒ کے الفاظ میں ''مجتہد کو اِتنا علم ضرور ہونا چاہیے جس سے عربوں کے خطابات اور عربی زبان میں اُن کے طریقوں کو سمجھا جا سکے۔''

8- اجتہادی اداروں کے قیام کے لیے اقدامات

اِجتہاد کی ضرورت ہمیشہ سے ہی مسلم رہی ہے اور اِس کی اہمیت سے کسی کو انکار نہیں اِس لیے کہ ہر دور میں نت نئے مسائل پیش آتے رہتے ہیں۔ دورِ حاضر

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

میں اس کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے کیونکہ جدید سائنسی ایجادات نے جہاں بہت سے نئے مسائل پیدا کیے وہیں ٹیسٹ ٹیوب بے بی، انتقالِ خون، بینکنگ میں پیش آمدہ مسائل، اعضا کی پیوندکاری، انشورنس، تصویر کشی اور فنِ مصوری جیسے دیگر چیلنجز یہ تقاضا کرتے ہیں کہ اِجتہادی اداروں کے قیام کے لیے سنجیدہ اقدامات کیے جائیں۔ اس حوالے سے چند تجاویز حسب ذیل ہیں:

(۱) اسلامی نظریاتی کونسل کی طرز پر دیگر اداروں کا قیام

پاکستان کی نظریاتی شناخت کے لیے علما کے متفقہ بائیس (22) نکات بہت اہم تھے۔ اس سے قبل قراردادِ مقاصد میں قرآن وسنت کو سپریم لاء کی صورت میں تسلیم کیا گیا اور پھر 1956ء کے آئین میں اسلامی دفعات کو اہمیت دینے کے ساتھ ساتھ 1962ء کے آئین میں کونسل فار اسلامک آئیڈیالوجی کا ذکر آرٹیکل 199، 203 کے تحت ایک مشاورتی کونسل کی حیثیت سے تھا۔ بعد ازاں جب 1973ء کا متفقہ آئین نافذ ہوا تو اُس کے حصہ نہم میں آرٹیکل 227 سے 231 تک اسلامی احکامات کے عنوان سے اسلامی نظریاتی کونسل کا تصور، اُس کی ہیئت ترکیبی، فرائض منصبی اور طریقہ کار سے متعلق شقیں اور احکام درج کیے گئے۔ 24 جولائی 1979ء کو ضیاء الحق حکومت نے اسلامی نظریاتی کونسل کو ہدایت کی کہ وہ پاکستان کے مروجہ نظام کا شرعی نقطۂ نظر سے جائزہ لے۔ اس حوالے سے اسلامی نظریاتی کونسل نے یہ نقطۂ نظر اختیار کیا کہ انتخابات کے نظام کا جائزہ، اسلام میں تصورِ سیاست کے وسیع تر تناظر میں لیا جانا چاہیے۔ اس حوالے سے کونسل نے 79-1978ء میں ایک رپورٹ بھی مرتب کی۔

اسلامی نظریاتی کونسل کا آئینی کردار یہ ہے کہ پارلیمنٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو اُن کی درخواست پر ایسی سفارشات بھیجے جن پر عمل پیرا ہو کر ایک مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی قرآن وسنت کے اُصولوں کے مطابق گزار سکے۔ 1973ء کے آئین میں اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین اور اس کے اراکین بارے ذکر ہے اور اس کے آرٹیکل 228 میں کونسل کی ہیئت ترکیبی کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ اس کے ارکان کی تعداد کم از کم 8 اور زیادہ سے زیادہ 20 ہوگی۔ صدرِ پاکستان ایسے فرد کو رکن نامزد کرے گا جس کے بارے میں اُسے علم ہو کہ وہ اسلامی فلسفہ اور قرآن وسنت میں وسیع مطالعہ کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ پاکستان کے سیاسی، قانونی اور انتظامی معاملات کو بھی بخوبی سمجھتا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل کے حوالے سے درج بالا تفصیلات کی روشنی میں یہ بات بہت اہم ہے کہ نہ صرف وفاقی بلکہ صوبائی سطح پر بھی اُس کے ذیلی دفاتر قائم کیے جائیں جو مرکزی کونسل کے تحت کام کریں۔ اس طرح ہر نئے مسئلہ کو مرکزی کونسل سے پہلے صوبائی کونسلوں میں پیش کیا جا سکے۔

(۲) تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان اور تمام وفاق ہائے مدارس میں اِجتہادی اداروں کا قیام

نجی شعبہ میں اس وقت پانچ بورڈز کام کر رہے ہیں۔

1۔ تنظیم المدارس اہل سنت پاکستان (بریلوی مکتبۂ فکر)

2۔ وفاق المدارس العربیہ (دیوبندی مکتبۂ فکر)

3۔ وفاق المدارس السلفیہ (اہلحدیث مکتبۂ فکر)

4۔ رابطۃ المدارس (جماعت اسلامی)

5۔ وفاق المدارس الشیعہ (شیعہ مکتبۂ فکر)

اِن تمام بورڈز کی ایک متفقہ تنظیم ہے جس کا نام ''اتحادِ تنظیماتِ مدارس دینیہ'' ہے۔ اس کے پہلے صدر مولانا سلیم اللہ صاحب اور ناظم اعلیٰ ڈاکٹر محمد سرفراز نعیمی شہیدؒ تھے۔ اِن تمام بورڈز سے انفرادی سطح پر یا مدارس دینیہ کے اِس مشترکہ پلیٹ فارم سے کسی اِجتہادی ادارہ کی نمو ہو سکتی ہے جو ملک وقوم کے لیے بہت مفید ہو گی۔

(۳) جامعات کے شعبہ ہائے قانون میں موجود سکالرز کا مشترکہ پلیٹ فارم پر اکٹھے ہو کر اِجتہادی کام کرنا

اس وقت پاکستان کی کم وبیش تمام سرکاری اور غیر سرکاری یونیورسٹیز میں قانون کے شعبہ جات موجود ہیں جہاں پر ایسے پروفیسرز جو پاکستانی قانون کے ساتھ ساتھ اسلامی قانون میں بھی ماہر ہوں، اُنھیں وفاقی حکومت کوئی ایسا مشترکہ پلیٹ فارم مہیا کرے جہاں وہ درپیش جدید مسائل پر اپنی رائے کا کھل کر اظہار کر سکیں اور اُن کی سفارشات اسلامی نظریاتی کونسل کو بھیجی جائیں تاکہ کونسل کے ممبران کے سامنے ایک مسئلہ بھرپور وضاحت کے ساتھ آ جائے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(۴) تحقیقی اداروں کا قیام

پاکستان میں خالص اجتہادی نقطۂ نظر سے قائم تحقیقی اداروں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ دیال سنگھ لائبریری میں ایک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم تھا جس نے اجتہادی حوالے سے اپنے مجلے ''منہاج'' میں بڑا تحقیقی کام پیش کیا مگر آج وہ بھی ختم ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس طرح کے خالص تحقیقی ادارے نجی کے ساتھ ساتھ حکومتی سطح پر بھی قائم ہونے چاہییں۔

9- اجتہاد چھوڑنے کے نقصانات

اگر اجتماعی اجتہاد کا سلسلہ جاری رہتا تو مسلمان بہت سارے اختلافات سے بچ گئے ہوتے لیکن منصب خلافت وحکومت پر بڑے گھرانوں کے قبضہ وتسلط کے نتیجے میں کم علم وکوتاہ نظر لوگ چھا گئے۔ یہ ایسے لوگ تھے جنھیں نہ قرآن وسنت کی سمجھ تھی اور نہ شورائیت اور استنباط سے کوئی واسطہ تھا۔ کتنی المناک بات ہے کہ دیگر قوموں کی سربراہی اُن کے غیر معمولی حد تک کے ذہین وقابل افراد کریں اور آخری رسالت کی علم بردار اُمت کی سربراہی کوتاہ فہم وکم عقل لوگوں کے ہاتھ میں ہو۔ اُمت نہ بانجھ تھی، نہ ہے اور نہ ہوگی۔ اس میں اہلِ علم وفہم کی قلت کبھی نہ تھی اس لیے جب بھی حکومتیں ٹھپ ہوئیں تو عوام خود متحرک ہو گئے اور انفرادی اجتہاد کا سلسلہ چل پڑا۔ اس میدان کی بڑی شخصیات نے مکاتیب فکر کی بنیاد ڈالی اور لوگ اُن کے گرد اکٹھے ہو گئے اور باوجود یکہ ائمہ فقہ اور حکمرانوں کے درمیان دُوری رہی بلکہ اکثر ائمہ حکمرانوں کی جانب سے ستائے گئے تاہم وہ اپنے علوم کی اشاعت اور اپنے مکاتب فکر کو پروان چڑھانے میں کامیاب رہے۔

10- دورِ جدید کی ریاست کو اسلامی بنانے میں اجتہاد اور اجماع کا کردار

دورِ جدید میں بہت سے مسائل ایسے ہیں جو اس دور کی اپنی پیداوار ہیں جب کہ شریعت کے اُصول تو ابدی ولافانی ہیں۔ اِن اُصولوں کی روشنی میں درپیش مسائل کا حل ضروری ہے۔ اگر صرف اُسی اجتہاد پر عمل کیا جائے جو قرونِ اولیٰ میں ہو چکا تو شاید دورِ حاضر میں شریعت پر چلنا مشکل ہو جائے گا۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ اُصول کبھی تبدیل نہیں ہوتے۔ ہاں اُصولوں کی روشنی میں جو قوانین وضع کیے جاتے ہیں، اُن میں وقت کے ساتھ ساتھ ضرورت کے مطابق تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ اس حوالے سے مولانا امین احسن اصلاحی رقم طراز ہیں:

> ''ایک مسلمان کے لیے صرف یہی ضروری نہیں کہ وہ نئے پیش آنے والے حالات ومسائل کا جائزہ لے بلکہ مسلمان پر تو شریعت کی طرف سے یہ ذمہ داری بھی عائد ہے کہ وہ اُن پچھلے اجتہادات پر عمل پیرا ہو اور اُن کا برابر جائزہ لیتا رہے کہ وہ کس حد تک اسلام کے اصل مآخذ قانون..... کتاب وسنت..... سے موافقت رکھتے ہیں۔ یہ جائزہ بھی درحقیقت ایک اجتہاد ہی ہے۔ دین کو زندہ اور متحرک رکھنے کے لیے یہ جائزہ بہت ضروری ہے۔ جو لوگ اس جائزہ سے بے پروا ہو جاتے ہیں وہ آہستہ آہستہ تقلید وجمود کا شکار ہو جاتے ہیں اور حیاتِ ایمانی کے اصل سرچشموں کے ساتھ اُن کا تعلق نہایت کمزور ہو جاتا ہے۔''
>
> (جدید اسلامی ریاست میں قانون سازی، ص 60، دارالتذکیر، اردو بازار، مطبوعہ 2005ء)

درج بالا اقتباس واضح کرتا ہے کہ اجتہاد کے بغیر صرف جمود ہی طاری ہوتا ہے جس کی وجہ سے اصل سرچشموں (قرآن وسنت) سے تعلق کمزور پڑ جاتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ اجتہادی اداروں کو فروغ دیا جائے۔ اس حوالے سے تجاویز دی جا چکی ہیں جن کے تحت تمام اجتہادات اسلامی نظریاتی کونسل کے سامنے لائے جائیں جو مزید بحث وتمحیص کے بعد اُن پر اتفاقِ رائے پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ جب ایک مسئلہ پر تمام علما وسکالرز کا اتفاق ہو جائے گا تو وہ ایسے اجماع کے درجہ میں ہوگا جسے کسی علاقے اور زمانے کے علما کرتے آئے ہیں۔ ایران میں پارلیمنٹ سے بالاتر علما کی ایک کونسل قائم ہے جو اس بات کا جائزہ لیتی ہے کہ کہیں پارلیمنٹ نے کوئی غیر شرعی قانون تو منظور نہیں کر لیا۔ پاکستان میں یہ کام سینیٹ کا ادارہ کر سکتا ہے بشرطیکہ اُس میں ٹیکنوکریٹس خالصتاً ایسے لوگ لیے جائیں جو دین میں اجتہادی صلاحیت کے حامل ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ اِن کی تعداد بھی زیادہ ہونی چاہیے۔ دورِ جدید کی ریاست کو اسلامی بنانے کے لیے ضروری ہے کہ اجتہاد اور اجماع کے کردار کو صحیح طور پر سمجھ کر ایسے بااختیار ادارے بنائے جائیں جو اجتماعی مسائل کا حل بغیر کسی بیرونی دباؤ کے محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نافذ کریں۔

کیا اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے؟

اجتہاد کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوا اور نہ ہی ہوگا۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

11- کیا ایک پڑھے لکھے مسلمان کو اِجتہاد کا حق حاصل ہے؟

نوٹ: اِجتہاد کے لیے جن علوم اور جس طرح کی شخصیت کی ضروری ہے وہ سوال کے شروع میں بیان کر دی گئی ہے۔ مذکورہ شرائط پوری کیے بغیر کسی کو یہ اہم ذمہ داری نہیں دی جانی چاہیے۔ جیسے جو شخص ڈاکٹر نہیں اُسے ہرگز یہ اجازت نہیں دی جاسکتی کہ وہ کسی کا آپریشن کرے یا کسی سول انجینئر کو کسی بڑی کمپنی کا فنانس ڈائریکٹر نہیں لگایا جاسکتا تو دینی علوم سے ناواقف کسی ایسے شخص کو یہ حق کیسے دیا جاسکتا ہے جسے فاعل اور مفعول کی بھی پہچان نہ ہو اور جس کے تقویٰ کا یہ عالم ہو کہ خود اُس کے گھر والے اُس کی دیانت پر اعتماد نہ کرتے ہوں؟ بالکل اِسی طرح قرآن میں غور و خوض کر کے وہی شخص صائب رائے دے سکتا ہے جو قرآن کی زبان، ناسخ و منسوخ، اُسلوب، اسبابِ نزول اور محکمات و متشابہات کے ساتھ ساتھ دیگر دینی علوم میں بھی ماہر ہو۔

12- خلاصۂ بحث

اِجتہاد کی ضرورت جس طرح قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کو تھی، آج کے مسلمانوں کو بھی ہے۔ اِس حوالے سے ذیل کی سفارشات بہت اہم ہیں۔ رائج فقہی مسالک پر نظرِ ثانی کی جائے اور اُن کے احکام کی چھان پھٹک کی جائے۔ یہ سمجھنا درست نہیں ہے کہ کوئی ایک مسلک ہی پورے کا پورا درست ہے اور دوسرے مسالک غلط ہیں۔ چار فقہی مذاہب کے متفقہ مسائل کو علیحدہ کر کے باقی مسائل میں تطبیق کی کوشش کی جائے، کچھ حوالوں سے کام ہو رہا ہے جب کہ بڑے پیمانے پر ابھی ضرورت باقی ہے۔ بقول اقبال:

جہانِ تازہ کی افکار تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

(مٹی اور پتھر سے نئی دُنیا تعمیر نہیں ہوتی بلکہ نئی دُنیا کے مسائل کا حل نئے افکار اور خیالات سے ممکن ہے، جس کا اہم ذریعہ اِجتہاد ہے۔)

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

18- ختم نبوت

1- تعارف

عقیدۂ ختم نبوت، اسلام کا اہم ترین عقیدہ ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تاجدارِ کائنات، فخرِ موجودات، احمدِ مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم)، اللہ کے آخری نبی اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ کے بعد قیامت تک کوئی دوسرا نبی نہیں آئے گا۔ نہ ظلّی نبی (نبوت کا سایہ)، نہ بروزی (کہ آپ ﷺ چھپ گئے ہیں اور کسی دوسرے کا ظہور ہو گیا ہے)، نہ ہی غیر شریعی (یعنی کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ نبی تو آپ ﷺ ہی ہیں اور شریعت بھی وہی ہے۔ ہاں میں نبی ہوں اور شریعت کے بغیر ہوں)۔ اس کی اہمیت یہ ہے کہ کوئی شخص اس عقیدے پر کامل ایمان لائے بغیر مسلمان نہیں ہو سکتا۔ پاکستان کی پارلیمنٹ (مجلس شوریٰ) نے 7 ستمبر 1984ء کو اس مسئلے کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حل کر دیا۔ ذیل میں اس حوالے سے آیاتِ قرآنی اور احادیث ملاحظہ کیجیے۔

2- عقیدۂ ختم نبوت کے حوالے سے قرآنی آیات

سیدنا محمد ﷺ کے خاتم النبیین اور آخری نبی ہونے پر صاف اور صریح آیت سورہ الاحزاب کی آیت نمبر 40 ہے جس میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ○

ترجمہ: ''محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاء کے آخر میں (سلسلۂ نبوت ختم کرنے والے) ہیں، اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہے۔''

اس کے علاوہ قرآن مجید کی اور آیات بھی ہیں جن سے آپ ﷺ کا خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہونا ثابت ہے:

(۱) اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (المائدہ: 3)

ترجمہ: ''آج میں نے تمھارے لیے تمھارے دین کو کامل کر دیا اور تمھارے اوپر اپنی نعمت کو تمام کر دیا اور تمھارے لیے اسلام کو بطور دین پسند فرما لیا۔''

نبی اکرم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کے اوپر دین کا کامل اور تمام ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ آخری نبی ہیں کیونکہ آپ ﷺ کے بعد کسی اور نبی کا آنا اسی وقت ممکن ہوتا جب آپ ﷺ کے دین اور آپ ﷺ کی شریعت میں کوئی ہوتی جس کو بعد میں آنے والا نبی پورا کرتا۔ جب آپ ﷺ کا دین کامل اور تمام ہے اور اس کا نامکمل ہونا ممکن نہیں ہے تو آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کا آنا بھی ممکن نہیں ہے۔

(۲) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَاۗفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا: 28)

ترجمہ: ''اور (اے رسول مکرم ﷺ!) ہم نے آپ ﷺ کو دنیا کے تمام لوگوں کے لیے (جنت کی) بشارت دینے والا اور (دوزخ سے) ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔''

اس آیت میں یہ تصریح ہے کہ آپ ﷺ دنیا کے تمام لوگوں کے لیے رسول ہیں۔ اگر آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کی بعثت کو جائز قرار دیا جائے تو لازم آئے گا کہ آپ ﷺ تمام لوگوں کے لیے رسول نہیں ہیں بلکہ بعض لوگوں کے لیے کوئی اور رسول آئے گا اور اس سے یہ آیت کاذب ہو جائے گی اور قرآن مجید کا کاذب ہونا محال ہے۔ اس سے لازم آیا کہ آپ ﷺ کے بعد کسی اور نبی کا آنا محال ہے۔

(۳) قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا (الاعراف: 158)

ترجمہ: ''اور (اے رسول مکرم ﷺ!) ہم نے آپ کو دنیا کے تمام لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔''

اس آیت کی بھی حسب سابق تقریر ہے کہ اگر آپ ﷺ کے بعد کسی رسول کا آنا ممکن ہو تو پھر آپ ﷺ سب کے لیے رسول نہیں رہیں گے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(۴) وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (الانبیاء:107)

ترجمہ: ''اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔''

اس آیت کی بھی اسی طرح تقریر ہے کہ اگر آپ ﷺ کے بعد کسی نبی یا رسول کا آنا ممکن ہو تو پھر بعض لوگوں کے لیے وہ رسول رحمت ہوگا یوں آپ ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت نہیں رہیں گے۔ اور یہ اس آیت کے خلاف ہوگا۔

(۵) تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ (الفرقان: 1)

ترجمہ: ''وہ ذات برکت والی ہے جس نے اپنے عبدِ کامل ﷺ پر وہ کتاب نازل کی جو حق اور باطل میں فرق کرنے والی ہے تاکہ وہ (عبدِ کامل) تمام جہانوں کے لیے (عذاب سے) ڈرانے والا ہو جائے۔''

اس آیت سے بھی اسی طرح استدلال ہے کہ اگر آپ ﷺ کی بعثت کے بعد کسی اور کی بعثت کو جائز اور ممکن کہا جائے تو آپ ﷺ تمام جہانوں کے لیے ڈرانے والے نہیں رہیں گے کیونکہ بعض لوگوں کو عذاب سے ڈرانے والا وہ رسول ہوگا اور یہ اس آیت کے خلاف ہے۔

3- عقیدۂ ختم نبوت کے حوالے سے آحادیث

(۱) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''میری مثال اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال اس شخص کی طرح ہے جس نے بہت حسین وجمیل ایک گھر بنایا مگر اس کے ایک کونے میں ایک اینٹ کی جگہ چھوڑ دی۔ لوگ اُس گھر کے گرد گھومنے لگے اور تعجب سے یہ کہنے لگے اس نے یہ اینٹ کیوں نہ رکھی پھر آپ ﷺ نے فرمایا (قصر نبوت کی) وہ اینٹ میں ہوں اور میں ہی خاتم النبیین ہوں۔'' (صحیح البخاری، رقم الحدیث:۳۵۳۵)

(۲) حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ نے میرے لیے تمام روئے زمین کو لپیٹ دیا اور میں نے اس کے مشارق اور مغارب کو دیکھ لیا ہے۔ (الیٰ قولہ) عنقریب میری امت میں تیس کذّاب (جھوٹے) ہوں گے۔ ان میں سے ہر ایک کا زعم ہوگا کہ وہ نبی ہے اور میں خاتم النبیین ہوں اور میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔'' (صحیح مسلم رقم الحدیث:۲۸۸۹)

(۳) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''مجھے چھ وجوہ سے انبیاء پر فضیلت دی گئی۔ (۱) مجھے جوامع الکلام عطا کیے گئے ہیں (۲) اور رعب سے میری مدد کی گئی ہے (۳) اور میرے لیے غنیمتوں کو حلال کر دیا گیا ہے۔ (۴) اور تمام روئے زمین کو میرے لیے آلہ طہارت اور نماز کی جگہ بنا دیا گیا ہے (۵) اور مجھے تمام مخلوق کی طرف (نبی بنا کر) بھیجا گیا ہے (۶) اور مجھ پر نبیوں کو ختم کیا گیا ہے۔ (صحیح مسلم، رقم الحدیث:۵۲۳)

(۴) حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تم میرے لیے ایسے ہو جیسا حضرت موسیٰ کے لیے ہارون تھے، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔'' (صحیح بخاری، رقم الحدیث: ۳۴۱۶)

(۵) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بنی اسرائیل کا ملکی انتظام ان کے انبیاء کرتے تھے۔ جب بھی کوئی نبی فوت ہو جاتا تو اس کا قائم مقام دوسرا نبی ہو جاتا۔ اور بے شک میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا اور میرے بعد بہ کثرت خلفاء ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۳۴۵۵)

(۶) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بے شک رسالت اور نبوت منقطع ہو چکی ہے۔ پس میرے بعد کوئی نبی ہوگا نہ رسول ہوگا۔ (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۲۷۲)

(۷) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہم آخر ہیں اور قیامت کے دن سابق ہوں گے۔

(صحیح البخاری رقم الحدیث: ۸۷۲)

(۸) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، کہ نبی کریم (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) نے فرمایا ''میں آخر الانبیاء ہوں اور میری مسجد آخر المساجد ہے یعنی (آخر مَساجِدُ الانبیاء) ہے۔'' (صحیح مسلم رقم الحدیث: ۱۳۹۴)

(۹) قتادہ بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا ''میں'' پیدائش میں سب سے پہلا ہوں اور بعثت میں سب سے آخر ہوں۔ (کنز العمال رقم الحدیث: ۳۱۹۱۶-۳۲۱۶۲)

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(۱۰) حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''بے شک میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین تھا اور بے شک (اس وقت) آدم اپنی مٹی میں گندھے ہوئے تھے۔'' (مسند احمد ج ۴ ص ۱۲۷)

(۱۱) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''میں تمام رسولوں کا قائد ہوں اور فخر نہیں اور میں خاتم النبیین ہوں اور فخر نہیں۔'' (سنن الدارمی رقم الحدیث:۵۰)

(۱۲) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حدیث معراج میں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انبیاء علیہم السلام کے سامنے فرمایا ''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے ''رحمت اللعالمین'' بنایا اور تمام لوگوں کے لیے بشیر ونذیر بنایا'' مجھ پر قرآن مجید نازل کیا جس میں ہر چیز کا بیان ہے اور میری امت کو خیر امت بنایا جو لوگوں کے نفع کے لیے بنائی گئی ہے' اور میری امت کو معتدل امت بنایا اور میری امت کو اول اور آخر بنایا اور اس نے میرا سینہ کھول دیا، میرا بوجھ اتار دیا اور میرے لیے میرا ذکر بلند کیا اور مجھ کو افتتاح کرنے والا اور (سلسلہ نبوت کو) ختم کرنے والا بنایا۔'' (مسند البزار رقم الحدیث:۵۵)

(۱۳) حضرت علیؓ نبی اکرم ﷺ کے شمائل میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں'' آپ کے دو کندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ خاتم النبیین تھے۔''
(سنن الترمذی رقم الحدیث:۳۶۳۸)

(۱۴) حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اے ابوذر! پہلے رسول آدمؑ ہیں اور آخری رسول محمد (ﷺ) ہیں۔''
(کنز العمال رقم الحدیث:۳۲۲۶۹)

(۱۵) حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ''میرے کئی اسماء ہیں، میں محمد ہوں اور میں احمد ہوں اور میں ماحی (مٹانے والا) ہوں اللہ میرے سبب سے کفر کو مٹائے گا اور میں حاشر (جمع کرنے والا) ہوں کہ لوگ میرے قدموں پر اٹھائے جائیں گے اور میں عاقب (آخر میں مبعوث ہونے والا) ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔'' (صحیح البخاری رقم الحدیث:۳۵۳۲)

(۱۶) اسماعیل بن ابی خالد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کیا آپ نے رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم کو دیکھا تھا؟ انھوں نے کہا'' وہ کم سنی میں فوت ہو گئے اور اگر ان کے لیے رسول اللہ ﷺ کے بعد زندہ رہنا مقدر ہوتا تو وہ نبی ہوتے لیکن آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں ہوگا۔'' (سنن ابن ماجہ رقم الحدیث:۱۵۱۰)

4- عقیدۂ ختم نبوت کی اہمیت کے پیش نظر فقہائے اسلام کا فیصلہ

اس پر امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ ہمارے نبی سیدنا محمد (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) آخری نبی ہیں اور یہ قرآن مجید کی صریح آیات اور احادیث متواترہ سے ثابت ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔

امام محمد بن محمد غزالی اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ہمیں اجماع اور مختلف قرائن سے یہ معلوم ہوا ہے کہ لَانَبِیَّ بَعْدِی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا ہے اور خاتم النبیین سے مراد بھی مطلق انبیاء ہیں' غرض ہمیں یقینی طور پر معلوم ہوا ہے کہ ان لفظوں میں کسی قسم کی تاویل اور تخصیص کی گنجائش نہیں ہے اور جو شخص اس حدیث میں تاویل یا تخصیص کرے وہ اجماع کا منکر ہے۔''

(الاقتصاد فی الاعتقاد (مترجم) ص ۱۶۳ بحوالہ تلخیص، تبیان القرآن، ج ۸ فرید بک سٹال)

5- عقیدۂ ختم نبوت کے حوالے سے امت مسلمہ کی ذمہ داریاں

عقیدۂ ختم نبوت کے حوالے سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اس عقیدے کو اپنے گھر، مسجد اور محلے کی سطح پر بیان کیا جائے۔ پھر شہر شہر اور تمام ممالک اسلامیہ اور غیر اسلامیہ میں مثبت انداز میں اس پیغام کو پہنچایا جائے۔ دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ اسے تعلیمی نصاب کا حصہ بنایا جائے۔ تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ پرنٹ میڈیا

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

اور الیکٹرانک میڈیا پر بار بار اس کی اشاعت کی جائے۔ پنجمی ذمہ داری یہ ہے کہ عوام الناس کی آگاہی کے حوالے سے خصوصی بندوبست کیا جائے۔ پانچویں ذمہ داری یہ ہے سکولز اور کالجز کے بچوں میں اسے بھرپور انداز میں بیان کیا جائے۔

نوٹ: اس وقت دنیا میں بہائی اور قادیانی ہیں جو ختم نبوت کے منکر ہیں۔ یا امریکا میں کچھ لوگ ہیں جو علی جاہ کی نبوت کے قائل ہیں۔ بہائی اور علی جاہ کے پیروکار بہت کم تعداد میں ہیں سب سے زیادہ قادیانی ہیں جو مرزا غلام احمد قادیانی کے پیروکار ہیں۔ ان کے دو فرقے ہیں ان کی غالب اکثریت مرزا غلام احمد قادیانی کو نبی اور رسول مانتی ہے۔ دوسرا فرقہ مرزا قادیانی کو مجدد اور محدث مانتا ہے اس کو لاہوری جماعت کہا جاتا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مرزا کو الہام اور وحی میں اشتباہ ہو گیا۔ قادیانی فرقہ ان کو کافر کہتا ہے۔ بلکہ وہ اپنے علاوہ تمام مسلمانوں کو کافر کہتا ہے۔ ان کے نزدیک جو بھی مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت پر ایمان نہ لائے وہ کافر ہے۔

مرزا غلام احمد قادیانی مشرقی پنجاب کے ضلع گورداسپور کے ایک گاؤں قادیان میں ۱۸۴۰ء میں پیدا ہوا۔ وہ لکھتا ہے کہ جب اس کی عمر چالیس سال کی ہو گئی تو اس پر زور شور سے مکالمات الٰہیہ کا سلسلہ شروع ہوا۔ (کتاب البریہ ص ۳۶)

۱۸۸۰ء میں مرزا ایک مبلغ کی حیثیت سے ظاہر ہوا۔ پھر اس نے محدث ہونے کا دعویٰ کیا اور اس نے یہ کہا کہ اس کو الہام کیا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قرب قیامت میں آسمان سے نازل ہونے اور اب تک زندہ ہونے کا جو مسلمانوں کا اجتماعی عقیدہ ہے، وہ غلط ہے اور اس عقیدہ کو ختم نبوت کے منافی قرار دیا اور ۱۸۹۰ء تک برابر کہتا رہا کہ میرے نزدیک نبی سیدنا محمد ﷺ خاتم النبیین اور آخری نبی ہیں، پھر اس نے خود کو مثیل مسیح اور مسیح موعود قرار دیا۔ ۱۸۹۱ء میں اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور ۱۹۰۸ء تک اس دعویٰ پر قائم رہا اور اسی سال کی عمر میں قے اور ہیضہ میں مبتلا ہو کر انجام کو پہنچا۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

19- عقائد وعبادات کے انسانی زندگی پر اثرات

(الف) عقیدۂ توحید کے اثرات

1- تعارف

انسانیت پر اسلام کا سب سے بڑا احسان عقیدۂ توحید ہے۔ جس طرح پورے اسلام کی جان اُس کے عقائد ہیں، اِسی طرح ان عقائد کی جان ''عقیدۂ توحید'' ہے۔ یہ عقیدہ دوسرے تمام عقائد کا نقطۂ کمال ہے جس کے مطابق ''اللہ ایک ہے''، وہی ساری کائنات کا خالق ہے، مالک ہے، رازق ہے، ازلی ہے اور ابدی ہے، انبیاءؑ کے بعد اس خالص عقیدہ کی تبلیغ جہاں علما کرام کی ذمہ داری ہے وہیں اُمّتِ مُسلِمہ کے ہر فرد کو اس چیلنج سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اپنا علمی اور عملی کردار ادا کرنا ہوگا۔

2- عقیدۂ توحید کے انسانی زندگی پر اثرات

دریتیم، حبیب کبریا، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ نے کائناتِ عالم کے لیے توحید کا جو خالص ترین عقیدہ پیش کیا، اس میں کسی قسم کی تشبیہہ، تمثیل اور شرک کی گنجائش نہ تھی۔ جیسے خود قرآن مجید میں موجود ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (اُس کی مثل کوئی چیز نہیں)۔ اس عقیدے نے انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر بے پناہ اثرات مرتب کیے جن سے مشکوٰۃ نبوت کے فیض یافتگان نے خوبصورت و دل نشین نتائج اخذ کیے۔ محسن انسانیت، سید الانقیاء، سید المرسلین، خاتم النبیین (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کی تعلیمات کا اتنا اثر ہوا کہ وہ لوگ جنھیں بھولے سے بھی خدا کا نام یاد نہیں آتا تھا، وہ اُس کے سوا سب کچھ بھول گئے، اُس کی راہ میں ہر چیز قربان کرنے کو تیار ہو گئے اور وہ چلتے پھرتے اُٹھتے بیٹھتے ہر حال میں اُس کی یاد میں سرشار رہنے لگے۔ اس سرمستی و سرشاری میں اُنھوں نے جنگلوں میں راہبانہ زندگی بسر نہیں کی اور اس بزدلانہ گوشہ نشینی کو تقدس کا نام نہیں دیا بلکہ فرائض کی ادائیگی اور اس راہ میں کوشش کو اپنا فرضِ منصبی سمجھا اور اللہ کا حکم سمجھ کر پوری جانبازی کے ساتھ اُسے بجالانے اور ان تمام ہنگاموں کے ساتھ دل کا معاملہ دلدارِ ازل کے ساتھ ہمیشہ قائم رکھا۔ ان اثرات میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں:

(i) آزادی اور حریت

انسانی زندگی پر اس کا سب سے نمایاں اثر یہ پڑتا ہے کہ یہ عقیدہ انسان کو آزادی و حریت کا وہ بلند مقام بخشتا ہے جس کا وہ اشرف المخلوقات ہونے کی حیثیت سے مستحق ہے۔ تمام کائنات انسان کے لیے ہوتی ہے لیکن جب تک انسان توحید سے آشنا نہیں ہوتا اس وقت تک اس کی ذلت کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی حقیر سے حقیر چیزوں سے ڈرتا اور کانپتا ہے۔ جو چیزیں اس کی تابع داری اور اطاعت کے لیے پیدا ہوئی ہیں وہ خود ان کی تابع داری اور اطاعت کرتا ہے۔

(ii) محبتِ الٰہی

عقیدۂ توحید کی وجہ سے جہاں انسان اللہ تعالیٰ کی مخلوق سے محبت کرتا ہے وہاں وہ خود خالقِ ارض و سما سے بھی بڑھ چڑھ کر محبت کرتا ہے' خالق ارض و سما جل جلالہٗ نے ارشاد فرمایا:

ترجمہ: ''وہ لوگ جن کو تجارت اور خرید و فروخت اللہ کی یاد سے غافل نہیں کرتی۔''

اِن بزرگانِ خدا کی محبت الٰہی کا درجہ دنیا کی ہر محبت پر غالب آ گیا۔ اس حوالے سے سورۃ البقرۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''ایمان والے سب سے زیادہ محبت اللہ سے کرتے ہیں۔''

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(iii) وسعتِ نظر

ایمان باللہ اور توحید کا انسانی زندگی پر ایک اہم اثر یہ ہے کہ یہ انسان کی نگاہ میں اللہ تعالیٰ کی سلطنت جتنی وسعت پیدا کر دیتا ہے۔ اس طرح وہ کائنات پر اپنے نفس کے تعلق سے نہیں بلکہ خداوندِ عالم کے تعلق سے نگاہ ڈالتا ہے۔ اس کی دوستی اور دشمنی نفس کے لیے نہیں بلکہ اللہ کے لیے ہوتی ہے۔ نتیجے کے طور پر اللہ پر ایمان رکھنے والا کبھی تنگ نظر نہیں ہوتا۔

(iv) عزتِ نفس

اللہ تعالیٰ پر ایمان انسان کو پستی اور ذلت سے اُٹھا کر خودی اور عزت نفس کے بلند ترین درجہ پر پہنچا دیتا ہے۔ جب تک اُس کا اپنے مالک و رازق سے تعارف نہیں تھا تب تک وہ مظاہرِ فطرت سے بھی ڈرتا تھا لیکن جب اُس نے اپنے خالق کو پہچان لیا تو سب موجودات اُس کے لیے ہیچ ہو گئیں۔ بزبان اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

(v) عجز و نیاز

اللہ تعالیٰ پر ایمان سے پیدا ہونے والی خودداری انسان کو مغرور اور متکبر نہیں بناتی بلکہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک پر ایمان رکھنے والے شخص میں خودداری اور عجز و انکساری ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہو جاتی ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی طاقت کے سامنے وہ بالکل بے بس ہے۔ اللہ کی حکومت سے نکلنا اس کے بس میں نہیں ہے۔ وہ کیا، تمام عالم اُس ایک اللہ کا محتاج ہے۔ ایمان باللہ رکھنے والے شخص میں ایسی خودی ہوتی ہے جو علم سے بھی محکم ہوتی ہے اور عشق سے بھی یعنی اس میں عقلی و روحانی ہر طرح کی قوتیں مجتمع ہو جاتی ہیں۔

(vi) غلط توقعات کا ابطال

یہ حقیقت ہے کہ انسان کی فطرت میں عبادت کرنا شامل ہے۔ ''ایمان باللہ'' سے محروم شخص اگر اللہ رب العزت کی عبادت نہ کرے تو قدرتی طور پر اپنی ذات کی طرف متوجہ ہو کر اپنے نفس کی پوجا کرنے لگتا ہے مگر اللہ تعالیٰ پر ایمان کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے تمام جھوٹے خداؤں بشمول نفس اور دیگر باطل بھروسوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''کیا آپ نے اُس شخص کو نہیں دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا لیا ہے۔''

3- عقیدۂ توحید اور اجتماعی زندگی

عقیدۂ توحید کا اجتماعی زندگی پر بھی گہرا اثر ہوتا ہے۔ انسانی معاشرت کی بنیاد کامل عدل، صحیح مساوات، وحدتِ الٰہ اور وحدتِ آدم کے بغیر ناممکن ہے۔ دنیا کی تباہی کا اصل سبب یہ ہے کہ جس رفتار سے سائنس نے ترقی کی ہے اُس رفتار سے انسان کے شعور نے ترقی نہیں کی۔ انسانیت کو قوم پرستی اور وطن پرستی کے ٹکڑوں میں بانٹ دیا گیا ہے۔ اقوامِ عالم کی صورت حال یہ ہے کہ ہر قوم کی ایک دوسرے سے نہ صرف نسلیں جدا جدا ہیں بلکہ ان کے معبود بھی ایک جیسے نہیں۔ ان نسلوں میں افراد کی شہریت، اعتقادات اور اخلاقیات بھی ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتے یعنی اتحاد کے لیے بعینہٖ کوئی مشترک رشتہ موجود نہیں۔ مشترک رشتہ صرف ایک ہو سکتا ہے کہ خدا کو ایک جانیں، اُس کے اُتارے ہوئے قانون پر سب عمل کریں اور اپنے آپ کو ایک ہی آدم کے مشترک گھرانے کا فرد سمجھیں۔ عقیدۂ توحید کی اساس کے سوا باقی ساری اساسیں نہ صرف کمزور ہیں بلکہ ناقابلِ عمل بھی ہیں اور یہ مسائل کو حل کرنے کی بجائے ان میں مزید اضافہ کر دیتی ہیں۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(ب) عقیدۂ آخرت کے اثرات

1- تعارف

انسانی عقل کے مطابق ہر کوئی اپنی کارگزاری کا بدلہ چاہتا ہے اور بدلے والے دن ہی یہ پتا چلتا ہے کہ کس نے کتنا بہتر اور کتنا برا کام کیا۔ اس لیے ایک دن مقرر کیا گیا کہ جب کائنات کا نظام اپنی عمر پوری کر چکے اور اس کے بعد اس کے باسیوں کو ان کی زندگیوں کا حساب جزا و سزا کی صورت میں دیا جا سکے۔ اس دن کو یومِ آخرت کہتے ہیں، اس دن کے دیگر نام درج ذیل ہیں۔

(الف) یَوْمُ القیامۃ (قیامت کا دن) (ب) یَوْمِ الدِّیْن (جزا کا دن) (ج) یوم البعث (دوبارہ اٹھنے کا دن)

انسان کے مشاہدے کے مطابق روزانہ کئی لوگ اس دنیا سے رُخصت ہوتے ہیں۔ اس طرح انسانی تاریخ میں اربوں لوگ آئے اور چلے گئے۔ سائنس دان بھی ''Big Crunch'' تھیوری کے تحت اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ساری کائنات ایک دن اپنا توازن کھو دے گی اور نتیجتاً اشیا ایک دوسرے سے ٹکرا کر تباہ ہو جائیں گی۔

2- عقیدہ آخرت کے اثرات

(۱) جذبہ خیر کا فروغ

عقیدۂ آخرت کی وجہ سے انسان نیکی اور بھلائی کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ آخرت میں یہی نیکیاں اور بھلائیاں اس کی فلاح و کامیابی کا باعث ہوں گی۔ اس طرح انسان میں جذبہ خیر کو فروغ نصیب ہوتا ہے اور وہ ہر ایک کی بھلائی اور بہتری چاہنے لگتا ہے۔

(۲) شجاعت کا فروغ

عقیدۂ آخرت انسان کے دل سے ''غیر اللہ'' کا خوف نکال دیتا ہے جس کے نتیجے میں انسان اللہ کے سوا باقی تمام اشیاء کے خوف سے آزاد ہو جاتا ہے۔ اس طرح انسان میں جذبہ شجاعت فروغ پاتا ہے کیونکہ اس کے دل میں جب خوف خدا بیدار ہو جاتا ہے تو تمام دنیاوی خداؤں کے خوف دل سے رفع ہو جاتے ہیں۔

(۳) صبر و تحمل کا فروغ

عقیدہ آخرت انسان کو صابر اور متحمل بنا دیتا ہے۔ پھر اخروی برکات کے حصول کے لیے انسان دنیاوی مشکلات میں نہ صرف صبر و تحمل کا مظاہرہ کرتا ہے بلکہ مشکلات کا بخوشی مقابلہ بھی کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ترجمہ: ''جب انہیں کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہمیں اُسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' (البقرہ:156)

(۴) نعمتوں کا صحیح استعمال

عقیدۂ آخرت پر یقین رکھنے سے انسان اللہ کی عطا کردہ نعمتوں اور صلاحیتوں کا صحیح استعمال کرتا ہے۔ وہ اپنی جان، مال، اولاد اور دیگر تمام نعمتوں کو رضائے الٰہی اور اخروی اجر کے مقابلہ میں ہیچ سمجھتا ہے۔

(۵) حقوق و فرائض میں توازن

عقیدۂ آخرت پر ایمان سے انسان زندگی کے معاملات میں توازن اختیار کرتا ہے اور بے اعتدالی اور عدم توازن کا شکار نہیں ہوتا۔ یوں انسانوں کے درمیان حقوق و فرائض کی جنگ نہیں چھیڑتی بلکہ ہر کوئی اپنے فرائض کی ادائیگی کو مقدم رکھتا ہے کیونکہ عقیدۂ آخرت کی وجہ سے اسے یقین ہوتا ہے کہ قیامت کے روز اس سے فرائض کی بابت باز پرس ہوگی۔ ارشاد نبوی (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) ہے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

"تم میں سے ہر کوئی راعی ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔"

(۶) بامقصد زندگی، کامیاب آخرت

درحقیقت آخرت پر ایمان سے انسان کی ساری زندگی بامقصد ہو جاتی ہے۔ وہ خود بھی اپنی زندگی سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور دوسرے بھی اس سے خیر پاتے ہیں اور خیر کی توقع رکھتے ہیں۔ عقیدہ آخرت سے جہاں انسان کی دنیاوی زندگی بامقصد اور احسن بن جاتی ہے وہاں اسے یہ یقین بھی ہوتا ہے کہ اسے روز محشر شرمندگی نہیں اٹھانا پڑے گی بلکہ خدا کی رضا اور اس کا انعام میسر آئے گا۔

(۷) صبر و تحمل

عقیدۂ آخرت کی وجہ سے قانون کی پاسداری کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے کیونکہ قانون توڑنے سے بعض اوقات اللہ تعالیٰ کے بندوں کا حق متاثر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر یقین رکھنے والا فرد سوچتا ہے اگر آج قانون سے بچ بھی گیا تو بروزِ محشر نہیں بچ سکوں گا۔

(۸) انفاق فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں مال خرچ کا جذبہ)

عقیدۂ آخرت کا ایک اہم اثر یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کی جزا کئی گنا چاہتا ہے، اسی وجہ سے وہ اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔ بدلے میں اللہ تعالیٰ روزِ جزاء کے دن کئی گنا بڑھا کر اپنے بندے کو عطا فرمائے گا۔

3- عقیدۂ آخرت کے اجتماعی زندگی پر اثرات

(i) اخوت و بھائی چارہ۔ عقیدۂ آخرت سے باہمی بھائی چارہ اور اخوت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

(ii) عفو و درگزر۔ انسان کے اندر یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اُسے ایک دن اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ یہ احساس اُس کے اندر عفو و درگزر کی صفت کو پیدا کرتا ہے۔

(iii) ایفائے عہد۔ اللہ تعالیٰ کا ڈر بندے میں وعدے کو پورا کرنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

(iv) امدادِ باہمی۔ بندہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا محتاج ہے تو یہ کیفیت اس کے اندر دوسرے لوگوں کی مدد کا جذبہ ابھارتی ہے۔

(v) مثالی معاشرہ۔ عقیدہ آخرت کے تصور جزا و سزا سے دنیا میں بہترین معاشرہ تشکیل دینے کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔

(vi) خدمتِ خلق کا جذبہ۔ عقیدۂ آخرت سے خدمت خلق کا جذبہ بیدار ہوتا ہے انسان سوچتا ہے کہ اگر آج اُس نے اچھا کام کیا تو کل محشر کے دن وہ صلہ پائے گا۔

(vii) عقیدہ آخرت سے اللہ تعالیٰ کی رضا کا تصور اپنے کمال تک پہنچتا ہے۔

(viii) عدل و انصاف کی طرف رغبت۔ مرنے کے بعد کی زندگی کا پختہ یقین انسان کو ظلم سے باز رکھتا ہے اور عدل پر مجبور کرتا ہے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(ج) نماز کے اثرات

1- یادِ الٰہی کا ذریعہ

نماز کا اخلاقی، روحانی اور سماجی اثر یہ ہے کہ نماز قائم کرنے کی وجہ سے لوگ اللہ کی یاد سے لوگ غافل نہیں ہوتے۔ قرآن کریم میں اس حوالے سے یوں وضاحت کی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ (الزخرف:36)

ترجمہ: ''اور جو شخص (خدائے) رحمان کی یاد سے غافل ہوتا ہے ہم اُس کے لیے ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اُس کا ساتھی ہوتا ہے۔''

2- بہترین واعظ

نماز کا دوسرا اخلاقی اور روحانی اثر یہ ہے کہ نماز واعظ کی طرح آگاہ کرتی ہے۔ کہ بندہ جذبات کے غلبے اور خواہشات کے ہجوم میں یہ حقیقت فراموش نہ کر بیٹھے کہ اُسے ایک دن اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔

3- گناہوں سے حفاظت

نماز کا تیسرا روحانی اور اخلاقی اثر یہ ہے کہ نماز گناہوں کو مٹاتی ہے۔ بندہ جب صحیح شعور کے ساتھ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے عہد کی تجدید کرتا ہے کہ وہ اُس کی نافرمانی سے اجتناب کرے گا۔ اِس کے نتیجے میں وہ ایک نماز سے دوسری نماز تک کی لغزشوں پر لازماً شرمندگی محسوس کرتا اور اُن سے بچنے کے لیے ایک نئے ارادے کے ساتھ زندگی کی مصروفیتوں کی طرف لوٹتا ہے۔ غور کیجیے تو توبہ کی حقیقت بھی یہی ہے اور توبہ کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ بندے کو گناہوں سے پاک کر دیتی ہے۔

4- مشکل کشا

نماز کا چوتھا روحانی، اخلاقی اور سماجی اثر یہ ہے کہ نماز مشکل کشا ہے۔ یہود کو جب قرآن نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا عہد از سرِ نو استوار کرنے کی دعوت دی تو ذمہ داریوں کے اُٹھانے کے لیے نماز ہی کے ذریعے سے مدد چاہنے کی ہدایت فرمائی۔ اسی طرح یہی معاملہ بنی اسمٰعیل کے اہلِ ایمان کے ساتھ ہوا۔ چنانچہ فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (البقرۃ:153)

ترجمہ: ''ایمان والو، صبر اور نماز سے مدد چاہو۔ بے شک، اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔''

5- دعوتِ حق کی پہچان

نماز کا پانچواں اخلاقی اور روحانی اثر یہ ہے کہ یہ نماز دعوت حق کی پہچان ہے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ اُس کے نزدیک مصلحین وہی ہیں جو کتاب الٰہی کو اللہ تعالیٰ کے عہد اور حق و باطل کے لیے میزان کی حیثیت سے پوری مضبوطی کے ساتھ تھامتے اور نماز کا اہتمام کرتے ہیں۔

6- استقامت کا ذریعہ

نماز کا چھٹا اخلاقی اور روحانی اثر یہ ہے کہ نماز اللہ کے راستے میں استقامت کا ذریعہ ہے۔ اِس راستے کے مسافر جانتے ہیں کہ اِس سفر میں استقامت اللہ تعالیٰ کی مدد ہی سے ممکن ہے۔ سورۂ علق میں اِس کو واضح کر دیا گیا ہے ارشادِ باری تعالیٰ کا ترجمہ ہے کہ:

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

''اللہ کی بارگاہ میں سربسجود رہو اور اِس طرح میرے قریب ہو جاؤ''

آیت کریمہ میں اس حقیقت کو واضح کر دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جدوجہد کے لیے اگر اُس کی معیت حاصل ہو سکتی ہے تو اُس کی کتاب اور اُس کے حضور میں نماز ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اِس مقصد کے لیے سب سے زیادہ اہمیت قیام اللیل، یعنی نماز تہجد کی ہے۔ چنانچہ رسول اللہ (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم) کو جب لوگوں کو ڈرانے کا حکم ہوا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن کریم کو اُٹھانے اور اِس کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا مقصود ہے تو اے حبیب (حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحبہ وسلم)! رات کی نمازوں میں (حسب سابق) قرآن کریم کی تلاوت برقرار رکھیے۔ اِس کی وجہ یہ بتائی کہ یہ وقت دل و دماغ کے فراغ اور فہم قرآن کے لیے سب سے زیادہ موزوں ہے۔ یہ وقت چونکہ دماغ کے سکون اور دل کی بیداری کا خاص وقت ہے، اِس وجہ سے زبان سے جو بات نکلتی ہے، 'از دل خیزد بر دل ریزد' (دل سے بات اُٹھتی ہے اور دل تک پہنچتی ہے) کا مصداق بن کر نکلتی ہے۔ اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''اے چادر لپیٹنے والے محبوب! آپ ﷺ رات کو (نماز میں) قیام فرمایا کریں مگر تھوڑی دیر (کیلئے)۔ آدھی رات یا اِس سے تھوڑا کم کر دیں۔ یا اِس پر کچھ زیادہ کر دیں اور قرآن خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں۔'' (المزمل 1:-4)

بعض روایتوں میں ہے کہ اِس دنیا کی طرف اللہ تعالیٰ کی خاص توجہ کا وقت بھی یہی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہر رات ہمارے قریبی آسمان کی طرف نزول فرماتے ہیں، یہاں تک کہ جب ایک تہائی رات باقی رہ جاتی ہے تو ارشاد ہوتا ہے: کون دعا کر رہا ہے کہ میں اُسے قبول کروں؟ کون مانگتا ہے کہ اُسے دوں؟ کون مغفرت چاہتا ہے کہ اُسے بخش دوں؟

7۔ کائنات کی فطرت

نماز کا ساتواں اخلاقی اور روحانی اثر یہ ہے کہ نماز کائنات کی فطرت ہے۔ انسان کی آنکھیں ہوں اور وہ اُن سے دیکھتا بھی ہو تو اِس حقیقت کو سمجھنے میں اُسے کوئی مشکل نہیں ہوتی کہ اِس عالم کا ذرہ ذرہ فی الواقع اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتا اور اُس کے سامنے سجدہ ریز رہتا ہے۔

8۔ حقیقی زندگی

نماز کا آٹھواں اخلاقی اور روحانی اثر یہ ہے کہ نماز ہی حقیقی زندگی ہے۔ انبیا علیہم السلام جو دعوت لے کر آتے ہیں، اُسے قرآن میں زندگی سے تعبیر کیا گیا ہے:

ترجمہ: (ایمان والو، اللہ اور اُس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہو، جبکہ رسول تمھیں اُس چیز کی طرف بلاتا ہے جس میں تمھارے لیے زندگی ہے)۔ (الانفال:24)

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(د) روزہ کے اثرات

1- تزکیہء نفس

روزے کے فوائد میں سے ایک اہم فائدہ اپنے نفس کا تزکیہ یعنی نفس کی پاکیزگی ہے۔ جو آدمی صبح سے شام تک بھوکا پیاسا رہتا ہے، نہ وہ بری آنکھ سے کسی کو دیکھتا ہے اور نہ ہی برائی کے بارے میں سوچتا ہے، وہ دراصل اپنے نفس کو پاک کر رہا ہوتا ہے تزکیہء نفس کے حوالے سے ارشاد باری تعالیٰ ہے:

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (الاعلیٰ:14)

ترجمہ: ''تحقیق وہ فلاح پا گیا جس نے اپنا تزکیہ کر لیا۔''

(تزکیہ نفس کے حوالے سے کتاب میں پورا سوال موجود ہے، اس کو ضرور دیکھیں)

2- اطاعتِ حکمِ خداوندی

روزے کے فوائد میں سے ایک فائدہ حکمِ خداوندی کی اطاعت ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہوتا تو کون سارا دن بھوکا رہتا؟ روزہ رکھا ہی اس لیے جاتا ہے تاکہ خالقِ حقیقی کے احکام کو بجالایا جائے، اسی کو حقیقی مالک و رازق مانا جائے اس حوالے سے ارشادِ باری تعالیٰ ذہن میں رہے (**اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول**) ''اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو''۔

3- رضائے الٰہی کا حصول

روزہ دار کے بارے میں حدیث قدسی ہے:

ترجمہ: ''روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا۔''

ہر مسلمان اس لیے روزہ رکھتا ہے کہ اُس کا مالک و خالق اس سے راضی ہو جائے اور خدا تعالیٰ کی رضا بھی اسی میں ہے کہ اس کے بندے اس کے احکامات کی پیروی کریں اور جو اس کی رضا ہو اس پر راضی ہوں تاکہ اللہ ان کو جزا دے۔

4- تحمل و برداشت

روزہ سے انسان میں تحمل و برداشت کی صفت پیدا ہوتی ہے۔ جب ایک آدمی صبح تا شام بھوکا، پیاسا رہے، برائیوں سے اجتناب کرے تو اس میں تحمل و برداشت پیدا ہوگا جو رمضان کے بعد اس کے کردار کا حصہ بن سکتا ہے۔ تحمل و برداشت کے لیے دوسرا لفظ ''صبر'' ہے، صبر کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (الزمر:10)

ترجمہ: ''بیشک صبر کرنے والوں کو پورا دیا جائے گا ان کا اجر بغیر کسی حساب کے۔''

5- تعمیرِ سیرت

روزہ سے انسان کی سیرت کی تعمیر بھی ہوتی ہے۔ اگر ایک آدمی کو گالم گلوچ، غیبت و بدکاری کی لت پڑ چکی ہو، وہ رمضان میں روزہ رکھنا شروع کر دے تو روزہ اسے ان تمام برائیوں سے روکے گا اگر پھر بھی وہ آدمی ان برائیوں سے باز نہ آئے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ تعالیٰ کو کسی آدمی کے بھوکا پیاسا رہنے سے کوئی مطلب نہیں''۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

6۔ تقویٰ

روزہ سے تقویٰ اور پرہیز گاری کی صفت بھی پیدا ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں روزے کا بنیادی مقصد بھی تقویٰ اور پرہیز گاری کو ہی بتایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ○ (البقرہ:183)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد سے واضح ہے کہ سابقہ امم کی طرح مسلمانوں پر روزے اس لیے فرض کیے گئے ہیں تاکہ مسلمان تقویٰ اختیار کریں۔ پرہیز گار بنیں۔ اللہ تعالیٰ سے ڈریں۔

7۔ امدادِ باہمی

روزہ انسان میں امدادِ باہمی کا جذبہ بیدار کر کے صبر و تحمل پیدا کرتا ہے، لالچ و حرص کے جذبات کی نفی کر دیتا ہے اور ایک دوسرے کی مدد کے لیے احساس اجاگر کرتا ہے۔ اسی لیے تمام روزہ دار ایک دوسرے سے تعاون کرتے نظر آتے ہیں۔ روزہ دراصل تمام انسانوں کو امداد باہمی کا درس دے رہا ہوتا ہے۔ جب ایک آدمی روزہ رکھ کر بھوکا پیاسا رہتا ہے تو اسے دوسروں کی بھوک کا احساس ہوتا ہے جو اس میں امداد اور تعاون کا جذبہ بیدار کرتا ہے۔

Scanned with CamScanner

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

(۸) حج کے فوائد

حج کی اہمیت کا اندازہ حج کے مندرجہ ذیل فوائد وثمرات سے بھی ہو جاتا ہے۔

۱۔ **محبت واطاعتِ الٰہی کا فروغ:۔** جو شخص خلوص نیت سے حج کا سفر اختیار کرتا ہے اس کے دل میں اللہ سے پیار کی ایسی شمع روشن ہو جاتی ہے جو اس کے قلب کو غلاظتوں سے پاک کر کے ہدایت سے منور کر دیتی ہے پھر وہ محبت واطاعت الٰہی کے جذبے کے تحت عملی طور پر قربانی دینے کے لیے ہر وقت تیار نظر آتا ہے۔

۲۔ **اللہ کی عبادت کا حقیقی فہم:۔** عبادت الٰہی میں تاثیر کے لیے ضروری ہے کہ انسان عبادت کے مفہوم اور مقصد سے آگاہ ہو۔ حج میں نماز، روزہ اور زکوٰۃ کی مختلف کیفیات بیک وقت یکجا ہو جاتی ہیں جو اللہ کی عبادت کا حقیقی فہم پیدا کرنے اور اسے فروغ دینے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ اس طرح انسان کو اپنے رب کی عبادت کا ڈھنگ آ جاتا ہے۔

۳۔ **جذبہ ایثار کا فروغ:۔** جذبہ ایثار خود غرضی، لالچ اور ذہنی پستی کو ختم کرتا ہے۔ حج جذبہ ایثار کے فروغ کے لیے بہترین تربیتی کورس ہے۔ حج کے ایام میں بندہ ہر لحہ ایثار وقربانی کا عملی مظاہرہ کرتا ہے۔

۴۔ **ضبطِ نفس کی تربیت:۔** احرام باندھتے ہی بندے پر کئی حلال اشیاء مقررہ مدت تک حرام ہو جاتی ہیں۔ وہ ان اشیاء کی طرف میلان رکھتے ہوئے بھی حکم الٰہی کے تحت ان سے پرہیز کرتا ہے اور یوں ضبطِ نفس کا عملی مظاہرہ کرتا ہے۔ اس طرح حج ضبطِ نفس کے لئے بھی بہترین تربیت ہے۔

۵۔ **سادگی کی تربیت:۔** حج انسان میں سادگی کی صفت پیدا کرتا ہے اور فضول خرچی اور فخر وغرور سے بچاتا ہے۔ حج کے دوران میں احرام باندھنا، خوشبو سے پرہیز کرنا، شکار سے باز رہنا جیسے امور انسان میں سادگی کو فروغ دیتے ہیں۔

۶۔ **مساوات کا فروغ:۔** حج کے موقع پر دنیا کے ہر کونے سے آئے ہوئے بندگان الٰہی ایک ہی لباس میں، ایک ہی امام کی اقتدا میں اور ایک ہی مقصد کے تحت مساوات کا بے مثال اور لازوال عملی مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایسی مثال دنیا کے کسی بھی کونے میں دیکھنا ناممکن ہے۔ یہ دین اسلام ہی ہے جس کے ماننے والے رنگ، نسل، علاقے، زبان اور امارت وغربت کے مصنوعی امتیازات سے بالاتر ہوتے ہیں اور حج کے موقع پر اس کا بہترین عملی اظہار کرتے ہیں۔ بقولِ اقبالؒ:

؎ بندہ صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

۷۔ **اتحادِ عالم اسلامی:۔** حج اتحادِ عالم اسلامی کے لیے بہترین موقع فراہم کرتا ہے۔ اسلامی ممالک کو اس سالانہ اجتماع سے استفادہ کرتے ہوئے اتحادِ اسلامی کو فروغ دینا چاہیے۔ افراد کی طرح حکومتیں بھی اتحاد کا عملی مظاہرہ کریں۔ حج فی الحقیقت اتحادِ عالم اسلامی کے فروغ کا بہترین موقع ہے۔

؎ مکے نے دیا خاک جنیوا کو یہ پیغام
جمعیت اقوام کہ جمعیت آدم؟

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

WORLD TIMES
INSTITUTE FOR CSS, PMS
Aspirants' #1 Choice

— we rise by lifting others —

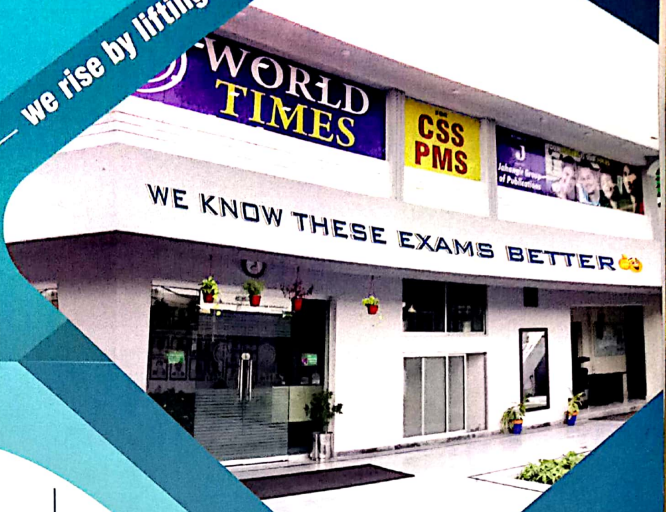

Why WTI?

- ☑ Senior/Examiner-level Faculty
- ☑ In-house, Purpose-built Library
- ☑ In-house Counsellors
- ☑ 4 ½-month Study Plan
- ☑ Teachers Handouts
- ☑ Special Lectures by Eminent Personalities
- ☑ Special G. Knowledge & English Classes
- ☑ Weekly, Monthly and Grand Tests
- ☑ Exclusive Tips & Tricks Sessions
- ☑ Daily MCQs through SMS
- ☑ Zakia Jahangir Scholarship
- ☑ Complimentary Jahangir's World Times
- ☑ Special Discount on JBD Books

CSS Executive/ Weekend Prog.

Register Now...

- ☑ Weekend Classes for in-job Candidates
- ☑ 4½-Month Study Plan
- ☑ Provision of Detailed Notes + Teacher Handouts
- ☑ Comprehensive Preparation of MCQs (SMS Service)
- ☑ Free Monthly Jahangir's World Times Magazine
- ☑ Daily Articles on National & International Affairs via email
- ☑ Special Lectures on Current Affairs
- ☑ Paper Attempting Techniques
- ☑ Weekly & Monthly Assessments
- ☑ Grand Tests (FPSC Pattern)…etc.

227-Upper Mall, Lahore.
042-35714747, 0302-5556806-07
www.worldtimesinstitute.com
info@worldtimesinstitute.com; wtalahore@gmail.com
worldtimesinstitute jwtcssvideos

JOIN ME FOR EASY ACCESS TO EBOOKS & NOTES
+92-310-545-450-3
Css Aspirants ebooks & Notes
Css Aspirants Forum
Rules of the group
*No irrelevant text/pic Islamic pic/videos
No Smiley No PM otherwise Removed + Blocked
Personal text w/o Mutual consent Consider Harassment
This book/notes downloaded from the internet.